امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ایک مظلوم مفکر



تصنیف

مولانا عبدالستار ہمدانی برکاتی رضوی

رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز ۳۸۔ اردو بازار لاہور

إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا

اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے علماء ہی ڈرتے ہیں۔ (فاطر ۳۵/۲۸)

امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ

ایک مظلوم مفکر

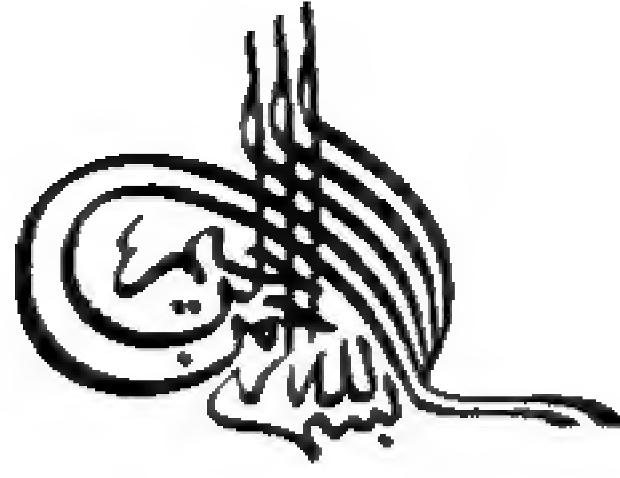
جس نے بدعات اور فتنوں کے قلع قمع کرنے میں تاریخی کردار ادا کیا

تصنیف

مولانا عبدالستار ہمدانی برکاتی رضوی

ناشر

رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز
۳۸۔ اردو بازار، لاہور



نام کتاب ● امام احمد رضا خاں مظلوم مفکر

تصنیف ● مولانا علامہ عبدالستار ہمدانی برکاتی رضوی

تصحیح ونظر ثانی ● حافظ محمد شاہد اقبال

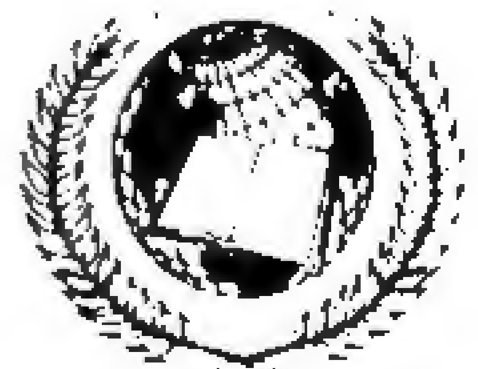
مطبع ● ہاشم اینڈ حماد پرنٹرز، لاہور

الطبع الاول ● محرم الحرام ۱۴۲۳ھ / مارچ ۲۰۰۲ء

ہدیہ ● -/68 روپے

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اُردو بازار لاہور



فون نمبر 042-7312173 ، فیکس نمبر 092-042-7224899

ای۔میل نمبر Email:info@faridbookstall.com

ویب سائٹ Visit us at : www.faridbookstall.com

فہرست

امام احمد رضا......ایک مظلوم مفکر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

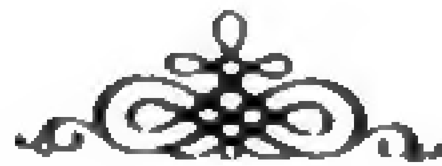
شرفِ انتساب

وہ مارہرہ مقدسہ و مطہرہ کہ وہاں کی خانقاہ عالیہ برکاتیہ روحانیت و ولایت کے شہنشاہوں کی عظیم المرتبت آرام گاہ ہے۔ اس خانقاہ کی ایک امتیازی شان یہ ہے کہ وہاں پر ایک ساتھ روحانیت کے کئی تاجدار استراحت فرما ہیں۔ اس خانقاہ کے عظیم بزرگ، خاتم الاکابر، مرجع الاولیاء، ہادی الاتقیاء، رہبر اصفیاء، قدوۃ الصالحین، سید المرشدین، حضرت سیّد آلِ رسول مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ارضاہ عنا کے سامنے امام احمد رضا محدث بریلوی نے زانوئے ادب تہ کیے اور آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر ان کی غلامی و گدائی کو اپنے لیے باعث فخر جان کر یہاں تک کہا کہ:

منم امیر جہانگیر کج کلاہ یعنی
کمینہ بندہ و مسکین گدائے آلِ رسول
(اعلیٰ حضرت)

اسی مقدس خانقاہ برکاتیہ کے سجادہ نشین و پیرزادے وارث علوم اسلاف، مرجع العلماء، احسن العلماء حضرت علامہ مولانا مولوی قاری حافظ مفتی شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں صاحب قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات ستودہ صفات کی طرف اپنی اس کاوش کو منسوب کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ حضرت احسن العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان کے نعلین کے طفیل میری اس کاوش کو شرف قبولیت سے نواز کر ہم عام و خاص کے لیے نفع بخش بنائے اور میرے لیے نجات کا سبب بنائے۔
آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

خاکپائے سادات مارہرہ مقدسہ و بارگاہ رضا کا ادنیٰ سوالی
عبدالستار حبیب ہمدانی برکاتی رضوی نوری
پوربند
۲۳ رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ
مطابق: ۲ فروری ۱۹۹۷ء یک شنبہ



۷۸۶ ۹۲

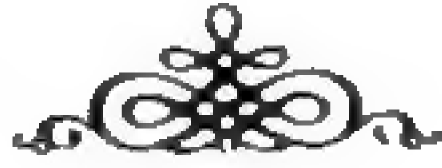
برکاتی ہاؤس، ڈونگری،
ممبئی ۴۰۰۰۰۹
۵ شوال المکرم ۱۴۱۷ھ

برادر عزیز مولوی عبدالستار ہمدانی صاحب!
سلام مسنون و ادعیہ عافیت دارین۔

ان دو چار دنوں میں جتنا کچھ میں نے لکھا اور پڑھا شاید ایک نشست میں اتنا کبھی لکھا پڑھا نہ ہوگا۔ مگر یہ آپ کی محبت اور اعلیٰ حضرت سے میری نسبت کا کمال ہے کہ کام پورا ہوگیا۔ میں نے دونوں مسودے حرف بحرف جانچے اور جہاں جہاں قلم لگانے کی گنجائش تھی وہاں وہاں اپنی ناقص معلومات کے مطابق اصلاح کردی۔ آپ نے مقدمہ لکھنے کی فرمائش کر کے مجھے بڑے امتحان میں ڈال دیا تھا۔ مقدموں سے آج کے دور کا ہر شخص گھبراتا ہے مگر چونکہ یہ مقدمہ ذرا مختلف نوعیت کا تھا اس لیے میں نے روح اعلیٰ حضرت کو پکارا اور ان کے مرشد حضور خاتم الاکابر کی گدی کا تصور کر کے قلم اٹھالیا۔ میں علم کے میدان کا ابجد خواں، بھلا اعلیٰ حضرت جیسی عبقری شخصیت پر کس طرح کچھ لکھ سکتا ہوں۔ میری علمی کم مایگی کے نشان ان صفحات پر آپ کو جابجا ملیں گے ناراض نہ ہوئیے گا بلکہ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے گا کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبان خاص کے صدقہ میں میری بے علمی اور بے عملی دُور فرمادے۔

آپ کی تحریروں کی بہت زیادہ تعریف میں نے اس لیے نہیں کی ہے کہ نظر لگنے کا ڈر تھا۔ بہرکیف! دل سے دعا ضرور نکلی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے سینے کو اور زیادہ فراخی و وسعت عطا فرمائے اور آپ کے قلم کو نئی جولانیاں بخشے، زیادہ کیا لکھوں۔

آپ کا اپنا
سید آلِ رسول حسنین
۵/ شوال المکرم ۱۴۱۷ھ ممبئی



سید آلِ رسول حسنین میاں برکاتی
(سجادہ نشین، آستانہ مارہرہ مطہرہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

اچھے رضا پیارے رضا

برسوں پہلے بھیونڈی میں منعقدہ "یوم رضا" کے منبرسے میں نے امام احمد رضا رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ پر ایک مقالہ پڑھا تھا۔ عبارت کے صحیح الفاظ تو آج میرے ذہن میں نہیں ہیں۔ مگر مفہوم کچھ اس طرح تھا: امام احمد رضا علم، عمل اور عشق کا ایک ایسا مثلث تھے جس کے ہر زاویہ میں ہزار زاویئے۔ علم و فضل، زہد و تقویٰ، ایمان و ایقان اور عشق مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہ ایک ایسا قطب مینار تھے جس کی اونچائی کا اندازہ لگانے میں اچھے اچھوں کے سروں سے ٹوپیاں گر جاتی ہیں۔ اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے دین محمدی کی جو گراں قدر خدمات سرانجام دیں اور مسلمانوں کے ایمان کے تحفظ میں جو انتھک محنت کی اس کے صلہ میں ان کے پیر خانے یعنی مارہرہ مطہرہ سے

انہیں "چشم و چراغ خاندانِ برکات" کے لقب سے نوازا گیا۔ مرشد اعظم نے مرید صادق پر ایسی توجہ فرمائی کہ ایک لمحہ کے لیے خاتم الاکابر شاہ آل رسول احمدی رحمتہ اللہ علیہ کے خادمان خاص ششدر و پیچ میں پڑ گئے کہ بیعت کے بعد حجرے سے برآمد ہونے والے حضرات میں کون پیر ہے؟ کون مرید؟

الحمدللہ! فقیر برکاتی کو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمتہ والرضوان سے کئی طرح سے نسبت ہے: (۱) میں امام احمد رضا کے مرشد برحق کا ہم نام ہوں۔ (۲) شاہ آلِ رسول احمدی علیہ الرحمتہ والرضوان سے مجھے خاندانی نسبت ہے۔ (۳) اس گدی کا تن تنہا وارث ہوں جس سے اعلیٰ حضرت کو شرفِ بیعت حاصل تھا۔ (۴) اس حجرے کا مالک ہوں جس میں وہ تخت مبارک ہے جس پر بیٹھ کر خاتم الاکابر شاہ آلِ رسول احمدی قدس سرہ نے امام احمد رضا اور ان کے والد ماجد مولانا نقی علی خاں قدس سرہ کو بیعت میں قبول کیا تھا۔ (۵) امام احمد رضا کی نعت گوئی کی چلتی پھرتی کرامت ہوں لوگ مجھ پر تو کلام کہتے ہیں۔ کلک رضا نے میرے قلم کو نعت کے میدان میں جلا بخشی ہے۔

آج جب میرے کرم فرما مولوی عبدالستار صاحب ہمدانی برکاتی، رضوی، نوری نے مجھ سے اپنی کتاب پر تقریظ لکھنے کی فرمائش کی ہے تو مجھے یہ فکر کھائے جا رہی ہے کہ کیا میں اس کتاب کے ساتھ انصاف کر پاؤں گا جو اعلیٰ حضرت کے علمی کارناموں پر ایک تحقیقی مقالے کی حیثیت رکھتی ہے؟

نہ مرا نوش ز تحسین نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا گوش بمدحی نہ مرا ہوش ذمے
منم و کنج خمولی کہ نگنجد در وے
جز من و چند کتابے و دوات و قلمے

یہ قطعہ اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی مکمل سوانح عمری ہے جو خود اعلیٰ حضرت نے تحریر فرمایا۔ بظاہر اس میں انکساری اور عجز منعکس ہوتا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ چند کتابوں، دوات اور قلم کا مالک یہ عاشق رسول علوم ظاہر و باطن کا امام تھا۔ برصغیر ہند و پاک کی روحانی اقلیم کے لیے امام احمد رضا مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے

ایک معجزہ تھے۔ وہ چودھویں صدی کے نادر روزگار عالم و فاضل اور یکتائے زمانہ فقیہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ستر سے زیادہ علوم و فنون میں مہارت کاملہ عطا فرمائی تھی۔ انہیں نہ صرف اس دور کے مروجہ علوم دینیہ میں پوری بصیرت حاصل تھی بلکہ علمِ طب، علم جفر، علم تکسیر، زیجات، جبرو مقابلہ، لوگارثم، جیومیٹری، علم ہیئت، علم توقیت اور مثلث کروی وغیرہ علوم میں بھی حیرت انگیز دسترس حاصل تھی۔ ایک فقیہ اور مفتی کے لیے جن علوم کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ سب امام احمد رضا کو حاصل تھے۔ پونے چودہ سال کی عمر سے فتویٰ نویسی کی شروعات کی اور پھر چون سال تک پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ امام احمد رضا کا قلم آدھی صدی سے زیادہ عرصہ تک چلتا رہا اور اس کی برق رفتاری سے پتہ چلا کہ دو دو تین تین دن میں مبسوط فتاویٰ رسائل کی صورت میں تیار ہوتے رہے۔ ایک ہزار سے زیادہ تصانیف بطور یادگار چھوڑیں جن میں نعتیہ دیوان حدائق بخشش (دو حصے) کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، جد الممتار، در مختار کے حاشیہ، شامی پر پانچ جلدوں میں حاشیہ، الدولۃ المکیہ اور بارہ ضخیم جلدوں میں فتاویٰ رضویہ کے نام مشہور و معروف ہیں۔

امام احمد رضا کب اور کہاں پیدا ہوئے؟ اس کی تحقیق اتنی اہم نہیں ہے جتنی اہم یہ جستجو ہے کہ وہ کیوں پیدا ہوئے؟ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے اس خاص بندے کو محبوب خاص صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کے تحفظ و تکمیل کے لیے پیدا فرمایا۔ خالق کو اپنے بندے سے جو کام لینا تھا وہ اپنے فضل و کرم کے سائے میں لیا اور صلہ کے طور اس کو شہرت و دوام کا انعام عطا ہوا۔ دنیائے سنیت میں امام احمد رضا کا نام اچھے برے کا پیمانہ بن گیا۔ ان کی تمام تصانیف خصوصاً فتاویٰ رضویہ کے مطالعے سے بڑے بڑے اصحاب علم و دانش انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں، جس مسئلے پر بھی انہوں نے قلم اٹھایا، اپنے تبحر علمی کی بدولت اس کے ہر پہلو پر نہایت عمدہ طریقے سے روشنی ڈالی اور ایسی واضح حجتیں اور براہین قائم فرمائیں کہ ہم عصر علماء و محدثین نے امام اہلسنّت، مجدد دین و ملت کا خطاب دیا۔ اپنے فتاویٰ میں اعلیٰ حضرت پہلے قرآن کریم سے استدلال کرتے ہیں، پھر احادیث مبارکہ اور اس کے بعد ائمہ دین کے ارشادات سے اپنے موقف کا ثبوت پیش

کرتے ہیں۔

امام احمد رضا علیہ الرحمتہ والرضوان ایک جید عالم، متبحر حکیم، عبقری فقیہ، صاحبِ نظر مفسر قرآن، عظیم محدث اور سحر بیان خطیب تھے۔ لیکن ان تمام درجات رفیع سے بھی بلند تر ان کا ایک درجہ ہے اور وہ ہے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ امام احمد رضا کے قلم میں آورد نہیں بلکہ آمد ہی آمد ہے ایسا لگتا ہے کہ دلائل و مضامین ان کے سامنے صف بستہ کھڑے ہیں اور اعلیٰ حضرت ان میں سے بہترین کا انتخاب کر کے قلم برداشتہ صفحہ قرطاس پر منتقل کرتے جارہے ہیں۔ امام احمد رضا کی انفرادیت یہ ہے کہ ان کا رہوار قلم میدان تحقیق میں جولانیاں دکھاتا ہے تو عموماً آخری حدوں کو چھو جاتا ہے اور مزید تحقیق اور گفتگو کی گنجائش نہیں چھوڑتا۔

ابوالحسن ندوی کے الفاظ میں:

"فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر آگاہی میں شاید ہی ان کا کوئی ہم پلہ ہو، اس حقیقت پر ان کا فتاویٰ اور ان کی تصنیف "کِفلُ الْفَقِیْہِ الْفَاھِم" شاہد ہے......"

اللہ تعالیٰ نے امام احمد رضا کو زبردست قوت استنباط عطا فرمائی تھی۔ ان کی فکر عالی جس طرف متوجہ ہوتی، جدید اور اچھوتے انداز کے دلائل منظر عام پر لاتی تھی۔ انہوں نے بیشتر مقامات پر اکابر فقہائے کرام کے تسامحات پر تنبیہہ کی ہے مگر کمالِ ادب ملحوظ رکھ کر۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمتہ کی مجتہدانہ بصیرت، فکر رسا اور انداز استدلال کا ان لوگوں نے بھی لوہا مانا جو ان کے حلقہ ارادت میں نہیں ہیں۔

ڈاکٹر محمد اقبال کے الفاظ میں:

"وہ (امام احمد رضا) بے حد ذہین اور باریک بین عالمِ دین تھے۔ فقہی بصیرت میں ان کا مقام بہت بلند تھا، ان کے فتاویٰ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس درجہ اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ ور تھے اور پاک ہند کے کیسے نابغہ روزگار فقیہ تھے۔ ہندوستان کے اس دور متاخرین میں اُن جیسا

طباع اور ذہین فقیہ بمشکل ہی ملے گا۔"

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ امام احمد رضا کے ناقدین اور بقول شخصے اپوزٹ (مخالف) گروپ کے اکابرین نے بھی ان کی صلاحیتوں کو سراہا۔

جماعت اسلامی کے بانی ابوالاعلیٰ مودودی کے الفاظ ہیں:

"مولانا احمد رضا خاں صاحب کے علم و فضل کا میرے دل میں بڑا احترام ہے، فی الواقع وہ علوم دینی پر بڑی وسیع نظر رکھتے تھے اور ان کی اس فضیلت کا اعتراف ان لوگوں کو بھی ہے جو اُن سے اختلاف رکھتے ہیں۔"

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ امت مسلمہ کا دیدۂ بینا تھے، انہوں نے افراتفری کے دور میں وہ کچھ دیکھا جو دوسرے نہ دیکھ سکے، نہ صرف دیکھا بلکہ بہانگ دہل اپنی قوم کو بتایا اور اس کو تباہی کے گڑھے میں گرنے سے بچایا۔ اعلیٰ حضرت کے علم کی افادیت صرف ہندوپاک تک محیط نہ تھی۔ ان کے دارالافتاء میں براعظم ایشیا، یورپ، امریکہ، افریقہ سے استفتاء آتے تھے اور ایک وقت میں پانچ پانچ سو جمع ہو جایا کرتے تھے۔ ان سوالناموں کے مبسوط جوابات مرتب کرنا، روزانہ کے ملاقاتیوں کی علمی دینی ضرورتیں پوری کرنا، گھر گرہستی کی ذمہ داریوں کو پورا کرنا، پھر عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار نعتیں کہنا، پھر اپنی عبادتوں وظائف و اوراد و اشغال کی پاسداری، میں پوچھتا ہوں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کو اتنا وقت کس طرح مل جاتا تھا کہ وہ محدود اوقات میں یہ سارے کام نپٹاتے تھے۔

امام احمد رضا علیہ رحمتہ والرضوان کسی نئے مسلک اور مکتب فکر کے بانی نہیں تھے، جیساکہ ان کے مخالفین کا الزام ہے۔ بلکہ انہیں عقائد و نظریات کے مبلغ و ترجمان تھے جو ہر دور میں جمہور علماء و مشائخ کے رہے ہیں۔

چونکہ عام طور سے کسی شخصیت پر خود اس کی زندگی میں باقاعدہ طور سے کوئی تذکرہ لکھنے کا رواج نہیں، یہی سبب ہے کہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان پر ان کی حیات میں کوئی جامع تذکرہ منظرعام پر نہیں آسکا۔ اعلیٰ حضرت کے وصال کے برسوں بعد علماء کو یہ احساس ہوا کہ وہ اپنے محسن کو نادانستہ طور پر گمنامی کے غار میں دھکیل رہے

ہیں۔ اس احساس نے امام احمد رضا کے چاہنے والوں اور عقیدت مندوں کی حمیت کو بیدار کیا اور اس طرح اعلیٰ حضرت کی شخصیت اور ان کے کارناموں کے بارے میں کچھ لکھنے لکھانے کی شروعات ہوئی۔ یہ آغاز اپنے ابتدائی دور میں بہت سست رفتار تھا مگر بعد میں اس میں تیزی آئی' زیادہ سے زیادہ علماء فاضل بریلوی کی جانب راغب ہوئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے چند برسوں میں رضویات پر کام کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد تیار ہو گئی۔ ارباب تحقیق اعلیٰ حضرت سے قریب ہوتے رہے حتیٰ کہ وہ حضرات جو امام احمد رضا کے نام ہی سے بیزار تھے جب انہیں حقیقت آشکارا ہوئی تو وہ بھی اعلیٰ حضرت کی خیر خواہی مسلمین کے معترف ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور انہیں اعلیٰ حضرت کے اعلیٰ علمی رتبے کا اقرار کرنا ہی پڑا۔

چودھویں صدی کی شروعات میں امام احمد رضا علیہ الرحمتہ کے خلاف ایک ہمہ گیر تحریک چلائی گئی جس کے کئی اسباب تھے۔ امام احمد رضا کی مخالفت کی سب سے بڑی وجہ مسلک سلف صالحین پر ان کی بے پناہ استقامت اور اس کی اشاعت کے لیے ان کی سرگرمی اور اس مسلک کے مخالفین پر ان کی سخت تنقیدات معلوم ہوتی ہیں۔ امام احمد رضا کی مصلحانہ، مجددانہ اور ناقدانہ مساعی کا شدید رد عمل ہوا' طرح طرح کے الزامات لگائے گئے اور ان کی تشہیر کے لیے ساری قوتیں صرف کر دی گئیں۔ کہا گیا وہ جاہل اور کم علم تھا' حالانکہ وہ متبحر عالم اور ہمہ گیر علم کا مالک تھا۔ ہر مکتب فکر اور ہر شعبہ زندگی سے متعلق دانشور اور قلم کار احمد رضا کے علم و فضل کے معترف ہوئے۔ عرب اور عجم کے علماء فضلاء نے ان کے علم و فضل کا لوہا مانا۔ تفسیر و حدیث اور فقہ میں انہیں امام مانا گیا' جدید تحقیق کے مطابق ۷۵ علوم اور فنون پر ان کی ایک ہزار سے زیادہ تصانیف اردو' فارسی اور عربی میں موجود ہیں۔

یہ بھی کہا گیا کہ احمد رضا نے بدعات و منکرات کی حمایت و اشاعت کی' حالانکہ انہوں نے بدعات و منکرات کی شدید مخالفت کی اور بے شمار رسائل لکھے اور اس میں اپنے پرائے کی ذرہ بھر رعایت نہ کی۔ اعلیٰ حضرت کی علمی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے بعض علماء نے انہیں مجدد کہا ہے۔ محافظ کتب الحرم سید اسماعیل خلیل مکی لکھتے ہیں:

(ترجمہ) "اگر ان کے بارے میں کہا جائے کہ وہ اس صدی کے مجدد ہیں تو یہ بات صحیح اور سچ ہوگی۔"

نت نئی باتوں (بدعات) کے بارے میں امام احمد رضا کا مسلک یہ تھا کہ ہر وہ نئی بات جس کو شارع علیہ السلام نے منع نہ کیا ہو اور جس سے منشاء شریعت کو تقویت پہنچے، جائز ہے۔ امام احمد رضا کی اصول پسندی نے گوارہ نہ کیا کہ وہ طفلانہ ضد کو شعار بنائیں اور اپنی پسند و ناپسند کو معیار شریعت بنا کر ملت اسلامیہ کو عظیم تفرقہ میں مبتلا کر دیں، انہوں نے اسی مسلک کو اپنایا جو صدیوں سے جمہور کا مسلک رہا ہے۔ انہوں نے قرآن و حدیث اور جمہور علماء کے اقوال سے مسلک حق روشن کیا۔ جہلا نے جو بدعات نکالی ہیں ان سے امام احمد رضا کو کوئی تعلق نہیں۔ وہ دین تو دین، دنیوی زندگی میں بھی ایسی باتوں کی تائید نہ کرتے تھے جو کسی فرد کے اسلامی تشخص کو مجروح کر دے۔

امام احمد رضا پر ایک الزام یہ بھی لگایا گیا کہ وہ تکفیرِ مسلم میں بے باک تھے، حالانکہ انہوں نے عالمِ اسلام کے لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کو چند نام نہاد علماء کے ہاتھوں مشرک و کافر ہونے سے بچایا۔ وہ تکفیرِ مسلم میں بے حد محتاط تھے۔ حقیقت میں مخالفین نے ایک ہی قسم کے فتوؤں کو زیادہ نمایاں کر کے امام احمد رضا کو بدنام کیا ہے، حالانکہ فتاویٰ رضویہ میں ہزاروں لاکھوں دوسرے فتویٰ بھی ہیں جو نہایت مدلل اور محققانہ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اعلاء کلمتہ الحق ان کا مسلک تھا اور احیاء اسلام ان کا نصب العین۔ انہوں نے جن جن کی تکفیر کی ان کے دامن بے داغ نہ تھے، بلکہ خود ان کے معتقدین نے اعتراف کیا کہ عبارت کا وہ مفہوم لیا جائے جو احمد رضا نے لیا تو یقیناً کفر عائد ہوتا ہے۔

امام احمد رضا علیہ الرحمتہ والرضوان کے مخالفین نے خود کو بچانے کی غرض سے کردار کشی (Character assasination) کی زبردست مہم چلائی اور ہر وہ بات جو ان مخالفین کو بے نقاب کرنے والی تھی، اسے انہوں نے اعلیٰ حضرت پر چسپاں کرنے کی کوشش کی مگر امام احمد رضا کے قلم کو تائید غیبی حاصل تھی۔ ان کی ناموس و عزت کا نگہبان رب غفار و ستار تھا۔ عشق رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم امام احمد رضا کی ڈھال

بن گیا اور مخالفین کو منہ کی کھانی پڑی۔ اعلیٰ حضرت کا دفاع خود ان کے خاندان کے لوگ بھی نہ کر سکے، اگر دفاع کیا تو صرف ان کی اجلی تحریروں نے جنہیں خالص اللہ اور اس کے محبوب جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید و حمایت حاصل تھی۔

مخالفین کی زد میں آئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی یقیناً ایک مظلوم مفکر تھے۔ اور یہی عنوان ہے اس تصنیف کا جس کو تحریر کا ملبوس عطا کیا ہے علامہ عبدالستار ہمدانی برکاتی کے قلم نے۔ ہمدانی صاحب اعلیٰ حضرت کی تصانیف اور ان کے مخالفین کی تحریروں کے تقابلی موازنہ کے تعلق سے یقیناً اسم بامسمیٰ ہیں۔ اس طرز کی تصنیف کی ضرورت ایک عرصہ سے محسوس کی جا رہی تھی۔ اعلیٰ حضرت کی تصانیف کی ضرورت بھی ایک عرصہ سے محسوس کی جا رہی تھی۔ اعلیٰ حضرت کی تصانیف کی گنتی تو بہت سی کتابوں اور تذکروں میں مل جاتی تھی مگر ایک ایک تصنیف کا مبسوط تعارف اور سبب تحریر کہیں ایک جگہ نہیں ملتا تھا۔ مولوی عبدالستار ہمدانی نے نہایت عرق ریزی سے یہ طویل مقالہ تحریر کیا ہے۔ علماء دیوبند تو ایک طرف، خود اہل سنت والجماعت کے بیشتر علماء اعلیٰ حضرت کی اکثر تصانیف کے ناموں سے واقف نہ ہوں گے۔ اکثر علماء سے تو شاید ان تصانیف کے ناموں کا تلفظ بھی ادا نہ ہو سکے۔ مولوی عبدالستار ہمدانی نے رضویات کے خزانے میں یہ ایک ایسا بیش بہا اضافہ کیا ہے جو اپنوں پرایوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

فقیر برکاتی نے اس کتاب کو حرف بہ حرف لفظ بہ لفظ دیکھا اور پڑھا۔ یہ کتاب بلاشبہ عبدالستار ہمدانی کی تھیسس (Thesis) ہے، انہوں نے ایک ریسرچ اسکالر کے سے انداز میں اپنے مضامین پھیلائے ہیں۔ اپنے حوالہ جات پیش کیے ہیں۔ اپنی اسناد تحریر کی ہیں۔ وہ کوئی بات دلیل کے بغیر سامنے نہیں رکھتے۔ ان کی یہ تحریر امام احمد رضا سے محض ان کی عقیدت کی عکاسی نہیں ہے۔ وہ ایک ماہر وکیل دفاع کی حیثیت سے عوام کی عدالت کے سامنے وہ سارے حقائق ایک ایک کر کے پیش کرتے ہیں جو امام احمد رضا کے مخالفین کی یاوہ گوئی کا منہ توڑ جواب ہیں۔ عبدالستار ہمدانی کا طرز استدلال بہت ہی سائنٹیفک ہے۔ وہ پہلے ایک مقدمہ اٹھاتے ہیں اس کے عوامل و عواقب پر روشنی

ڈالتے ہیں اور پھر اپنے دلائل کے اوراق الٹتے ہیں۔ ہر ورق حقائق سے پردہ اٹھاتا جاتا اور آخر سچائی یوں سامنے آجاتی ہے جیسے خورشید طلوع ہو گیا ہو۔

عبدالستار ہمدانی صاحب نے اس کتاب کا نام "امام احمد رضا ایک مظلوم مفکر" نہایت مناسب رکھا ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی جو خدمات دین متین کے تحفظ کے تعلق سے آدھی صدی سے اوپر محیط ہیں ان کی قدر غیروں نے تو برائے نام اپنوں تک نے نہیں جانی۔ ان کے اپنے خاندان والوں نے ان کے علمی اور قلمی ورثے کے تحفظ و بقا کا کوئی اہتمام نہیں کیا۔ اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی کتنی ہی تصانیف الماریوں میں رکھی رکھی دیمک کی خوراک بن گئیں۔ عبدالستار ہمدانی صاحب نے اپنی اس کتاب میں دو سو بارہ کتابوں کے نام درج کیے ہیں۔ ان میں سے کتنے ہی رسالہ آج نادر و نایاب ہیں۔ کیا یہ ایک عظیم قومی نقصان نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے نام پر آج کتنے افراد، کتنی جماعتیں، کتنی اکیڈمیاں دونوں ہاتھوں سے پیسے بٹور رہی ہیں، پر کتنے لوگ ہیں جو اعلیٰ حضرت کے اس قلمی ورثے کو عوام تک پہنچانے کا اہتمام کر رہے ہیں۔ کیا یہ کوتاہیاں نہیں ہیں؟ کیا یہ امام احمد رضا پر ظلم نہیں ہے؟ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ "امام احمد رضا ایک مظلوم مفکر" نہایت موزوں عنوان ہے اس کتاب کا۔ اعلیٰ حضرت پر اپنے اور پرائے دونوں جانب سے ظلم ہوا ہے، انہوں نے جس خلوص و للہیت اور بے غرض جذبہ خدمت کے ساتھ قوم کے عقائد کے تحفظ کے لیے ان تھک محنت کی اور دین کے فروغ کے لیے مسلمانوں کے اچھے خاصے بڑے طبقے کو اپنا مخالف تک بنا لیا، اس خلوص اور ایثار کی قدر ہم سے کتنوں نے کی۔ آج غیر تو غیر، بہت سے اپنے کہلائے جانے والے بھی یہ سوال پوچھ رہے ہیں کہ "مسلک اعلیٰ حضرت زندہ باد" کے نعرے کیوں لگائے جاتے ہیں، "اعلیٰ حضرت" کیوں کہا جاتا ہے، ایک خان زادے کو اتنی عزت کیوں دی جا رہی ہے؟ کتنے ناشکرے ہیں یہ لوگ! جس شخص کی محنت اور قربانیوں کی بدولت ہم سینوں کو دینی تشخص ملا ہوا ہے، اسی کے بارے میں لوگ بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہے ہیں، محسن کش، احسان فراموش لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ امام احمد رضا نے جو کچھ کیا، جو کچھ لکھا، وہ اکیلے ان کی ذمہ داری نہیں تھی، ان کے دور میں ہندوستان بھر میں

خانقاہوں کی کمی نہ تھی، علمی درس گاہیں بھی موجود تھیں، ماہر اسلامیات بھی موجود تھے، ارباب علم و قلم بھی تھے، پھر کیوں کوئی مائی کا لال اسلام دشمنوں کا جواب دینے اور انہیں للکارنے کے لیے نہیں اٹھا؟ کیا اس دور کے سادات کرام کی یہ ذمہ داری نہیں تھی کہ وہ اپنے جد امجد رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت پر ہونے والے حملوں کا جواب دیتے، کیا نائبین رسول کہلائے جانے والے علماء کی یہ ذمہ داری نہیں تھی کہ وہ عیش کدوں سے باہر نکل کر ان لوگوں کا تعاقب کرتے جنہوں نے مسلمانوں کے عقائد مجروح کرنے کی سازش رچا رکھی تھی، خانقاہوں کی چہار دیواری میں بند پیرزادوں کی کیا یہ ذمہ داری نہیں تھی کہ وہ دکھاوے کی ہُو حق چھوڑ کر اس بندۂ خدا کا دفاع کرتے یا تعاون کرتے جو تن تنہا ایک پورے شیطانی لشکر سے اُلجھنے نکل پڑا تھا۔

چلیے اس دور کی بات جانے دیجئے کہ سب کو اپنی پڑی ہوئی تھی، پر آج کیا ہوا ہے اعلیٰ حضرت کے نام پر کھانے کمانے والے، ان کے نام پر چندہ کرنے والے، ان کی کتابوں سے استفادہ کر کے خود کو مفتی اور علامہ اور نہ جانے کیا کیا کہلوانے والے لوگ امام احمد رضا کے مشن کے فروغ میں کیا عطیہ دے رہے ہیں۔ "شمع شبستان رضا"، مجموعہ "اعمال رضا" نامی کتابیں بغل میں لیے قریہ قریہ "بابا گیری" کرنے والے ڈھونگی پیر تو بہت مل جائیں گے مگر اعلیٰ حضرت کی ذات پر کیے جانے والے رقیق حملوں کا جواب دینے والے معدودے چند۔ ایسے حالات میں مولوی عبدالستار ہمدانی صاحب ایسے لوگ اللہ کی نعمت سے کم نہیں جنہوں نے اپنا سب کچھ دین کی راہ میں قربان کرنے کا عزم کر لیا ہے۔ جو صرف نعرے لگوانے کو ہی سب کچھ نہیں سمجھتے بلکہ نعروں کی بنیاد مستحکم کرنے کو اپنا فریضہ سمجھ کر چلتے ہیں۔

آج ہمارے اکابر علماء لندن، امریکہ، ساؤتھ افریقہ، ماریشس کے دورے پر جانا بہت بڑا دینی فریضہ سمجھتے ہیں، اپنے متوسلین و مریدین میں یہ دعوے کرتے ہیں کہ ہمارا یہ دورہ خالص تبلیغی نوعیت کا ہوگا، مگر جب دوروں سے واپس آتے ہیں تو ان کی زبان پر محض ایئر کنڈیشنڈ کاروں اور بنگلوں کا ذکر ہوتا ہے، بریانی اور تندوری چکن کی دعوتوں کے ترانے ہوتے ہیں۔ کیا یہ دورے جائز ہیں، ایسی صورت میں جبکہ ملکی سطح پر ملت کے

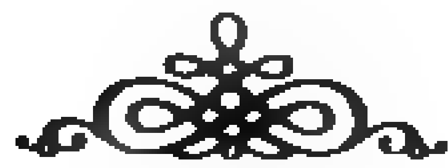
عقائد انتشار و خلفشار کا شکار ہیں۔ آج سنی مسلمان کو ایک طرف ارون شوری اور بھارتیہ جنتا پارٹی، وشوا ہندو پریشد، آریہ سماج، ہندو مہا سبھا اور کانگریس کے پروردہ نام نہاد مسلمان دانشوروں کی اسلام دشمن سازشوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، تو دوسری طرف دیوبندی، جماعت اسلامی، تبلیغی جماعت، اہل حدیث، اہل قرآن، احمدیہ مشن جیسے گھر کے بھیدیوں کا خطرہ درپیش ہے۔ تیسرے محاذ پر ہم سنی حضرات آپس میں لڑے مرے جا رہے ہیں۔ کبھی یہ سننے میں آ رہا ہے کہ جولاہوں نے سادات کی تنقیص و تنقید کا بیڑا اٹھا رکھا ہے، کہیں یہ سننے میں آ رہا ہے کہ سادات نے غیر سید پیروں کے خلاف محاذ آرائی کر رکھی ہے۔ اشرفی رضوی تنازعہ، رضوی برکاتی اختلاف، کہیں مداریوں کی شورش، کہیں حشمتیوں کا غوغا، خانقاہیں اکھاڑا بنی ہوئی ہیں، علمی درس گاہیں سیاست کا میدان، دارالعلوم کے ارباب اقتدار اس بات میں زیادہ کوشاں ہیں کہ زیادہ سے زیادہ چندہ مل جائے جس میں سے سفیر کا پچاس فیصد کمیشن نکال کر باقی رقم حیلہ کر کے صدر صاحب اور سیکرٹری صاحب اور سربراہ اعلیٰ کی کوٹھی تعمیر ہو جائے۔ زکوٰۃ کی جس رقم کا مالک طلبہ کو بنایا گیا تھا وہ جائیں بھاڑ میں۔ صدر صاحب کے گھر میں جدید فیشن کا صوفہ سیٹ آ جائے، طلبہ ٹاٹ کے بورے پر ہی بیٹھے رہیں۔ کیا امام احمد رضا نے ۵۴ سال رات دن ایک کر کے قوم مسلم کو یہی مشن عطا کیا تھا۔ اپنے نام کے آگے مفتی اعظم، مفتی، علامہ، مفسر اعظم، محدث اعظم، شیخ الاسلام وغیرہ القاب و آداب لکھوانے والے لوگ سنیت کے فروغ میں کیا عطیہ دے رہے ہیں۔ اس کا اگر آپ سالانہ تجزیہ کریں تو سال بھر میں چند عدد دورے اور چند درجن دعوتوں کے علاوہ آپ کے ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔ اکابرین نے اپنے چاروں طرف محافظوں اور جی حضوریوں کا ایسا ہالہ قائم کر رکھا ہے جو عوام کو ان تک پہنچنے سے روکتے ہیں۔ رمضانی حافظوں اور محرم الحرامی مولویوں اور شبراتی چندے بازوں نے مخالفوں کو ہمارے اوپر ہنسنے اور ہمارے اسلاف کا مذاق اڑانے کا کافی مواد دیا ہے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے علماء اور ہمارے مشائخ عوام کی دینی اور روحانی تربیت بالکل اسی نہج پر کریں جو اعلیٰ حضرت کا وطیرہ رہی ہے۔ تقریریں بہت

ہو چکیں، زبانی جمع خرچ کا یہ زمانہ نہیں ہے۔ آج ہمارے علماء کے لیے ضروری ہے کہ وہ قلم اٹھائیں اور اپنے علم سینہ کو صفحہ قرطاس پر منتقل کریں۔ لفظ کملی پر بحث اتنی ضروری نہیں ہے جتنی مسئلہ طلاق میں عوام کی رہنمائی کرنے کی۔ مولا علی کرم اللہ وجہہ کی سیادت پر آپس میں لڑ مرنے سے زیادہ ضرورت ان مسائل پر غور کرنے کی ہے جو ہمارے روزمرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جن مسائل پر قلم اٹھایا ان میں سے بیشتر مسائل ہمارے عقائد سے متعلق تھے گویا اعلیٰ حضرت نے ہمیں یہ بتایا کہ اے لوگو تمہاری دینی زندگی میں اُجالے کے لیے رُوحانی شمعیں میں روشن کیے جاتا ہوں، دین سنبھالے رہو گے تو دنیا خود بخود سنبھل جائے گی۔

عبدالستار ہمدانی صاحب کی یہ کاوش اس لیے اور بھی قابل قدر ہے کہ انہوں نے ہمیں امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی تحریر کی باریکیوں سے روشناس کرایا ہے۔ ساتھ ہی اعلیٰ حضرت کے مخالفین کی ریشہ دوانیوں کی پول بھی کھولی ہے اور ان کی سازشوں کو بے نقاب کیا ہے۔ "امام احمد رضا ایک مظلوم مفکر" ایک ایسا تحقیقی کارنامہ ہے جو انشاء اللہ عوام الناس کے دلوں میں اعلیٰ حضرت کی عظمت کا نقش بٹھانے میں اہم کردار ادا کرے گا۔

کتاب کے بارے میں اور اس کے مآخذ کے تعلق سے بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے مگر میں آپ کے اور مصنف کے درمیان دیوار نہیں بننا چاہتا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صدقہ و طفیل میں مولوی عبدالستار ہمدانی برکاتی کی اس کتاب کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور مولوی موصوف کے قلم کو مضامین و تخیل کی مزید وسعت سے نوازے اور سب سے بڑی بات یہ کہ انہیں حاسدین کی نظر سے محفوظ رکھے۔ آمین آمین، آمین یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ بِجَاہِ النَّبِیِّ الْاَمِیْنِ الْکَرِیْمِ الْمَکِیْنِ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَنُوْرِ عَرْشِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ۔



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

”امام احمد رضا... ایک مظلوم مفکر“ پر طائرانہ نظر

دنیائے اسلام میں امام احمد رضا کی ذات محتاج تعارف نہیں ہے۔ امام احمد رضا کا دور (۱۲۷۲ھ تا ۱۳۴۰ھ) (۱۸۵۷ء سے ۱۹۲۱ء) ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ میں ایک الگ اہمیت رکھتا ہے۔ یہ وہ دور تھا جب آزادی کی شمع روشن ہو چکی تھی اور ملک آزاد کرانے اور انگریزوں کے تسلط سے نجات پانے کی کوششیں ہندوستانی مسلمان شروع کر چکے تھے۔ اسی دور میں خطہ روہیل کھنڈ کے شہر بریلی میں وہ بچہ پیدا ہوا جو چودھویں صدی کے مجدد کے منصب پر فائز ہوا۔ اہلسنّت و جماعت کا ہر وہ شخص اس ذات والاصفات کا احسان مند ہے جس نے اسلام و سنیت کے دفاع میں تقریباً پچپن برس جہاد بالقلم کیا اور تمام دشمنانِ اسلام و سنیت کو لاجواب کر دیا۔

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان کی شخصیت کو مسخ کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ ان پر بے بنیاد الزامات لگائے گئے کہ وہ کفر ساز مشین ہیں، اپنے مخالف کو کافر بنا دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، ان کی قرآن فہمی مشکوک ہے وغیرہ

وغیرہ۔ ان لغو الزامات کا تحقیقی جواب دینے کے لیے ہماری جماعت کے مشہور اہلِ قلم برادرم مولانا عبدالستار ہمدانی نے کمر کسی اور زیر نظر تصنیف ان کی محنت کا ثمرہ ہے۔

مولانا عبدالستار صاحب تقریباً نوے کتابیں گجراتی اور اردو میں تحریر کر چکے ہیں مگر اس کتاب میں ان کا انداز بالکل مختلف ہے۔ عبارت کی روانی، جملوں کی بے ساختگی، تفحص الفاظ وغیرہ سے یہ اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ مولانا موصوف کی مادری زبان گجراتی ہے۔

ہر دور کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں، ہمارا دور تحریر اور کمپیوٹر کا دور ہے، اپنی بات کہنے اور اس پر سامنے والے کو متوجہ کرنے کے لیے آج تقریر سے زیادہ تحریری کام کی ضرورت ہے اور اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے مولانا عبدالستار صاحب مسلسل جدوجہد کر رہے ہیں۔

۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی، جسے انگریز حکمرانوں نے "غدر" سے تعبیر کیا، ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ میں سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے۔ گو کہ گھر کے بھیدیوں کی وجہ سے انگریز حکمرانوں نے پہلی جنگ آزادی کو ناکام بنا دیا مگر اب ایک شمع روشن ہو چکی تھی جو کسی کے بجھائے بجھ نہیں سکتی تھی۔ انگریزوں نے سوچا کہ جب تک اس ملک کا مسلمان متحد رہے گا ہماری حکومت کے لیے خطرہ باقی رہے گا، چنانچہ اس نے مسلمانوں ہی میں سے چند نام نہاد علماء کو اپنا ایجنٹ مقرر کیا اور ان سے کہا کہ مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنا تمہاری ذمہ داری ہے۔ عشق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسا نقطہ ہے جس پر سبھی مسلمان متحد ہیں، لہٰذا ایسی تقریری اور تحریری کوششیں کرو جس سے عظمت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ضرب پڑے۔

ان نام نہاد علماء نے اپنے "آقایانِ نعمت" کے حکم پر لبیک کہا اور اسی کے نتیجے میں وہابی، دیوبندی، قادیانی، نیچری، تبلیغی وغیرہ فرقوں کا جنم ہوا جو آج تک تعظیم مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کو باز رکھنے میں کوشاں ہیں۔

امام احمد رضا محدث بریلوی نے اپنے قلم سے تمام باطل اور گمراہ فرقوں کا مقابلہ کیا اور ان کی سرکوبی کی۔ ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت علمِ غیب کا انکار کیا گیا، ختم نبوت

کے بنیادی عقیدے سے انکار ہوا، اللہ رب العزت سے جھوٹ بولنے کا امکان لکھ کر شائع کیا گیا، جھوٹے نبیوں کی پشت پناہی ہوئی، تقلید سے انحراف کیا گیا، رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال کو جانوروں کے خیال سے بدتر قرار دیا گیا (معاذ اللہ) اور نہ جانے اسی طرح کے کتنے منصوبے بنائے گئے جن سے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت پر حرف لانے کی کوشش کی گئی تو اللہ نے اپنے نیک بندوں سے ایک کو وہ طاقت عطا فرمائی جس نے تمام فتنہ سازوں کے دانت کھٹے کر دیئے اور مسلمانوں کے دلوں میں عشق رسول کے چراغ روشن کر دیئے۔

مولانا ہمدانی نے اس کتاب میں منفرد انداز اختیار کیا۔ پہلے وہ عنوان قائم کرتے ہیں اور دشمنانِ رسول کی کتابوں سے ان گمراہ کن عقیدوں کا انتخاب کر کے مع صفحہ نمبر، ایڈیشن، سن اشاعت، مطبع وغیرہ اس حوالے کو تحریر کرتے ہیں، پھر اس ملعون عقیدے کے رد میں امام اہلِ سنت فاضل بریلوی کی مختلف کتابوں کا نام تحریر کرتے ہیں گویا اب اپنے دفاع کے لیے ان کے پاس کوئی ہتھیار باقی نہ رہا۔

مخالفین نے امام احمد رضا کو بدعتی کہا اور یہ پروپیگنڈا کیا کہ بدعت کو پھیلانے میں سب سے بڑا ہاتھ فاضل بریلوی کا ہے مگر اس کتاب کی روشنی میں یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ فاضل بریلوی نے تو بدعات و منکرات کا رد فرمایا ہے اور مخالفین نے عائد کردہ تمام الزامات بے سروپا ہیں۔

ہماری جماعت میں تحریری کام اس رفتار سے نہیں ہو رہا ہے جس کی ضرورت ہے۔ مولانا عبدالستار ہمدانی نے مسلک اعلیٰ حضرت سے متعلق مختلف موضوعات پر کتابیں تحریر کرنا اور ان کی اشاعت کرنا اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا ہے۔

اس کتاب کے مطالعے سے وہ بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی جو سعودی اور یہودی ایجنٹوں نے عام ہندوستانیوں کے دل و دماغ میں پیدا کر دی ہیں اور مسلک اعلیٰ حضرت کو ''ہوا'' بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ، سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں عزیزم مولانا ہمدانی کو اجر عظیم عطا فرمائے اور اس منفرد تصنیف کو شہرت عام بخشے۔

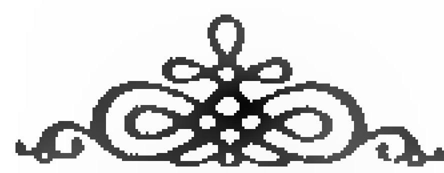
عزیزم عبدالستار ہمدانی صاحب اپنے مشائخ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

اور سادات کرام کے عاشق ہیں، انہوں نے مجھ سے اصرار کیا کہ چند صفحات تحریر کردوں فقیر قادری اس وقت حضرت مولانا محمود جان صاحب علیہ الرحمتہ کے عرس شریف میں جام جودھ پور حاضر ہے۔ تحریری کام کے لیے جس ذہنی سکون اور فرصت کی ضرورت درکار ہوتی ہے وہ عنقا ہے مگر ان کے اصرار اور خلوص نے حوصلہ دیا جو چند سطریں تحریر کردیں۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمتہ والرضوان کا وہ قرضہ جو ہم سنی مسلمانوں پر ہے اس کا کچھ حصہ اس تصنیف سے شاید ادا ہو جائے۔

مولیٰ عزوجل بہ طفیل سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم مولانا عبدالستار ہمدانی صاحب کو صحت و سلامتی کے ساتھ بہت دنوں کی زندگی عطا فرمائے کہ وہ اس تحریری سلسلے کو جاری رکھیں اور مسلک کی خدمات انجام دیتے رہیں۔ (آمین) بجاہ الحبیب الامین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

فقیر برکاتی: سیّد محمد امین
خادم سجادہ آستانہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ
ضلع ایٹہ نزیل جام جودھ پور
شب چہارم، صفر المظفر ۱۴۱۸ھ / ۹ جون ۱۹۹۷ء



نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

وَآلِهٖ وَصَحْبِهِ الْکِرَامِ اَجْمَعِیْنَ

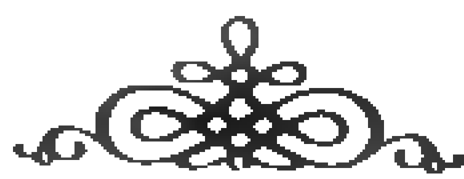
میں نے عزیزم مکرم مولانا عبدالستار ہمدانی کی کتاب "امام احمد رضا ایک مظلوم مفکر" کے چند اقتباسات مختلف مقامات سے خود ان کی زبانی سنے۔ یہ اپنے طرز کی منفرد تصنیف ہے جس میں سیدنا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی خدمات کو اُجاگر کیا ہے اور رد بدعات و منکرات میں جس قدر ان کی تصانیف ان کے علم میں ہیں انہیں مختلف عنوان کے تحت مفصل ذکر کر دیا گیا ہے اور یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں کر دی گئی ہے کہ سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کا کار تجدید سب سے نمایاں ہے اور یہ کہ انہوں نے اپنے دور میں متعدد فتنوں کا سدباب فرمایا ہے، اسی لیے بدمذہب جتنی عداوت اعلیٰ حضرت سے رکھتا ہے اور کسی سے نہیں رکھتا۔ میں دعاگو ہوں کہ مولائے کریم ان کی اس تصنیف کو قبولِ عام بخشے۔ آمین۔

وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔

فقیر محمد اختر رضا خاں ازہری غفرلہ

شب ۲۵ شوال ۱۴۱۷ھ ۵ مارچ ۱۹۹۷ء

نزیل پور، بندر



اللہ کے نام سے شروع

اللہ کے پیارے حبیب کی نظر کرم ہے اس لیے یہ ناچیز رقم کر پائے گا۔ سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ کے ایک متوسل عالم مولانا عبدالستار ہمدانی (متوطن پور بندر) کل ہند سطح پر عقائد اہلسنّت کے دفاع کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہیں۔ علمی ذوق رکھتے ہیں اس لیے انہوں نے علمی انداز اختیار کیا ہے۔ مطالعہ کا شوق ہے کتابیں جمع کرتے ہیں۔ انہیں الماری کی صرف زینت نہیں بناتے بلکہ ان کا گہرا مطالعہ کرتے ہیں۔ مطالعہ پر غور کرتے ہیں اور عصری تقاضوں کے پیش نظر سوالات قائم کر کے جستجو کے ذریعہ مسائل کی حقیقت تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اب تک ۹۰ کتابوں پر مشتمل ان کی تحقیقات منظر عام پر آ چکی ہے۔ اللہ کرے زورِ قلم زیادہ۔ زیرِ نظر کتاب "امام احمد رضا ایک مظلوم مفکر" مولانا ہمدانی صاحب کے سلسلہ تحقیق کی ایک اہم کڑی ہے۔

مجدد اعظم امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان نے اپنی زندگی کا نصب العین اس طرح پیش کیا تھا:

نہ مرا نوش ز تحسین نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا گوش بدحی نہ مرا ہوش ذمے
منم و کنج خمولی کہ نگنجد در وے
جز من و چند کتابے و دوات و قلمے

"کتاب، دوات، اور قلم" امام اہلسنّت کی سنت ہیں۔ ہمدانی صاحب اپنے مرشد کامل حضور مفتئ اعظم علیہ الرحمتہ والرضوان کے والد عالی وقار کی سنت پر قائم ہیں۔ یہ توفیق کی بات ہے کہ ان کے حصہ میں امام اہلسنّت کی یہ سنت آئی کہ کتابیں زیر مطالعہ رکھو، دوات کو گیلا رکھو اور قلم کو اس میں ڈبو کر صفحہ قرطاس پر اللہ اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لیے رواں کرتے رہو۔ میں ہمدانی صاحب کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے قادری، برکاتی، رضوی، نوری ہونے کا حق ادا کر دیا۔ ہمارا سلسلہ دینی، علمی اور روحانی فیوض و برکات کا حسین امتزاج پیش کرتا ہے۔

"امام احمد رضا ایک مظلوم مفکر" معرض وجود میں کیوں آئی؟ مولانا ہمدانی صاحب اس کا جواب یوں دیتے ہیں:

"امام احمد رضا محدث بریلوی نے صرف تعظیم رسول اور توہین رسول کی بنیاد پر علمائے دیوبند سے اختلاف کیا تھا کیونکہ اسی پر ایمان اور کفر کا مدار ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان اصولی اختلافات کے علاوہ بہت سے فروعی اختلاف بھی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تعظیم انبیاء و اولیاء کی بنیاد پر صدیوں سے اہلِ اسلام جو جائز اور مستحب کام کرتے آئے ہیں ان تمام افعال کو وہابی دیوبندی مکتب فکر نے بدعت، ناجائز، حرام، کفر اور شرک کے فتوے دیئے۔ اس حقیقت کو ہم تفصیل سے پیش کرتے ہیں تاکہ قارئین حضرات اسے بخوبی سمجھ لیں۔"

مولانا ہمدانی صاحب نے زیر نظر کتاب میں ان تمام فتنوں اور ان کے موجدین کی نشاندہی کی ہے جن کی وجہ سے اہلسنت والجماعت کا شیرازہ منتشر کرنے کے لیے ہندوستان میں نو آبادیاتی دور میں منظم سازشیں کی گئیں۔ اس کے بعد انہوں نے امام اہلسنت کی ان تصانیف کے حوالے دیئے ہیں جن میں قرآن و سنت، آثار صحابہ، اقوال فقہاء اور ملفوظات اولیائے کرام کی روشنی میں دین میں رخنہ ڈالنے والوں اور اہلسنت و جماعت میں فتنہ پھیلانے والے دشمنان اسلام کے عقائد باطلہ کی بخیاں ادھیڑی ہیں اور

قدیم اہلسنت و جماعت کے عقائد صحیحہ کی تشریح و توضیح کی گئی ہے۔

بظاہر مولانا ہمدانی صاحب کی کتاب مناظرہ ادب، کا ایک نمونہ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ہمدانی صاحب بخوبی واقف ہیں کہ اب وہ دور نہیں جو "خبیث مردود" کہ مجمع کو لوٹ پوٹ کر دیا جائے اور مجمع جمع کرنے والے سیٹھوں کو لوٹ لیا جائے۔ امام اہلسنّت کی نہ یہ تعلیم تھی اور نہ یہ روش۔ انہوں نے رد وہابیہ اور دیگر بد عقیدہ فرقوں کا رد علمی انداز سے کیا تھا۔ ہمدانی صاحب نے مناظرہ کا ماحول تو کتاب میں بنایا ہے تاکہ قاری پڑھنے پر مجبور ہو لیکن ساتھ ہی ساتھ انہوں نے علمی اور محققانہ انداز سے قاری کی ذہن سازی کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔

زیر نظر کتاب سے واضح ہو جاتا ہے کہ مولانا ہمدانی صاحب کا مطالعہ وسیع ہے۔ اس کتاب کے آنے پر عساکر وہابیہ میں ہلچل ضرور مچے گی۔ ایک اور زلزلہ آئے گا۔

بچپن سے ایک محاورہ سنتے آئے ہیں "میاں کی جوتی میاں کا سر" مولانا ہمدانی صاحب نے وہابیہ کی بکواس کو ان کے منہ پر مار کر اس محاورے میں پوشیدہ معنویت کو واضح کیا ہے۔ اب میاں اپنی جوتیاں سمیٹیں اور نو دو گیارہ ہوں۔ ہمدانی صاحب، مبارک کہ آپ نے انھیں کہیں کا نہیں رکھا۔

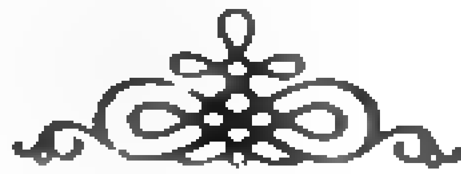
جی چاہتا ہے "امام احمد رضا ایک مظلوم مفکر" پر لکھتا ہی جاؤں۔ لیکن کتاب طباعت کی غرض سے پریس میں جارہی ہے۔ عرس رضوی کے موقع پر انشاء اللہ تعالیٰ اس کا رسم اجراء ہوگا۔ میرے پاس کوئی چارہ نہیں سوائے اس کے کہ چالو مقررین کی طرح عذر لنگ پیش کروں کہ سفر میں ہوں، مجلسوں اور محفلوں میں شرکت کی بنا پر فرصت ہی نہیں ملی کہ افکار کو منظم کر کے رقم کرتا، بس مولانا ہمدانی صاحب کی محبت میں کچھ ٹوٹے پھوٹے الفاظ لکھ دیئے۔ آئندہ انہوں نے زحمت دی تو صاحبان اور لکھوں گا جی کھول کر، ناچیز چالو مقررین سے تھوڑا گریز کرتے ہوئے یہ عرض کرے گا کہ افکار ہوتے تو منظم کرتا۔ باقی سب عذر لنگ ہے۔

زیر نظر کتاب اپنوں میں مقبول ہوگی اور وہ حلقہ بھی جس کے عقائد باطلہ کو عریاں کیا گیا ہے۔ وہ بھی اپنے سیاہ و مسخ چہرے اس میں دیکھنے کے لیے بے تاب رہے گا۔

موخرالذکر کو عبرت آجائے تو مولانا ہمدانی صاحب کی کاوش اور بھی زیادہ کامیاب تصور کی جائے گی۔

دعا ہے کہ ربِ کریم مولانا ہمدانی صاحب سے ایسے اور اس سے بھی بہتر علمی اور تبلیغی کام لے۔ آمین۔

احقر
سید جمال الدین محمد اسلم قادری برکاتی
خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ شریف
پروفیسر و صدر شعبہ تاریخ و ثقافت
جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی
اعزازی ڈین، وکٹوریہ جوبلی مدرسہ ہائی اسکول، پوربندر، گجرات



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

آج میرا اپنا امتحان ہے کہ مولانا عبدالستار ہمدانی صاحب نے مقالہ بھیجا۔ اتنے مدلل دلائل کے ساتھ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ۲۱۲ تصنیفات کے حوالے اور دیگر مصنفین کے ۳۱ حوالے سے لکھی ہوئی کتاب بنام "امام احمد رضا ایک مظلوم مفکر" اول تا آخر پڑھی۔ علامہ ہمدانی صاحب کے قلم کی روانی گویا کہ امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامت ہی کہیے آج تک اس طرح کی کتاب شاید ہی کوئی مصنف منظر عام پر لایا ہوگا۔ جیسے اعلیٰ حضرت کی تصنیفات سے حوالہ جات اخذ کر کے موتی کے دانوں کی تسبیح تیار کی گئی ہو۔ شاید یہ سہرا مولانا ہمدانی صاحب کے سر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں باندھنا مقرر کیا تھا۔

میں اس قابل کہاں، چھوٹا منہ بڑی بات، پھر بھی لکھنے پر مجبور ہوں کہ اعلیٰ حضرت کو جس قدر غیروں نے پس پشت ڈالا ارادتاً وہاں اپنوں کی کاہلی اور کوتاہیوں کا بھی بڑا ہاتھ رہا جو برسوں تک دنیا کے سنی مسلمان اعلیٰ حضرت کے حقیقی عقائد سے محروم رہے۔ اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ وہ اس دور میں مسلک اعلیٰ حضرت جو صحیح العقیدہ صراط مستقیم کی راہ ہے۔ تمام عالم پھر سے اعلیٰ حضرت کی شخصیت کا لوہا مان کر سر تسلیم خم کریں اور اس صدی کا مجدد اعظم ماننے پر مجبور ہو جائے۔

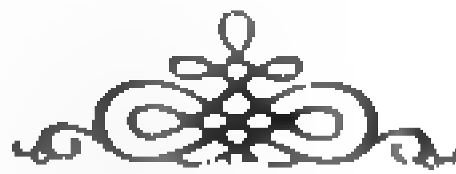
دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمارے علامہ حاجی عبدالستار ہمدانی برکاتی رضوی نوری صاحب کو عمر دراز عطا کرے اور سنیت کے لیے زیادہ سے زیادہ خدمت سرانجام دینے کی طاقت عطا کرے اور انہیں ہر محاذ پر فتح و نصرت عطا کرے۔ آمین۔

آپ کا مخلص

حاجی سید مصطفےٰ میاں صاحب پیرزادہ

بروز بدھ ۱۲-۳-۱۹۹۷ء مطابق ۳ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ

چکھلی، ضلع بلساڑ، گجرات



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

امام احمد رضا... ایک مظلوم مفکر

امام احمد رضا ایک مظلوم مفکر--- ایک وسیع النظر مدبر--- عشق رسولِ اکرم ﷺ کا پیکر--- اپنے وقت کا ممتاز فقیہ--- علم و عرفان کا بہتا سمندر--- جس نے دنیا کو عشق مصطفیٰ کا پیغام دیا--- کفر و ارتداد و الحاد سے امت مسلمہ کو بچایا--- ایمان کی روشنی دی--- کفر کی ظلمت کو چھانٹا--- بے دینی کا پردہ چاک کیا--- صراط مستقیم پر امت رسول کو گامزن کیا--- عظمت رسول کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگایا--- ناموس رسالت کی حفاظت کے لیے اس نے اپنی جان تک کی پرواہ نہیں کی--- رب کائنات کی شان میں توہین آمیز کلمات کہنے اور لکھنے والوں کو اس نے اپنی جلالت علم کے نیزے کی نوک سے ساکت کر دیا--- رسولِ اقدس ﷺ کی جناب میں گستاخانہ لب کشائی کی جرأت کرنے والوں کی زبانیں اس نے اپنے قلم کی تلوار سے کاٹ کر پھینک دیں--- محبانِ رسول و عاشقانِ رسول ﷺ کے قدموں تلے اس نے اپنا دل بچھونے کی شکل میں بچھایا--- آلِ رسول ﷺ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس نے اپنا عمامہ برسر

عام اس کے قدموں پر رکھا اور اس کی پالکی کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھایا۔

جس کی آنکھیں گنبد خضراء کا نظارہ کرنے کے لیے ہمیشہ بے تاب رہتی تھیں۔

جس کا سراپا یاد محبوب میں بے قرار تھا--- جس کا وجود لقاء محبوب کی تڑپ میں گم تھا--- اپنے آقا کے وفاداروں کے لیے وہ پھول سے بھی زیادہ نرم اور شہد سے بھی زیادہ شیریں تھا--- آقا و مولیٰ کے گستاخوں کے لیے وہ لوہے سے زیادہ سخت اور آگ سے بھی زیادہ گرم تھا--- وہ بارگاہ رسالت کے دشمنوں پر قہرالٰہی کی بجلی بن کر ٹوٹ پڑتا تھا--- خداداد صلاحیتوں نے اسے ہمیشہ غالب و فتح مند بنایا--- مخالفین کو بھی جس کی صلاحیتوں کا لوہا ماننا پڑا--- جس کے قلم کی نوک سے نکلی ہوئی ہر بات بلکہ ہر لفظ ایسا جامع، مانع اور موثر تھا کہ جس کا رد کرنا محال تھا--- جس کے قاہر دلائل و شواہد پہاڑ سے بھی زیادہ اٹل تھے--- جو ٹالے ٹل نہ سکتے تھے--- نفاذ دلائل، سرعت کتابت، زور بیان، طرز تحریر، اثبات دعویٰ، اظہار حق، ابطال باطل، دفاع حق، فصاحت و بلاغت، علم و ادب، فضل و دانش، وضاحت و تشریح، تفتیش رموز، انسدد ضرر، اجتہاد و استنباط، تحقیق و تدقیق، خطابت و کلام، ذہانت و فقاہت، استعداد و جلالت علم، شعر و سخن، فن و حکمت وغیرہ میں وہ اپنی مثال آپ تھا--- اس کا کوئی مدمقابل نہ تھا--- کوئی برابری کا نہ تھا--- بلکہ اپنے عصر کے بڑے بڑے دانشورانِ علم و فن اس کے سامنے طفل مکتب کی بھی حیثیت نہ رکھتے تھے--- جس کا علم سب پر بھاری تھا--- جس کے برہان و دلائل کوہ آہن کے مانند تھے--- جس کے دریائے علم کی گہرائی کو ناپنا مشکل تھا، جس کے علم و فن کی رفعت و بلندی پانا مشکل و دشوار تھا--- وہ علم لدنی کا حامل تھا--- عطائے خداوندی کا جس پر کرم تھا--- فضل رسول کا جس پر سایہ تھا--- وہ فقیہ تھا--- عالم تھا--- حافظ تھا--- قاری تھا--- مفتی تھا--- مناظر تھا--- مجتہد تھا--- مستنبط تھا--- مفسر تھا--- مناظر تھا--- مصنف تھا--- مجدد تھا--- ماہر فن تھا--- ادیب تھا۔ شاعر تھا--- معلم علماء تھا--- ہادی امت تھا--- مفکر ملت تھا--- مدبر تھا--- اسلامی علوم اس کو گھٹی میں پلائے اور سکھائے گئے تھے--- دینوی علوم جس کو عطا کیے گئے تھے--- علوم جدیدہ میں اس کی مہارت مسلم تھی--- جس نے کئی تشنہ ہائے علم کو جام شیریں

سے تسکین دی--- فتنوں کی آندھیوں کے سامنے مستحکم قلعہ کی حیثیت سے قائم رہا--- جس نے الزامات و افترأت کے زہریلے تیر اپنے سینے پر جھیلے--- لیکن امت مسلمہ کو عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شاداب اور مہکتے پھول دیئے--- تاریک دلوں میں شمع عشق رسالت روشن کی--- محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی اصل ایمان اور جانِ ایمان ہے--- یہ پیغام دنیا کو دیا--- رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وفاداروں سے دوستی اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گستاخوں سے عداوت و نفرت کا درس دیا--- خدائے تعالیٰ کی توحید و تقدیس اور خدا کے محبوب کی عظمت پر کیے جانے والے ہر حملے کا دندان شکن جواب دیا--- آیات قرآنی میں تحریف اور غلط تاویل کرنے والوں کو جس نے ساکت کر دیا--- اسلامی اصول و قوانین میں ترمیم کرنے کی جرأت کرنے والے تمام عناصر کو اس نے مبہوت و مغلوب کر دیا--- بیانِ رفعت شانِ جانِ ایمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اس نے علم و عرفان کے دریا بہا دیئے--- جس نے ملت کو قرآن کا صحیح فہم دیا--- حدیث کا صحیح مفہوم سمجھایا--- قول و فعل اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا حقیقی پس منظر بتایا--- اقوال و ارشادات مجتہدین کی صحیح تشریح بتائی--- اسلام کا صحیح نظریہ باور کرایا--- فقہ و اصول کے رموز و جزئیات کی عقدہ کشائی کی--- دین کا محافظ--- ملت کا محسن--- مگر تواضع و انکساری کا پیکر جمیل--- حلم و ضبط کا پاسدار--- امت کا پاسبان--- مومنوں کا نگہبان--- ہر فن اور ہر علم میں بے مثال--- صاحب تصانیف کثیرہ--- زہد و تقویٰ کا نمونہ--- اتباع شریعت و پرہیزگاری میں اپنی مثال خود آپ--- فرائض و واجبات کی ادائیگی کا سخت پابند--- سنت و مستحب کا دلدادہ--- اخلاص نیت خیر کا بے داغ آفتاب--- استقلال فی الدین میں کوہ ہمالیہ سے بھی بڑھ کر--- اَلْحُبُّ لِلّٰهِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰهِ کی زندہ تصویر--- وقت آشنا--- دور رس نگاہ رکھنے والا--- حالات و حوادثات کے اثرات سے باخبر--- دشمنوں کی ہر چال سے واقف--- پرکھنے میں ماہر--- مذہب کے نام پر شکم پروری کرنے والے عناصر کو ایک نظر میں پہچاننے والا--- گمراہ کن اور دھوکے بازوں کے ہتھ کنڈوں سے ہوشیار--- حق گوئی میں بے خوف مجاہد--- بہادر سپاہی--- دلیر--- نڈر--- کفن بردوش--- دین

کے معاملے میں کسی کی بھی پروا کرنے سے دُور--- دنیوی جاہ و جلال کا بھی لحاظ نہ کرے--- جس کی زندگی کا مقصد صرف اور صرف تعظیم رسول ﷺ --- جس کی زندگی کا ہر پل دین متین کی بے لوث خدمت میں صرف ہو--- جو اپنے آقا و مولیٰ کی عظمت بیان کرنے کے لیے ہر لمحہ مستعد ہو--- جس کی زندگی کا سرور تعظیم رسول ﷺ --- جس کے دل کا قرار نعت رسول ﷺ --- جس کے وجود کا ہر رونگٹا محو ثنائے رسول--- رسول اقدس کے ساتھ والہانہ محبت کا یہ عالم کہ ذات رسول ﷺ اور فرمانِ رسول ﷺ کے مقابلے میں اس نے اپنے اور پرائے کسی کا بھی لحاظ نہیں کیا--- آقا و مولیٰ کے مرتبہ عظمیٰ کے شایان شان نہ ہو ایسا ایک جملہ تو درکنار بلکہ ایک لفظ بھی کسی نے کہا یا لکھا، تو وہ عاشق صادق اس کی تردید و تعاقب کے لیے اٹھ کھڑا ہوا--- یا کسی نے شریعتِ مطہرہ کے خلاف کسی فعل کا ارتکاب کیا--- حق گو مجاہد نے بلاخوف لومہ لائم اس کے خلاف صدائے حق بلند کی--- اس حق گوئی کا فریضہ انجام دیتے وقت اس نے یہ نہ دیکھا کہ سامنے کون ہے؟ اپنا ہے یا پرایا؟ بلکہ صرف شریعت کا ہی لحاظ کیا---

یہی وجہ ہے کہ اس جلیل القدر فقیہ نے بہت سے گروہوں کی دشمنی مول لی--- لیکن وہ ایسے دشمنوں سے بے پرواہ اور بے نیاز تھا--- کسی بڑے سے بڑے کو خاطر میں نہ لایا--- اسے ضرورت بھی کیا تھی کسی کو خاطر میں لانے کی کیونکہ وہ عاشق رسول ﷺ تھا--- محب رسول ﷺ تھا--- فدائے رسول ﷺ تھا--- طالب رسول ﷺ تھا--- سائل رسول ﷺ تھا--- گدائے رسول ﷺ تھا--- رضا جوئے رسول ﷺ تھا--- فنافی الرسول ﷺ تھا۔ معین دین رسول ﷺ تھا--- محافظ ایمانِ امت رسول ﷺ تھا--- وہ کسی سے ڈرتا نہیں تھا--- کسی سے مرعوب نہیں ہوتا تھا--- کسی دنیاوی صلے کا متمنی نہیں تھا--- کسی کا آرزومند نہیں تھا--- دنیا کی طمع اسے پگھلا نہیں سکتی تھی--- دنیوی حب و جاہ کی اس کے دل میں ذرہ برابر بھی وقعت نہ تھی--- مال دنیا کی حرص--- ذاتی بلندی رتبہ--- خواہش عہدہ و اقتدار و حکومت--- حصول جائیداد--- وغیرہ سے وہ منہ پھیر چکا تھا--- وہ دین اسلام کا سچا خادم تھا--- ملت

کا صحیح رہنما تھا--- اس نے ہر نازک موڑ پر ملت کی رہنمائی کی--- ملت کو گمراہ ہونے سے بچایا--- مہلک راہ پر چلنے سے روکا--- آفتاب رشد و ہدایت بن کر ملت کو راہ ہدایت دکھائی--- قوم کو حق گوئی کا جوہر دیا--- سربلند اور سرخرو ہو کر جینے کا سلیقہ دیا--- اسلام کے خلاف اٹھنے والے ہر فتنہ سے ٹکرانے کا جذبہ دیا--- انجام سے بے پرواہ ہو کر دشمنانِ رسول ﷺ کے سامنے اٹھ کھڑے ہونے کا ولولہ دیا--- یقین محکم اور عمل پیہم رکھنے کا طریقہ سکھایا--- دلوں میں عظمت مصطفیٰ کی روشنی بھر دی--- آنکھوں میں دیار حبیب ﷺ کا جلوہ سمو دیا--- اس کے علم کا لوہا غیروں نے بھی مانا--- اس کی فقہی بصیرت سب نے تسلیم کی--- عرب و عجم کے علماء میں مقبول ہوا--- مرجع علماء بنا--- مجدد کے عظیم مرتبہ پر فائز ہوا--- اپنے علم پر فخر کرنے والے بڑے بڑوں کو لاجواب کر دیا--- وہ کبھی لاجواب نہیں ہوا--- اس کے سامنے سب جواب دے چکے--- کیونکہ اس کا کوئی جواب نہیں تھا--- ہزاروں کتب فتاویٰ کا مصنف--- ایک سو سے زیادہ فنون کا ماہر--- جس نے ہر فن کے ماہرین کو سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کر دیا--- "ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ" کا مظہر--- جو سراپا--- "اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ" کا مظہر--- "وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ" سے فیض یاب--- "حِزْبُ اللّٰهِ" کا مجاہد اعظم--- "هُمُ الْفَآئِزُوْنَ" کی بشارت سے سرخرو؟ حق گوئی کے میدان میں--- "وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ" کے تحت ہر موڑ پر امتحان دیتا ہوا--- "وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" کے صدقے میں ہر محاذ پر کامیاب ہوتا ہوا--- "اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا" پر کامل عمل کرتے ہوئے خشیت الٰہی سے کانپتا ہوا--- "اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ" سے مستفید و مستفیض ہو کر تقویٰ اور پرہیزگاری کا اسوۂ حسنہ--- "حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ" سے جذبہ محبت اخذ کر کے "اَلَا لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا مَحَبَّةَ لَهٗ" کی صدا بلند کرتا ہوا--- آقا و مولیٰ کی عظمت و محبت میں سب کچھ نثار کرتا ہوا "مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا" کے کیف میں سرشار ہو کر، "مورا تن من دھن سب پھونک دیا" کہہ کر "یہ جان بھی پیارے جلا جاناں" کی تمنا کرتا ہوا--- "کروں تیرے نام پہ جاں فدا" کا ولولہ اور جذبہ جس کے دل کی

عکاسی کرتا ہو--- "لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ" کو جس نے اپنی زندگی کا آئین بنا کر اس پر سختی سے عمل پیرا ہو کر، خدا اور رسول کے گستاخوں سے اپنی زندگی کی آخری سانس تک متنفر رہا اور اس کی تعلیم و تلقین کرتے ہوئے کہا کہ---

دشمن احمد پہ شدت کیجئے
ملحدوں کی کیا مروت کیجئے

قرآن سے اس نے "جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ" کا سبق سیکھا تھا--- وہ سبق اسے اچھی طرح یاد تھا وہ اس کا عامل کامل تھا--- ساتھ ہی وہ اصحاب نبی کی عادت شریفہ "اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ" کے نقش قدم پر چل کر "رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ" کا بھی نمونہ عمل تھا--- اپنے دینی بھائیوں کے تحفظ ایمان و عمل اور سلامتی جان و مال کے لیے وہ ہمیشہ فکرمند رہا--- اعدائے دین کی ستم ظریفی کا ازالہ کرنے کے لیے وہ ہر لمحہ متحرک رہا--- اپنے آقا کی مدح و ثناء میں وہ عروج کی منزل تک پہنچ چکا تھا--- "وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ" سے فیض یاب ہو کر "دم میں جب تک دم ہے، ذکر ان کا سناتے جائیں گے" کی آہنی صدا بلند کی--- "مومن وہ ہے جو ان کی عزت پہ مرے دل سے" کا جذبہ قلوب مسلمین میں نقش کر دیا--- اور "لوا کے تلے ثنا میں کھلے رضا کی زباں تمہارے لیے" کی امید و آرزو میں دنیوی زندگی کو "مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ" کا حسین کردار عمل بنایا--- آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان بیان کرنے کی تمنا میں اس کا دلکش تصور دیکھ کر بے ساختہ زبان سے درود و سلام جاری ہو جاتا ہے اور اس عاشق صادق کے ہمراہ ہم بھی یہی کہہ اٹھتے ہیں کہ "کاش محشر میں جب ان کی آمد ہو اور "بھیجیں سب ان کی شوکت پہ لاکھوں سلام" اور اس عاشق کی یہ تمنا پوری ہوتی ہوئی اس طرح پیش آئے کہ---

مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضا
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

"لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ" سے بارگاہِ رسالت کا ادب سیکھا

اور سکھایا--- لب کشائی کی جرأت کرنے والوں کو "اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ" کی وعید صریح سے ڈرایا--- "لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ" سے حدود ادب کا خط استواء کھینچا--- "يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ" سے بارگاہ رسالت کا ادب و احترام باور کرایا--- "وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ" سے مقام رسالت کی بلندی ثابت کرکے "ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ" کا عالمگیر پیغام دیا، "اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ" کا صحیح مفہوم اخذ کرکے "ایمان یہ کہتا ہے کہ میری جان ہیں یہ" کا ایمان افروز درس دیا، وہ عاشق رسول ﷺ تھا--- عشق رسول ﷺ میں دیوانہ تھا لیکن ایسا فرزانہ تھا کہ "پیش نظر وہ نو بہار سجدے کو دل ہے بے قرار" کے جوش جنوں پر اس نے "روکیے سر کو روکیے" سے ہوش حدود کی لگام لگا کر "ہاں یہی امتحان ہے" کہہ کر پاس شریعت ملحوظ رکھا اور غلو سے محفوظ رہا--- اپنی محبت کے جذبے کو اس نے جوش الفت اور ہوش شریعت کی سرحدوں کے مابین محدود رکھا اور "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا" پر عمل کرتے ہوئے ہوش و جوش کے درمیان رہتے ہوئے یہاں تک فرمایا کہ "اللہ کی سر تابقدم شان ہیں یہ"--- "كُلُّهُمْ يَطْلُبُوْنَ رِضَائِيْ وَاَنَا اَطْلُبُ رِضَاكَ" کی ترجمانی ایسے نفیس انداز میں کی کہ

"خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد"

عشق رسول جس کے دل کی دھڑکن--- اس کی حیات کا واحد سبب و مقصد تھا--- اس کے جسم کا ہر ہر رونگٹا محو عشق رسول و ثنائے رسول تھا--- اس کی آنکھوں میں صرف عشق رسول ﷺ کے جلوے سمائے ہوئے تھے--- وہ زندہ تھا صرف روح عشق رسول ﷺ کے سبب--- اس کی زندگی کا مقصد پرچم عظمت رسالت کو لہرانا--- اور موت کی خواہش بھی دیدار رُخ انور ﷺ کا شرف حاصل کرنے کے لیے

"جان دے دو وعدۂ دیدار پر
نقد اپنا دام ہو ہی جائے گا"

اور

"قبر میں لہرائیں گے تاحشر چشمے نُور کے
جلوہ فرما ہوگی جب طلعت رسول اللہ کی"

یہ صدائے دل اس کی آرزو اور تمنا کی نشاندہی کر رہی ہے--- دیار نبی ﷺ کے مقابل جنت کی فضا بھی جس کا دل بہلا نہ سکے اور وہ مضطرب ہو کر یوں پکار اٹھے کہ

"جنّت کو حرم سمجھا' آتے تو یہاں آیا
اب تک کے ہر ایک کا منہ کہتا ہوں کہاں آیا"

بلکہ مدینہ سے بچھڑ کر جینا اور جی لینے کا تصور ہی اس کے لیے جان لیوا تھا کیونکہ

"طیبہ سے ہم آتے ہیں' کہیئے تو جناں والو
کیا دیکھ کے جیتا ہے جو واں سے یہاں آیا"

اپنے آقا کا مقدس آستانہ جس کے لیے جائے قرار' جائے پناہ' جائے سکون' جائے امن و امان تھا---

"وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ" ہی سے اس نے ببانگ دہل یہ کہا کہ

"وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستاں بتایا"

اسی در سے اس نے سب کچھ پایا--- پوری کائنات اسی در سے تو پل رہی ہے--- اسی در مقدس کی یاد نے اسے ہر لمحہ بے چین و بے قرار بنا رکھا تھا---

"جان و دل' ہوش و خرد' سب تو مدینہ پہنچے
تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا"

یہاں اس کے لیے سب کچھ تھا--- کائنات کی سب سے محبوب ترین سب سے بلند درجہ زمین کا وہ حصہ جہاں پر آقا و مولیٰ ﷺ کی تقدس مآب آرام گاہ ہے' اس مقدس حصے نے پوری زمین کو شرف بخشا

"خم ہوگئی پشت فلک اس طعن زمیں سے
سن ہم پہ مدینہ ہے وہ رتبہ ہے ہمارا"

یہاں پر وہ مچل مچل کر رویا--- یہاں سے وطن واپس جانے کا خیال تک اس کے لیے ناقابلِ برداشت تھا---

"یہ رائے کیا تھی وہاں سے پلٹنے کی اے نفس
ستم گر الٹی چھری سے ہمیں حلال کیا"

اور یہ کہ

"ہوگیا دھک سے کلیجا میرا
ہائے رخصت کی سنانے والے"

یہیں پر اسے پڑا رہنا تھا--- چاہے اپاہج بن کر یہاں پر پڑا رہنا پڑے--- یہ ناتوانی بھی محبوب و مقبول ہے--- یہ ناتوانی کاش سبب بن جائے دائمی طور پر یہاں ٹھہر جانے کا--- اسی لیے تو کہا تھا کہ

"اسی در پر تڑپتے ہیں مچلتے ہیں، بلکتے ہیں
اٹھا جاتا نہیں کیا خوب اپنی ناتوانی ہے"

اپنے آقا کا دیار (شہر) اسے اتنا محبوب تھا کہ اس مقدس سرزمین کی عظمت و رفعت کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ پکار اٹھا کہ

"حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقعہ ہے او جانے والے"

اپنے آقا کے مقدس شہر کی گلیوں کا اپنے آپ کو گدا کہنے کے ساتھ ساتھ شاہان دنیا کو بھی اس در مقدس کا منگتا قرار دیتے ہوئے وہ گنگنا اٹھا کہ

"اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاجدار پھرتے ہیں"

مدینہ منورہ کا ذرہ ذرہ اس کے لیے جاں افزا اور روح پرور تھا--- یہاں کی ہر شئے اس کے لیے محبوب، محترم، معظم، مخدوم اور قربان ہونے کے لائق تھی--- ارے! وہ تو اپنے آقا کے مقدس بلد کے سگانِ در کی خدمت میں اپنے دل کا ٹکڑا بطور تحفہ پیش کرنے کے لیے ہمیشہ آرزو مند رہا اور یہاں تک کہا

"پارۂ دل بھی نہ نکلا تم سے تحفے میں رضا
ان سگان کو سے اتنی جان پیاری واہ واہ"

بلکہ وہ دل کے ٹکڑے سگانِ درِ محبوب کی نذر لاتے ہوئے یہاں تک کہتا کہ

"دل کے ٹکڑے نذر حاضر لائے ہیں
اے سگانِ کوچہ دلدار ہم"

اور ایک مقام پر تو یہاں تک اظہارِ محبت کرتے ہوئے کہا کہ

"رضا کسی سگ طیبہ کے پاؤں بھی چومے
تم اور آہ کہ اتنا دماغ لے کے چلے"

وہ عشق کی اعلیٰ و ارفع منزل پر پہنچ چکا تھا۔۔۔ اس منزل پر پہنچنے کے بعد ہر عاشق کی یہی تمنا ہوتی ہے کہ

"نصیب دوستاں گر ان کے در پر موت آنی ہے
خدا یوں ہی کرے پھر تو ہمیشہ زندگانی ہے"

یقیناً یہاں پر مرنے والے کیلئے حیات جاودانی اور دخول جنت دائمی ہے اور یہ سعادت حاصل کرنے کیلئے طیبہ میں مرجانے کا جذبہ اور ولولہ اس انداز سے بیان کیا کہ

"طیبہ میں مر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند
سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت نگر کی ہے"

اپنے آقاء و مولیٰ ﷺ کی شان اقدس میں عشق کے مہکتے پھول کھلاتے رہنا ہی اس کے قلب کا سکون تھا۔۔۔ یاد محبوب میں وہ اتنا بے چین و بے قرار تھا کہ اس کی حیات اسی پر منحصر تھی

"جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزا، ناز دوا اٹھائے کیوں"

ہجر کی آگ میں اس کا دل جل کر کباب ہو چکا تھا۔۔۔ اسی لیے تو کہا تھا کہ

"جلی جلی بُو سے اس کی پیدا ہے سوزش عشق چشم والا
کبابِ آہو میں بھی نہ پایا مزہ جو دل کے کباب میں ہے"

نعت گوئی کی راہ میں اس نے مداح رسول ﷺ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلنا اختیار کیا--- اسی نقش قدم پہ چلتے چلتے اس نے "حسان الہند" کا لقب پایا--- قرآن سے اس نے نعت گوئی کا مزاج پایا اور یہ کہا کہ

"اے رضا خود صاحبِ قرآں ہے مداحِ حضور
تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی"

اسرار و رموز حروف مقطعات کی عقدہ کشائی کرتے ہوئے عشق رسول ﷺ کے جام چھلکاتے ہوئے کہا کہ

"ک گیسو، ہ دھن، ی ابرو آنکھیں ع ص
کٓھٰیٰعٓصٓ ان کا ہے چہرہ نُور کا"

آیاتِ قرآنی میں بیان شدہ وہ مثالیں کہ جو بظاہر سمجھ میں نہیں آتی تھیں اس کی تفہیم صحیح دیتے ہوئے کہا کہ

"ہے کلام الٰہی میں شمس و ضحیٰ، تیرے چہرۂ نور فزا کی قسم
قسم شب تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلف دوتا کی قسم

اور ایک جگہ تو اتنی بہترین تشریح فرمائی کہ

"شمع دل، مشکوٰۃ تن، سینہ زجاجہ نور کا
تیری صورت کے لیے آیا ہے، سورہ نور کا"

حدیث قدسی "لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ" کی ترجمانی میں اس کا نفیس انداز تو دیکھو کہ

"وہ جو نہ تھے، تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے"

جیسے ایمان افروز الفاظ اس کے قلم کی نوک سے نکل کر زمین قرطاس پر ریحانِ بہشت کا سماں باندھ رہے ہیں--- "اَنَا مِنْ نُّوْرِ اللّٰهِ وَكُلٌّ مِّنْ نُّوْرِیْ" کا مفہوم صحیح بیان کرتے ہوئے وہ چہچہا اٹھا کہ

"وہی نور حق، وہی ظل رب
انہیں سے سب، ہے انہیں کا سب"

"قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ" میں اسے اپنے آقا کی عظمت کا نور مبین ہی نظر آیا اور "تو ہے عین نور، تیرا سب گھرانہ نور کا" جیسا نورانی قصیدہ رقم فرما کر نور ایمان کو ضیاء بخشی--- نور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلووں سے وہ چمک اٹھا، نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلووں میں وہ ایسا گم ہو گیا کہ

"جس کو ان کے مکان کا پتہ مل گیا
بے نشان، بے نشان، بے نشان ہو گیا"

کیونکہ وہ یہی چاہتا تھا۔ اپنے رب سے یہی مانگتا تھا کہ

"ایسا گما دے ان کی ولا میں خدا ہمیں
ڈھونڈا کریں پر اپنی خبر کو خبر نہ ہو

لیکن بے نشان ہونے کے باوجود اس کا نشان مٹا نہیں کیونکہ

"بے نشانوں کا نشان مٹتا نہیں
مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا"

اور اس کا نام ایسا بلند ہوا کہ اس کا نام معیارِ اہلِ سنت بن گیا؟ حق و باطل کے درمیان اس کا نام "فاروق" کی حیثیت حاصل کر گیا، اس کا نام سنتے ہی صف باطل میں ماتم چھا جاتا ہے--- دشمنانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نام سنتے ہی تھر تھر کانپنے لگتے ہیں--- اس کے قلم میں "جلال فاروقی" اور "شجاعت حیدری" کی جھلک نظر آتی ہے--- اور وہ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخوں کو اپنے قلم کی برق اندازی سے آگاہ کرتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ

"کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار
اعداء سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں"

ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے کدورت اور بغض رکھنے والے شاتم اور شریر ... کے قلعے یہ کہہ کر اس نے منہدم کر دیئے کہ

"حشر تک ڈالیں گے ہم پیدائش مولیٰ کی دھوم
مثل فارس نجد کے قلعے گراتے جائیں گے"

باطل فرقوں کے قلعے گرانے میں وہ ایسا شجاع تھا کہ اس کے قلم کی ہیبت سیف اللہ کی طرح باطل کے دلوں پر چھائی ہوئی تھی--- اس کے قلم کی زد میں جو بھی دشمن خدا و دشمن رسول ﷺ آتا، اس کی حالت یہ ہوتی تھی کہ

"وہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے"

رضا کے نیزے کی مار کا زخم کبھی بھرا ہے نہ کبھی بھرے گا--- کیونکہ اس نے اپنے ذاتی دشمنوں پر کبھی بھی وار نہیں کیا--- بلکہ اپنے ذاتی دشمنوں کو تو اس نے دعائیں دیں اور ان کی ہدایت کے لیے بارگاہ خداوندی میں سربسجود ہو کر التجائیں کیں اور یہاں تک کہا کہ

"حسد سے ان کے سینے پاک کر دے
کہ بدتر دق سے بھی یہ سل ہے یاغوث"

اور

"کر دو عدو کو تباہ حاسدوں کو رو براہ
اہلِ ولا کا بھلا تم پہ کروڑوں درود"

البتہ دشمن رسول کو کبھی نہیں بخشا--- نہ اس کی کوئی رعایت کی--- "اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ" کی زندہ نظیر بن کر بارگاہ رسالت کے گستاخوں پر وہ قہر جبار کی بجلی کی مانند ٹوٹ پڑا--- اور یہاں تک کہا کہ

"ذکر ان کا چھیڑیئے ہر بات میں
چھیڑنا شیطان کا عادت کیجئے"

حق اور باطل کی قلمی جنگ میں اس نے باطلوں کو دلیری سے للکارا!

"شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب
اس برے مذہب پہ لعنت کیجئے"

باطل طاقتوں کا وہ تن تنہا مقابل تھا--- وہ صرف ایک تھا--- مخالفین کی تعداد کثیر تھی--- اعدائے دین حاسدین اور نفس پرور عناصر اس کے مقابلے میں متحد تھے لیکن وہ یہ کہہ کر

"ایک طرف اعدائے دین ایک طرف ہیں حاسدین
بندہ ہے تنہا شہا تم پہ کروڑوں درود"

اپنے آقا کی بارگاہ میں استغاثہ کرتا تھا اور اپنے آقاء و مولیٰ کی اعانت پر اتنا مشتاق تھا کہ زبان حال سے یہ کہتا تھا کہ

"پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسہ تیرا"

دنیا داروں نے اس کے خلاف ایک منظم محاذ تشکیل دیا تھا اور اس کو نیست و نابود کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے لیکن اسے اپنے آقاء و مولیٰ کی پشت پناہی اور دستگیری پر کامل یقین و اعتماد تھا--- جس کا اظہار کرتے ہوئے اس نے کہا کہ

"کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں رضا
بول بالے میری سرکاروں کے"

مخالفین کو اہل دول و ثروت کا تعاون حاصل تھا--- حکومت کی پشت پناہی میسر تھی- سیاسی جماعتوں کی حمایت شامل حال تھی اس کے باوجود اس کا بال بیکا تک نہ ہوا--- وہ ان اہل دولت و ثروت و صاحبِ اقتدار لوگوں کے سامنے کبھی نہیں جھکا' نہ ان کی مدح و ثنا کی بلکہ

"کروں مدح اہل دول رضؔا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں"

کہہ کر دنیا کو جتادیا کہ

"ان کا منگتا پاؤں سے ٹھکرا دے وہ دنیا کا تاج
جس کی خاطر مر گئے منعم رگڑ کر ایڑیاں"

اس کی قوت و طاقت اور حمایت و نصرت کا مدار اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضل و کرم پر تھا--- اور اس وجہ سے بہت ہی قوی تھا--- کیونکہ اس

نے اپنے آقاء و مولیٰ سے اتنا زیادہ پایا تھا کہ اپنے آقا کی عطا کے مقابلے میں وہ دنیا کے داتاؤں کو ہیچ سمجھتا تھا اور اسی لیے اس نے علی الاعلان للکارتے ہوئے کہا کہ

"کون دیتا ہے دینے کو منہ چاہیے
دینے والا ہے سچا ہمارا نبی"

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ اور نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ○ کے طفیل میں اس نے ہمیشہ فتح مبین حاصل کی--- "فِئَۃٌ قَلِیْلَۃٌ" کے زمرے میں ہوتے ہوئے "غَلَبَتْ فِئَۃً کَثِیْرَۃً" کی تصدیق کرتے ہوئے "مِنَ اللّٰہِ مَنْصُوْرٌ" ہو کر "جَآءَ الْحَقُّ" کی شان بشارت سے "وَزَھَقَ الْبَاطِلُ" سے باطلوں کی بڑی بڑی جماعتوں پر غالب ہوتا رہا۔ "فَقِیْہٌ وَّاحِدٌ" کی جلالت شان کے ساتھ "اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ" کے معاملے وہ "مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ" یعنی کہ ہزاروں عابدوں کی بجائے لاکھوں عابدوں سے بھی شیطان پر بھاری تھا--- شیاطین زمانہ کے لیے وہ اکیلا ہی کافی تھا--- کیونکہ وہ "یُبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ" کے تحت دنیا میں بھیجا گیا تھا--- اس نے "مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا اَمْرَ دِیْنِھَا" کی خبر کو ثابت کر دیا--- ادیانِ باطلہ کے عقائد و نظریات کی اس نے دھجیاں اڑا دیں--- گمراہیت و بے دینی کی آندھی کے سامنے وہ ڈٹ کر جما رہا--- اس کے پائے استقلال میں ذرہ برابر بھی تزلزل نہیں آیا--- ملت کی ناؤ کو منجدھار سے نکال کر طوفانی موجوں اور مخالف ہواؤں کے تھپیڑوں سے بچا بچا کر سلامتی کے ساتھ کنارے تک لایا۔

مگر! آہ!!

ملت اسلامیہ کا وہ عظیم محسن حوادث زمانہ کا شکار بنا دیا گیا--- اس کی عظیم دینی اور بے مثال تصنیفی خدمات کو ایک منظم سازش کے تحت گمنامی کے پردے میں پوشیدہ کر دینے کی کوشش کی گئی--- اس پر طرہ یہ کہ اس کی عظیم خدمات کو داد تحسین دینے کی بجائے اس پر غلط سلط الزامات تھوپے گئے۔ بے بنیاد الزامات کے ذریعہ بدنام کرنے کی تحریک میں کوئی کسر باقی نہ رکھی گئی--- افواہ اور جھوٹے پروپیگنڈے کی راہ اختیار کر

کے اس کی شخصیت کو مجروح کرنے کی سعی ناکام کی گئی--- پریس اور دیگر وسائل کے ذریعہ غلط الزامات کی اتنی تشہیر کی گئی کہ حقیقت سے ناآشنا عوام تو عوام بلکہ پڑھا لکھا طبقہ بھی اس کا شکار ہو گیا اور غلط آراء و نظریات میں مبتلا ہو گیا--- یہ سب اس لیے کیا گیا کہ امام احمد رضا محدث بریلوی نے اصولی اور فروعی مسائل میں ہر فرقۂ باطلہ کا تعاقب کرتے ہوئے ان کی تردید میں جو تصنیفی کارنامہ انجام دیا ہے وہ قرآن، حدیث اور کتب معتمدہ و معتبرہ کے دلائل کی روشنی میں اتنے اعلیٰ معیار کا ہے کہ جس کا جواب دینے سے آج تک تمام فرقہ ہائے باطلہ کے علماء و مصنفین عاجز اور قاصر ہیں--- امام احمد رضا محدث بریلوی کی معرکتہ الآراء تصانیف کا جواب نہ لکھ سکنے کی اپنی کمزوری کو ڈھانپنے کی غرض سے ایک آسان راہ یہ اختیار کی گئی کہ امام احمد رضا بریلوی کی تصنیف کو فراموش کروا دیا جائے اور ان کی شخصیت پر حملے کیے جائیں کیونکہ یہ بات شواہد سے ثابت ہے کہ جب کسی شخص کی ذات مجروح کر دی جاتی ہے، تو اس کی کتابیں خودبخود مجروح اور ناقابل مطالعہ ہو جائیں گی--- کیونکہ جب مصنف کے متعلق یہ بات عام کر دی جائے کہ وہ ایک تنگ نظر، جنگ جو، شدت پسند، مشتعل، متعصب، بدعات و منہیات کا موجد، متکبر، ترش رو، تفریق بین المسلمین کا علمبردار، فتنہ پرور، تکفیر مسلمین میں بے باک، علم و ادب سے ناآشنا وغیرہ ہے تو اس کا اثر یہ پڑتا ہے کہ اس کی تصانیف سے التفات نہیں کیا جاتا، بلکہ اجتناب کیا جاتا ہے--- اور جب اس کی تصانیف سے بھی پرہیز کیا جائے گا تو پھر ان تصانیف میں بکھرے ہوئے ایمان، علمی، ادبی، فنی اور روحانی جواہرات سے کیونکر آگاہی ہو گی اور عقائد و اعمال کی اصلاح کیونکر ہو گی۔

لمحۂ فکریہ

یہ امر بھی غور طلب ہے کہ امام احمد رضا محدث بریلوی کی شخصیت کو مجروح کرنے کے لیے اتنا تشدد کیوں برتا جاتا ہے؟ مختلف سمتوں سے یک بارگی حملے کیوں کیے جاتے ہیں؟ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جن فرقوں میں آپس میں اتنے شدید بنیادی

اختلافات ہیں وہ ایک دوسرے کے وجود کو بھی گوارا نہیں کر سکتے، لیکن امام احمد رضا محدث بریلوی کے مقابلے میں وہ متحد ہیں، اپنے آپسی اختلافات کو عارضی طور پر فراموش کر کے بڑے ہی شد و مد کے ساتھ وہ تمام فرقہ ہائے باطلہ ایک متحدہ محاذ کے تحت امام احمد رضا پر الزامات و افتراءات پر مشتمل کذب بیانی کا سہارا لے کر حملہ آور ہیں---
اس سے بڑھ کر حیرت کی بات تو یہ ہے کہ باطل کے اس متحدہ محاذ میں کچھ اپنے بھی شامل ہو گئے ہیں--- حالانکہ وہ اپنے کہلانے والے اصولی عقائد کی صحت کو برقرار رکھتے ہوئے صرف ذاتی اور نفسیاتی مفاد کے لیے امام احمد رضا کے مخالف محاذ میں شامل ہو گئے--- ان لوگوں کی شمولیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ امام احمد رضا نے جہاں عقائد کے معاملے میں باطل فرقوں کا رد کرنے میں تامل نہیں کیا وہاں آپ نے خلافِ شریعت امور کا ارتکاب کرنے والوں کا تعاقب کرنے میں بھی کوتاہی نہیں کی، بلکہ اپنے اور پرائے کا فرق کیے بغیر ان کے غلط اقوال و افعال کی تردید میں نادر زمن تصانیف پیش کیں--- ان تصانیف کا مناسب جواب تک دینے سے قاصر ان عناصر نے اپنے دلوں میں جذبہ انتقام پیدا کیا اور اپنے کہلانے والوں نے بھی امام احمد رضا محدث بریلوی کو بدنام کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے---

الحمدللہ....! حدیث کے فرمان کے مطابق ہر صدی میں مجدد تشریف لاتے رہے اور انہوں نے خداداد صلاحیتوں سے اپنے دور کے عظیم فتنوں کا سد باب کیا--- اگر ہم مجدد اول حضرت عمر بن عبدالعزیز (المتوفی ۱۰۱ھ) سے لے کر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (المتوفی ۱۲۳۹ھ) تک کے تمام مجددین کرام کے حالات زندگی کا جائزہ لیں تو یہ پتہ چلے گا کہ ان تمام نفوس قدسیہ نے تجدید و احیائے دین کی خدمت میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی--- حق گوئی کا فریضہ بخوبی انجام دے کر ملت اسلامیہ کی صحیح رہنمائی فرمائی---
ان تمام مقدس حضرات کے حالات زندگی کے مطالعہ سے ایک بات یہ بھی واضح ہوگی کہ انہوں نے کٹھن سے کٹھن امتحانات دیئے--- دین کے خلاف اٹھنے والے فتنے کا مقابلہ کرنے میں بادشاہ وقت سے بھی بھڑ گئے۔ مشقتیں اٹھائیں، ظلم و ستم برداشت کیے، اپنی جان تک کی بازی لگا دی۔ ہر دور میں کوئی نہ کوئی فتنہ اٹھا--- کبھی قرآن کے مخلوق ہونے

کا عقیدہ فتنہ عظیم کی حیثیت سے ابھرا' کبھی دہریہ فتنہ، کبھی خارجی فتنہ، کبھی معتزلہ فتنہ' یہاں تک کہ مغل بادشاہ اکبر کے دور میں' "دین الٰہی" کا فتنہ ایک طوفان کی طرح اٹھا--- لیکن ہر فتنہ کی گمراہی سے ملت کے ایمان کا دفاع کرنے کی ضرورت کے پیش نظر ہر دور میں دین و ملت کے حامی "مجدد" کی حیثیت سے تشریف لاتے رہے اور خدمت دین و احیاء دین کا فریضہ بخوبی انجام دیتے رہے۔

لیکن!

امام احمد رضا محدث بریلوی (المتوفی ۱۳۴۰ھ) کے حالات زندگی کا اگر ہم جائزہ لیں تو حیرت انگیز تفصیلات معلوم ہوں گی--- امام احمد رضا سے قبل جتنے بھی مجدد ہوئے ان میں اور امام احمد رضا میں ایک نمایاں فرق نظر آئے گا کہ ماضی کے مجددین کے زمانے میں ایک--- دو یا زیادہ سے زیادہ چار پانچ فتنے تھے--- ان تمام فتنوں کا ان حضرات نے احسن طریقے سے تدارک فرمایا' لیکن امام احمد رضا کے دور میں جو فتنے تھے ان کی ایک طویل فہرست مرتب کرنا ہوگی۔ علاوہ ازیں ایک اور بھی وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ امام احمد رضا محدث بریلوی کے دور میں جو جو فتنے اُٹھے تھے ان فتنوں کو درپردہ ایسی طاقتوں کی پشت پناہی حاصل تھی کہ بنظرِ ظاہر ان کا مقابلہ کرنا ایک مشکل سے مشکل تر مرحلہ تھا۔ لیکن "قل جاء الحق وزھق الباطل" کے صدقے اور طفیل میں حق کو فتح و نصرت اور باطل کو شکست و ذلت حاصل ہوئی--- امام احمد رضا پر آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا فضل و کرم تھا اور اسی وجہ سے وہ ہر محاذ پر کامیاب اور فتح مند ہوئے۔ امام احمد رضا کا بارگاہ رسالت میں مندرجہ ذیل استغاثہ قابلِ غور ہے:

ایک طرف اعدائے دین' ایک طرف ہیں حاسدین
بندہ ہے تنہا شہا' تم پہ کروڑوں درود
کیوں کہوں بیکس ہوں میں' کیوں کہوں بے بس ہوں میں
تم ہو' میں تم پر فدا' تم پہ کروڑوں درود

خیر! المختصر! امام احمد رضا کے دور میں جو جو فتنے شباب پر تھے، ان کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

❑ فتنہ غیر مقلدیت ❑ فتنہ نیچریت ❑ فتنہ نجدیت و وہابیت ❑ فتنہ فرق اہلِ قرآن ❑ فتنہ قادیانیت ❑ فتنہ دارالندوہ ❑ فتنہ فلسفہ قدیمہ ❑ فتنہ وقوع کذب باری تعالیٰ ❑ فتنہ انکار شفاعت ❑ فتنہ روافض ❑ فتنہ معتزلہ ❑ فتنہ فلسفہ جدیدہ ❑ فتنہ انکار سماع موتیٰ ❑ فتنہ خلافت عثمانی ❑ فتنہ انکار ختم نبوت ❑ فتنہ خاکساری فرقہ ❑ فتنہ ترک قربانی گائے ❑ فتنہ جواز سجدۂ تعظیمی ❑ فتنہ عدم جواز میلاد و قیام تعظیمی ❑ فتنہ انکار معراج جسمانی ❑ فتنہ ترک موالات ❑ فتنہ آریہ (شدھی کرن) ❑ فتنہ اتحاد عن المشرکین ❑ فتنہ عدم جواز تعظیم آثار مقدسہ ❑ فتنہ عدم جواز کتابت بر کفن ❑ فتنہ توہین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ❑ فتنہ حکم دارالحرب ❑ فتنہ انکار علم غیب انبیاء و اولیاء ❑ فتنہ انکار حیاتِ انبیاء ❑ فتنہ جواز تعزیہ داری ❑ فتنہ جواز سماع مع مزامیر ❑ فتنہ بر اذانِ ثانی ❑ فتنہ انکار اذانِ قبر ❑ فتنہ عدم جواز معانقہ و مصافحہ عید ❑ فتنہ عدم جواز تعمیرات مزاراتِ اولیاء ❑ فتنہ عدم جواز تقبیل ابہامین ❑ فتنہ انکار ایمان ابوین کریمین النبی ❑ فتنہ جواز زکوٰۃ برائے سادات کرام ❑ فتنہ عدم جواز چراغاں بر مزارات صالحین ❑ فتنہ حلت اشیاء نشہ آور ❑ فتنہ حلت اکل زاغ ❑ فتنہ قرطاس دراھم ❑ فتنہ مساوات عن النبی ❑ فتنہ حرکت زمین ❑ فتنہ خروج نساء برائے زیارت قبور ❑ فتنہ امکان ظل نبی ❑ فتنہ صلوٰۃ جنازۃ الغائب ❑ فتنہ نکاح مع المرتدین ❑ فتنہ عدم جواز تعین فاتحہ ❑ فتنہ تنقیص رسالت ❑ فتنہ عدم اعتقاد اختیارات انبیاء و اولیاء ❑ فتنہ نفاذ شرک در باب ندا و استغاثہ ❑ فتنہ نفاذ شرک فی الاسماء ❑ فتنہ حرمت اکل و شرب ❑ فتنہ حرمت منی آرڈر ❑ فتنہ خلافت کمیٹی ❑ فتنہ تنازعہ در رویت ہلال ❑ فتنہ فرق بین شریعت و طریقت ❑ فتنہ اکل اشیاء حرام عن الذبیحہ ❑ فتنہ حرمت ذبیحہ للاولیاء۔

الغرض! مذکورہ بالا فتنوں کے علاوہ سینکڑوں دیگر فتنے بھی عام ہو چکے تھے، بعض کا تعلق اصول دین سے تھا اور بعض کا تعلق فروع دین سے تھا--- بعض فتنے اہلسنت و جماعت کے کہلانے والے افراد کے اٹھائے ہوئے تھے اور بقیہ اکثر فتنے عقائد باطلہ ضالہ پر مشتمل فرقوں کی جانب سے اٹھائے گئے تھے--- جن میں سے اکثر کا تعلق اصل دین سے تھا--- یعنی کہ اس کے ماننے یا نہ ماننے کی وجہ سے ایمان اور کفر کے احکام صادر ہونے کا مدار تھا--- ہر روز کوئی نہ کوئی فتنہ رونما ہوتا تھا--- کسی فتنے کا موجد کوئی مولوی ہے، کسی کا بانی کوئی پیرزادہ ہے، کسی کا موید کوئی سیاسی لیڈر ہے، کسی کا حامی کوئی اہلِ ثروت ہے، کسی کا ناصر کوئی حاکم ہے، کسی کا ناشر کوئی ادیب ہے، کسی کا معین کوئی صاحب اقتدار ہے، کسی کا مونس کوئی صوفی ہے، کسی کا مددگار کوئی سجادہ نشین ہے، کسی کا محرک کوئی سیاسی لیڈر ہے، کسی کا سرپرست کوئی مذہبی رہنما ہے، کسی کا قائد کوئی خادم قوم ہے، کسی کا والی کوئی نواب ہے، کسی کا مقوی کوئی ماہر فن ہے، کسی کا مخیل کوئی منطقی ہے، کسی کا مہدی کوئی فلسفی ہے، کسی کا کیمیا ساز کوئی سائنس دان ہے۔

الغرض! سماج کے ہر طبقے سے کوئی نہ کوئی بانی فتنہ سامنے تھا--- ان کے زیر اثر لوگ اپنی حسب استطاعت اس کی تشہیر کرتے تھے--- عوام عجیب ذہنی الجھن میں مبتلا تھا--- ہر طرف سے اپنے عقائد باطلہ و نظریات فاسدہ کی صحت و صداقت ثابت کرنے کے لیے قرآن و حدیث سے غلط استدلال کیا جا رہا تھا--- سلف صالحین کی کتب معتمدہ و معتبرہ کی عبارات کو توڑ مروڑ کر اپنے مفاد کا مفہوم نکالنے کی کوشش کی جا رہی تھی--- حق اور باطل کا فرق کرنا دشوار ہو گیا تھا--- ماحول اتنا پراگندہ ہو گیا تھا کہ اہلِ فہم و بصیرت رو رو کر بارگاہ خداوندی میں دست بدعاء تھے--- گڑگڑا کر ملتجی تھے کہ کوئی مرد مجاہد اٹھ کھڑا ہو اور ان فتنوں کا قلع قمع کرے۔

الحمدللہ! اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوبِ اعظم و اکرم ﷺ کی امتِ مرحومہ کی رہنمائی کے لیے اپنا ایک بندۂ خاص منتخب فرمایا اور اسے علوم و فنون میں کمال مہارت عطا فرما کر مجدد کے اعلیٰ منصب پر فائز و سرفراز فرمایا۔

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ و رضوان کے دور میں مذکورہ بالا جو جو

فتن رائج تھے اس کا تدارک و تعاقب آپ نے ایسے حسن اسلوبی سے فرمایا کہ جس کی نظیر نہیں ملتی--- آپ نے اپنی معرکتہ الآراء تصانیف میں علوم وفنون کے جو دریا بہائے ہیں اس کی گہرائی ابھی تک کوئی ناپ نہ سکا--- یہاں تک کہ تمام فرق باطلہ متحد و مجتمع ہو کر بھی امام احمد رضا کے سامنے علمی جنگ میں ٹھہر نہ سکے۔ انہیں مجبور ہو کر اپنے ہتھیار ڈال دینے پڑے--- میدان علم کی یلغار سے راہ فرار اختیار کرنے والے ندامت و انتقام کی آگ میں جل رہے تھے اور تڑپ رہے تھے مگر کیا کریں؟ اور کیا کر سکتے تھے؟ کیونکہ ان کے دلائل ضعیفہ نرم لوہے کی تلوار کی مانند کند ہو چکے تھے--- براہین باطلہ کے نیزے ٹوٹ گئے تھے--- کلک رضا "ذوالفقار حیدری" کے جوہر دکھا رہا تھا--- جو بھی اس کی زد میں آتا تھا وہ آناً فاناً گاجر، مولی کی طرح کٹ کر تڑپنے لگتا تھا۔ جیش جبار کے اس عظیم مجاہد کی تاب نہ لا سکنے والوں نے اب بزدلانہ و منافقانہ راہ اختیار کی اور ایک منظم و مستحکم سازش کے تحت بے بنیاد، غلط، جھوٹے، مصنوعی، اختراعی، قیاسی، خوابی، احساسی اور الزامی بہتان کے تیروں سے آپ کے دامن کو چھلنی کرنا شروع کیا۔ اپنی تمام جماعتی، تنظیمی، تصنیفی، اجتماعی، اشاعتی، صحافتی، تعلیمی، تدریسی، علمی، عملی، مالی، ملکی، ثروتی، سیاسی، سماجی، قولی، فعلی، قلمی اور جانی توجہات کو اپنی تمام تر قوت، طاقت، صلاحیت، وسائل اور اقتدار کے تعاون کے ساتھ صرف امام احمد رضا کی جانب مرکوز کیا اور غایت درجہ کوشاں رہے کہ کسی نہ کسی طرح امام احمد رضا کو غلط و بے بنیاد پروپیگنڈوں کا شکار بنا کر ان کی علمی اور بین الاقوامی شخصیت کو مجروح کر دیا جائے کیونکہ اس کے علاوہ ان لوگوں کے پاس کوئی چارہ نہ تھا۔ کیونکہ امام احمد رضا کے علم کا لوہا مسلم تھا، عرب و عجم کے علماء کے مابین آپ کے علم کا چرچہ تھا۔ آپ آسمانِ علم میں درخشاں آفتاب کی مانند چمک و دمک رہے تھے۔

اب یہاں پر ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صرف امام احمد رضا محدث بریلوی کے خلاف اتنے وسیع پیمانے پر مہم چلانے کی وجہ کیا ہے؟ حالانکہ اگر تاریخی دستاویز کی روشنی میں ہم اس کی تفتیش اور تحقیق کریں گے تو یہ حقیقت منکشف ہوگی کہ امام احمد رضا محدث بریلوی کی پیدائش سے قبل بہت سے علمائے حق نے فرقہ وہابیہ نجدیہ ضالہ

کے رد و ابطال میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ لیکن ان تمام محترم و معظم علمائے اسلام سے قطع نظر تمام فرق باطلہ اور خصوصاً فرقۂ نجدیہ وہابیہ دیوبندیہ کے مکتب فکر نے صرف امام احمد رضا کو ہی نشانہ کیوں بنایا ہے؟ اس سوال کا صحیح حل حاصل کرنے کے لیے ہمیں تاریخ کے کچھ صفحات کو ٹٹولنا پڑے گا۔

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ کے خلاف جو غلط الزامات عائد کیے گئے ہیں، ان میں سے سرفہرست الزامات ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

- مولانا احمد رضا خاں بریلوی ایک تنگ نظر، کم علم، جھگڑالو اور بات بات میں کفر کا فتویٰ صادر کر دینے کے عادت رکھنے والے شخص تھے۔
- مولانا احمد رضا خان بریلوی نے علمائے دیوبند کے ساتھ جو اختلافات کیے تھے، وہ تمام اختلافات میلاد، قیام، نذر و نیاز، عرس، فاتحہ اور خانقاہی اقتدار کی بنیاد پر مشتمل ہیں۔

حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی نے صرف تعظیم رسول اور توہین رسول کی بنیاد پر علمائے دیوبند سے اختلاف کیا تھا کیونکہ اسی پر ایمان اور کفر کا دارومدار ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان اصولی اختلافات کے علاوہ بہت سے فروعی اختلافات بھی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تعظیم انبیاء و اولیاء کی بنیاد پر صدیوں سے اہلِ اسلام جو جائز اور مستحب کام کرتے چلے آئے ہیں ان تمام افعال کو وہابی دیوبندی مکتب فکر نے بدعت، ناجائز، حرام اور شرک کے فتوے دیئے، اس حقیقت کو ہم تفصیل کے ساتھ پیش کرتے ہیں تاکہ قارئین حضرات اسے بخوبی سمجھ لیں۔

بریلوی...دیوبندی اختلاف

بریلوی، دیوبندی مکتب فکر کے مابین اختلافات کی بنیاد کیا میلاد، قیام، نذر و نیاز، عرس، فاتحہ، تیجہ، دسواں، چالیسواں وغیرہ ہے؟ کیا انہیں وجوہات کی بنا پر امام احمد رضا محدث بریلوی نے علمائے دیوبند سے اختلاف کیا تھا؟ نہیں، بلکہ اس کی گواہی دیوبندی مکتبہ فکر کے ایک ذمہ دار مصنف اور مناظر مولوی منظور نعمانی کی زبانی سنیں۔ مولوی

منظور نعمانی کی حیثیت علمائے دیوبند کے صف اول کے عالم کی ہے اور ان کا شمار علمائے دیوبند کے اکابرین میں ہوتا ہے۔ ایک اہم انکشاف کرتے ہوئے جناب نعمانی صاحب رقم طراز ہیں کہ:

"شاید بہت سے لوگ ناواقفی سے یہ سمجھتے ہیں کہ میلاد، قیام، عرس، قوالی، فاتحہ، تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں، برسی وغیرہ رسوم کے جائز و ناجائز اور بدعت وغیر بدعت ہونے کے بارے میں مسلمانوں میں مختلف طبقوں میں جو نظریاتی اختلاف ہیں، یہی دراصل دیوبندی اور بریلوی اختلاف ہیں مگر یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں کے درمیان ان مسائل میں یہ اختلاف تو اس وقت سے ہے جبکہ دیوبند کا مدرسہ قائم نہ ہوا تھا اور نہ مولوی احمد رضا خاں صاحب پیدا ہوئے تھے، اس لیے ان مسائل کو دیوبندی، بریلوی اختلاف نہیں کہا جا سکتا۔ علاوہ ازیں ان مسائل کی حیثیت کسی فریق کے نزدیک بھی ایسی نہیں کہ ان کے ماننے، نہ ماننے کی وجہ سے کسی کو کافر یا اہل سنت سے خارج کیا جا سکے"۔

("فیصلہ کن مناظرہ" مصنف مولوی منظور نعمانی، ناشر کتب خانہ الفرقان، کچہری روڈ لکھنؤ، ص ۵،۶)

مذکورہ بالا عبارت سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ میلاد، فاتحہ، قیام، عرس وغیرہ کی بنیاد پر دیوبندی، بریلوی اختلافات کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ تو اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ اختلافات کی بنیاد کیا ہے؟ اور ان بنیادی اختلافات کی ابتدا کب ہوئی؟ اور کس نے کی؟ آیئے تاریخ کے حقائق و شواہد کی روشنی میں اس سوال کا جواب ڈھونڈیں۔ لیکن اس میں ہم ایک پابندی یہ کریں گے کہ حوالہ صرف مکتبہ فکر دیوبند کی کتاب سے اخذ کریں گے تاکہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ہمارے مخالفین نے ہمیں بدنام کرنے کے لیے لکھ مارا ہے۔

تاریخ کے صفحات الٹنے سے پتہ چلے گا کہ فرقۂ نجدیہ وہابیہ کی بنیاد محمد بن عبدالوہاب نجدی نے رکھی اور ایک کتاب عربی زبان میں بنام "التوحید" تصنیف کی،

اس کتاب میں اس نے انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی شان میں جی بھر کے گستاخیاں کیں۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ "تقویت الایمان" کے نام سے مولوی اسمٰعیل دہلوی نے برطانوی حکومت کے ایماء و اشارے و نیز مالی تعاون سے کیا۔ اس کتاب کو پورے ہندوستان میں پھیلایا گیا۔ اس کتاب میں جو مضامین تھے، وہ اتنے گستاخانہ تھے کہ پورے ہندوستان میں اس کی وجہ سے اختلافات شروع ہو گئے۔

ایک حوالہ ملاحظہ فرمائیں:

"خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب نے تقویۃ الایمان اوّل عربی میں لکھی تھی، چنانچہ اس کا ایک نسخہ مولوی نصراللہ خاں خورجوی کے کتب خانہ میں بھی تھا، اس کے بعد مولانا نے اسے اردو میں لکھا اور لکھنے کے بعد اپنے خاص خاص لوگوں کو جمع کیا جن میں سے سید صاحب، مولوی فریدالدین مراد آبادی، مومن خاں، عبداللہ خاں علوی بھی تھے اور ان کے سامنے تقویۃ الایمان پیش کی گئی اور فرمایا کہ میں نے یہ کتاب لکھی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آگئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے، مثلاً ان امور کو جو شرک خفی تھے شرک جلی لکھ دیا گیا ہے، ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورش ہو گی، اگر میں یہاں رہتا تو ان مضامین کو آٹھ دس برس میں بتدریج بیان کرتا لیکن اس وقت میرا ارادہ حج کا ہے اور وہاں سے واپسی کے بعد عزم جہاد ہے، اس لیے اس کام سے معذور ہوں اور میں دیکھتا ہوں کہ دوسرا اس بار کو اٹھائے گا نہیں، اس لیے میں نے یہ کتاب لکھ دی ہے، گو اس سے شورش ہو گی مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کے خود ٹھیک ہو جائیں گے، یہ میرا خیال ہے۔ اگر آپ حضرات کی رائے اشاعت کی ہو تو اشاعت کی جائے، ورنہ اسے چاک کر دیا جائے۔

اس پر ایک شخص نے کہا کہ اشاعت تو ضرور ہونی چاہیے مگر فلاں فلاں مقام پر ترمیم ہونی چاہیے، اس پر مولوی عبدالحئی صاحب، شاہ اسحاق

صاحب اور عبداللہ خاں و مومن خاں نے مخالفت کی اور کہا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں، اس پر آپس میں گفتگو ہوئی اور گفتگو کے بعد بالاتفاق یہ طے پایا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں ہے اور اسی طرح شائع ہونی چاہیے، چنانچہ اسی طرح اس کی اشاعت ہو گئی"۔

("ارواح ثلثہ" مرتب مولوی ظہور الحسن کسولوی، ناشر: کتب خانہ امداد الغرباء، سہارنپور (یو۔پی) باب ۶، حکایت ۵۹، ص ۸۰)

"ارواح ثلثہ" کی مندرجہ بالا عبارت کو ایک مرتبہ نہیں بلکہ کئی مرتبہ توجہ اور غور و فکر کے ساتھ ملاحظہ فرمائیے۔ خصوصاً وہ جملہ کہ ان امور کو جو شرک خفی تھے شرک جلی لکھ دیا گیا ہے" جس کا مطلب صاف ہے کہ اس کتاب میں حد سے زیادہ تشدد اور زیادتی کی گئی ہے کیونکہ جو امور شرک خفی ہیں، وہ یقیناً مذموم، مغضوب، معتوب اور ناپسندیدہ ضرور ہیں لیکن ان کے ارتکاب سے مرتکب دائرۂ اسلام سے خارج اور زمرۂ مشرکین میں شامل نہیں ہو جاتا، مثلاً حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ "الریاء شرک خفی" یعنی ریاکاری پوشیدہ شرک ہے "ریاکاری" یعنی کہ دکھاوے کے لیے عبادت کرنی یا خود کا شمار متقی، پرہیزگار اور عبادت گزار میں ہو، اس نیت سے دکھاوے کے لیے لوگوں کے سامنے عبادت کرنا، اعمال صالحہ کرنا یا اس کا ذکر کرنا، احادیث میں ریاکاری کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ سخت سے سخت وعیدیں اس کے تعلق سے بیان کی گئی ہیں، یہاں تک بیان کیا گیا ہے کہ ریاکار شخص کی عبادت مقبول نہیں، بلکہ مردود ہوتی ہے، ایسا شخص ثواب کی بجائے عذاب کا مستحق ہوتا ہے، نیکی کے بدلے گناہ پاتا ہے، لیکن ایسا شخص اسلام سے خارج نہیں ہوتا اور نہ ہی اس پر شرک کا اطلاق کیا جا سکتا ہے، البتہ وہ شخص اپنی ریاکاری کی وجہ سے گنہگار ضرور ہے، لیکن اس پر شرک کا فتویٰ صادر نہیں کیا جائے گا، افسوس کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی نے ایسے مرتکب کو شرک جلی کا مجرم قرار دے کر شرک کے فتوؤں کی "مشین گن" چلا دی۔

ایک اور امر بھی غور طلب اور لائق توجہ ہے کہ کتاب کے مصنف کو بھی اس بات کا اعتراف ہے کہ میں نے اس کتاب میں تشدد برتا ہے اور اپنے اس تشدد کے نتائج

کا اندیشہ و خطرہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ "اس کی اشاعت سے شورش ضرور ہوگی" صرف شورش ہوگی، نہیں کہا بلکہ "ضرور" لفظ کے اضافے سے یقین کے درجے میں بات کہی جا رہی ہے کہ اس کتاب کی اشاعت مسلمانوں کے مابین شورش کا باعث بنے گی لیکن مصنف کی شقاوت قلبی کا کیا کہنا کہ اس شورش کو جو کہ مسلمانوں کے درمیان پھیلنے والی تھی اس کو کتنے ہلکے پھلکے انداز میں نظر انداز کرتے ہوئے کہا کہ "مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے۔"

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بقول مصنف لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جانے والے لوگ کون تھے؟ کیا تقویۃ الایمان کتاب کی اشاعت سے ہندو، مسلم، فسادات ہونے والے تھے؟ یا سکھ، مسلم یا سکھ ہندو کے درمیان قومی تناؤ اور جنگ ہونے والی تھی؟ نہیں، کیونکہ اس کتاب کی اشاعت سے دیگر مذاہب کے لوگوں کو کوئی سروکار نہ تھا، ہاں! اگر نسبت تھی تو صرف مسلم قوم کو تھی، کیونکہ یہ کتاب قرآن اور حدیث کے حوالوں سے لکھی گئی تھی، قرآن و حدیث سے غلط استدلال کر کے ان امور پہ کاری ضرب لگائی گئی تھی جو صدیوں سے ملت اسلامیہ میں ایمانی اور اسلامی افعال کی حیثیت سے رائج تھے، اس کتاب میں انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی شان میں جو گستاخانہ جملے لکھے گئے تھے، وہ نہ صرف کسی بھی مومن کے لیے ناقابلِ برداشت تھے، بلکہ انبیاء و اولیاء سے محبت کا اظہار کرنے والے جائز اور مستحب کاموں کے کرنے والے لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں اہلِ ایمان کو یک لخت مشرک قرار دے کر ایک عظیم فتنہ برپا کیا گیا تھا۔ لہٰذا قوم مسلم کی اکثریت نے اس کتاب کی مخالفت کی اور ہر جگہ اس کتاب کی وجہ سے فتنہ و فساد شروع ہوئے۔ گھر گھر میں خانہ جنگی، محلوں میں تناؤ، مسجدوں میں مار پیٹ، مدرسوں میں لڑائی، برادری میں تنازعہ، دوستوں میں تضاد رائے، بھائی بھائی میں نظریاتی اختلافات، باپ بیٹے میں عقائدی تصادم وغیرہ۔ یہ سب کچھ صرف مولوی اسمٰعیل دہلوی کی رُسوائے زمانہ کتاب "تقویۃ الایمان" کی بدولت ہوا۔ اس وقت سے لے کر آج تک قوم مسلم، مذہب کے نام پر آپس کی جنگ میں ایسی منہمک ہے کہ وہ اپنی ترقی کی جانب نظر التفات کرنا بھی بھول گئی اور ایک عظیم فتنہ جو قیامت تک کے لیے ملت

اسلامیہ کے اتحاد کو ناسور کی حیثیت سے ملیامیٹ کر رہا ہے وہ صرف اس کتاب کی وجہ سے ہوا، لیکن وائے حسرتا، کتاب کا سنگدل مصنف کتنی بے غیرتی سے کہہ رہا ہے کہ "لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے۔" ٹھیک کیا ہوں گے!! بلکہ ملت کا اتحاد ٹھکانے لگا دیں گے، بے غیرت مصنف کی بے جا توقع ناتمام رہی۔

خیر! جو ہونا تھا وہ ہوا، کتاب کی اشاعت کے مضر اثرات ہمارے سامنے ہیں۔ اس وقت کے جو حالات تھے اس کا جائزہ لینے کے لیے ایک عبارت ملاحظہ فرمائیں: (خود مولوی ابوالکلام آزاد نے اعتراف کیا ہے کہ)

> مولانا اسمٰعیل شہید، مولانا منور الدین کے ہم درس تھے، شاہ عبدالعزیز کے انتقال کے بعد جب انہوں نے "تقویۃ الایمان" اور "جلاء العینین" لکھیں اور ان کے مسلک کا ملک بھر میں چرچہ ہوا، تو تمام علماء میں ہلچل پڑ گئی"۔

("آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی" مولفہ مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی، ناشر مکتبہ خلیل، اردو بازار لاہور (پاکستان) ص ۴۸)

پورے ملک میں آگ لگ گئی۔ عوام کے ساتھ ساتھ علماء میں بھی کہرام مچ گیا۔ "تقویۃ الایمان" کی اشاعت میں انگریزوں نے بھرپور مالی تعاون کیا تھا۔ یہ کتاب بڑی بھاری تعداد میں چھاپ کر ملک کے گوشے گوشے اور کونے کونے تک پہنچائی گئی۔ اس کتاب نے ملت اسلامیہ کے لوگوں کے دن کا چین اور رات کی نیند تک چھین لی، قوم مسلم کا اتحاد و اتفاق چکنا چور ہو گیا، لوگ ایک عجیب ذہنی الجھن کا شکار تھے کیونکہ تقویۃ الایمان میں آیات قرآنی اور احادیث نبوی کے تراجم و مفہوم کو توڑ مروڑ کر غلط اور اپنی حسبِ منشاء تاویلات کی گئی تھیں، سادہ لوح مسلم قرآن و حدیث کے نام سے متاثر ہو مرعوب ہو کر بہکاوے مین آگئے اور گمراہیت کے سیلاب میں بہہ گئے۔ نتیجتاً لاکھوں کی تعداد میں لوگ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور ایک نیا فرقہ بنام "نجدی وہابی فرقہ" سرزمین ہندوستان میں نمودار ہوا۔ ملک کا ماحول نئے مذہب کی گندگی سے آلودہ ہو گیا تھا۔ لوگ بے چین تھے، پریشان تھے، مضطرب تھے، مغموم تھے، شش و پنج میں تھے، تذبذب میں

تھے، ایسے پراگندہ ماحول میں علمائے حق کی ایک جماعت اٹھ کھڑی ہوئی اور اس جماعت کے علماء اعلاء کلمتہ الحق کا فریضہ انجام دیتے ہوئے وہابی نجدی فتنے کا سدباب کرنے کے لیے گرم جوشی سے میدان عمل میں آئے اور اپنی حسبِ استطاعت خدمات انجام دیں جس کی تفصیل اختصار کے ساتھ پیش خدمت ہے۔

مولوی اسمٰعیل دہلوی کی کتاب "تقویۃ الایمان" کے رد میں اس وقت تقریباً ۳۰ سے زائد کتابیں تصنیف کی گئیں اور متعدد علماء کرام نے تردیدی کارنامے انجام دیئے۔ ان علمائے کرام میں سے چند مشہور و معروف علمائے حق کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

(۱) امام منطق و فلسفہ حضرت علامہ مفتی فضل حق خیرآبادی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ جنہوں نے اسمٰعیل دہلوی سے ۱۲۴۰ھ میں دہلی کی جامع مسجد میں مناظرہ کیا اور مولوی اسمٰعیل دہلوی کو شکست فاش دی۔ علاوہ ازیں آپ نے اسمٰعیل دہلوی کے رد میں "امتناع النظیر" اور "تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ" کتابیں لکھیں۔

(۲) مولوی ابوالکلام آزاد کے والد حضرت مولانا خیرالدین علیہ الرحمہ نے دس ۱۰ مبسوط جلدوں میں "رجم الشیاطین" کے نام سے "تقویۃ الایمان" کا رد لکھا۔

(۳) حضرت مولانا فضل رسول بدایونی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے تقویۃ الایمان کے رد میں "سوط الرحمٰن" اور "سیف الجبار" کتابیں لکھیں۔

(۴) حضرت مولانا مفتی صدرالدین آزردہؔ۔

(۵) حضرت مولانا منورالدین دہلوی جنہوں نے اسمٰعیل دہلوی سے مناظرہ کیا، متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں اور حرمین شریفین سے فتویٰ منگوایا۔

(۶) حضرت مولانا رشیدالدین دہلوی۔

(۷) حضرت مولانا مخصوص اللہ دہلوی۔

(۸) حضرت علامہ رحمت اللہ کیرانوی۔

(۹) حضرت مولانا شجاع الدین خاں۔

(۱۰) حضرت مولانا شاہ محمد موسیٰ۔

(۱۱) حضرت مولانا عبدالغفور اخوند پیر طریقت۔

(۱۲) حضرت مولانا میاں نصیر احمد سواتی۔

(۱۳) حضرت مولانا حافظ دراز پشاوری شارح بخاری شریف۔

(۱۴) حضرت مولانا محمد عظیم اخوند سواتی۔

(۱۵) حضرت مولانا شاہ احمد سعید مجددی۔

(۱۶) حضرت مولانا شاہ عبدالمجید بدایونی۔

(۱۷) حضرت مولانا کفایت اللہ کافی مراد آبادی۔

علاوہ ازیں ملک کے طول و عرض سے متعدد علمائے کرام نے وہابی نجدی فرقہ کے رد میں اپنی ناقابل فراموش خدمات پیش کیں۔ مولوی اسمٰعیل دہلوی اور اس کے ہم عقیدہ عناصر پر کفر کے فتوے صادر فرمائے۔ ایک اقتباس ہدیہ ناظرین ہے:

"ان کے رد میں سب سے زیادہ سرگرمی بلکہ سربراہی مولانا منور الدین نے دکھائی۔ متعدد کتابیں لکھیں اور ۱۲۴۰ھ والا مشہور مباحثہ جامع مسجد دہلی میں کیا۔ تمام علمائے ہند سے فتویٰ مرتب کرایا، پھر حرمین سے فتویٰ منگایا"۔

("آزاد کی کہانی آزاد کی زبانی" مولف مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی، ناشر مکتبہ خلیل، لاہور (پاکستان ص ۴۸)

ہندوستان اور حرمین شریفین کے علمائے کرام نے عقائد وہابیہ نجدیہ کے خلاف فتاویٰ صادر فرما کر ملت اسلامیہ کی عظیم خدمت انجام دی اور سادہ لوح مسلمانانِ ہند کو ان کے دام فریب سے بچایا۔ حضرت مولانا منور الدین رحمتہ اللہ علیہ کی قبر پر خدا کی رحمت کے کروڑوں پھول قیامت تک نازل ہوں کہ انہوں نے ملت اسلامیہ کی خدمت کے لیے تمام علمائے حق کو متحد کیا۔ ان علماء سے عقائد باطلہ ضالہ نجدیہ کے خلاف فتویٰ مرتب کرایا۔ یہاں تک کہ حرمین شریفین سے فتویٰ منگایا۔ ان کا یہ احسان مسلمانانِ اہلِ سنت قیامت تک یاد رکھیں گے۔

علمائے ہند اور علمائے حرمین شریفین کے فتاویٰ نے فرقۂ نجدیہ وہابیہ کے عقائد باطلہ ضالہ سے عوام کو متنبہ اور متنفر کر دیا۔ ان کی بے دینی ظاہر ہو گئی۔ عوام اب ان کے کفریات سے مطلع ہو کر ان کو ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔ وہابی اب قوم

مسلم سے کٹ کر الگ ہو گئے تھے۔ کیونکہ اب علماء و عوام وہابیوں کے حق میں اتنے سخت تھے کہ ان کی سختی کا اندازہ مولوی ابوالکلام آزاد کے والد مرحوم حضرت مولانا خیرالدین رحمتہ اللہ علیہ کے نظریات سے ہو جائے گا۔ خود مولوی ابوالکلام آزاد نے اپنے والد کے نظریات کا تذکرہ اس طرح کیا ہے کہ:

"وہ وہابیوں کے کفر پر وثوق کے ساتھ یقین رکھتے تھے۔ انہوں نے بارہا فتویٰ دیا کہ وہابیہ یا وہابی کے ساتھ نکاح جائز نہیں"۔

("آزاد کی کہانی آزاد کی زبانی" مولف مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی، ناشر مکتبہ خلیل، لاہور (پاکستان ص ۱۳۵)

اب ہم، پھر ایک مرتبہ تاریخ کو ٹٹولیں۔ مذکورہ بالا حالات اور ماحول ۱۲۴۰ھ اور ۱۲۴۶ھ کے درمیان کا ہے۔ کیونکہ مولوی اسمٰعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان ۱۲۴۰ھ میں تصنیف کی تھی اور مولوی اسمٰعیل دہلوی کو صوبہ پنجاب اور سرحد کے سنی مسلمانوں نے بمقام بالاکوٹ ۱۲۴۶ھ میں قتل کر دیا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی نے اپنے عقائد وہابیہ کی سرحد میں تشہیر کی تو سرحد کے سنی مسلمانوں نے اس کا انکار اور مخالفت کی تو مولوی اسمٰعیل دہلوی نے کفر کا فتویٰ دے کر ان پر جنگ مسلط کر دی، اسی جنگ میں وہ مارا گیا۔

اب ہم تاریخی شواہد کی روشنی میں ایک اہم مرحلہ پر آپہنچے ہیں اور وہ یہ ہے کہ:

- مولوی اسمٰعیل دہلوی کی پیدائش ۱۲ ربیع الثانی ۱۱۹۳ھ
- مولوی اسمٰعیل دہلوی کی موت ۲۴ ذی الحجہ ۱۲۴۶ھ
- امام احمد رضا محدث بریلوی کی پیدائش ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ
- امام احمد رضا محدث بریلوی کا وصال ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ

مذکورہ حقیقت کی بناء پر مولوی اسمٰعیل دہلوی کی موت اور امام احمد رضا محدث بریلوی کی پیدائش کے درمیان ۲۶ سال کا فاصلہ ہے اور ۱۲۴۰ھ میں جب تقویۃ الایمان شائع ہوئی اور علمائے حق نے فرقۂ وہابیہ نجدیہ کے عقائد باطلہ پر کفر کا فتویٰ صادر فرمایا، وہ وقت امام احمد رضا محدث بریلوی کی پیدائش سے تقریباً ۳۲ سال قبل کا تھا۔ اب سوال

یہ پیدا ہوتا ہے کہ ۱۲۴۰ھ میں سب سے پہلے وہابیوں پر کفر کا فتویٰ دینے والے اس وقت کے علمائے حق کیا "بریلوی" تھے؟ کیا انہوں نے امام احمد رضا محدث بریلوی کے کہنے، اکسانے، مشتعل کرنے اور بھکانے کی وجہ سے کفر کا فتویٰ دیا تھا؟ نہیں، ہرگز نہیں، کیونکہ جب یہ فتویٰ دیا گیا تھا اس وقت تک امام احمد رضا اس دنیا میں تشریف نہیں لائے تھے، بلکہ اس فتویٰ کے تقریباً ۳۲ سال کے بعد آپ کی ولادت ہوئی ہے۔

ایک اہم بات کی وضاحت یہاں پر کر دینا اشد ضروری ہے کہ ۱۲۴۰ھ میں علمائے اسلام نے فرقۂ وہابیہ نجدیہ پر کفر کا جو فتویٰ دیا تھا، وہ فتویٰ دینا ایسا ضروری تھا کہ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ ملت اسلامیہ پر اُمڈ کر آنے والے نجدی فتنہ کے سیلاب کے سامنے وہ فتویٰ آہنی دیوار کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس وقت ماحول یہ تھا کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی اور اس کے ہمنواؤں کی بے اعتدالیاں حد سے تجاوز کر گئی تھیں۔ لاکھوں کی تعداد میں مسلمانان اہل سنت کو کافر اور مشرک قرار دے کر ان کے اموال کو لوٹنا اور ان کو بے دردی اور بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتارنا ایک معمولی بات تھی۔ بے قصور مسلمانوں پر یہ ظلم و ستم اس لیے روا رکھے گئے تھے کہ انہوں نے وہابی نجدی عقائد تسلیم کرنے سے انکار کیا تھا۔ ایک تاریخی دستاویز پیش خدمت ہے:

> "۱۸۳۰ء میں سید احمد بریلوی اور محمد اسماعیل دہلوی نے پشاور، مردان اور سوات کی مسلم آبادی کو بزور شمشیر محکوم بنا کر سردار پائندہ خان کو پیغام بھجوائے اور خود مل کر بیعت کی دعوت دی، جب وہ بیعت پر تیار نہ ہوا تو سید صاحب نے اس پر کفر کا فتویٰ لگا کر چڑھائی کر دی"۔

("تاریخ تناولیاں" مصنف سید مراد علی، علی گڑھی، ناشر مکتبہ قادریہ، لاہور (پاکستان) کا تعارف، ص ۲، از محمد عبدالقیوم جلوال)

صرف بیعت نہ کرنے کے جرم میں کتنی بڑی سزا دی جا رہی ہے، سردار پائندہ خان کا جرم کیا تھا؟ صرف یہی کہ اس نے وہابی نجدی عقائد قبول کرنے اور وہابیوں کے پیشوا کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کیا، گویا کفر کا فتویٰ لگانا ایک معمولی بات تھی کہ دھڑاک سے لگا دیا؟ کیا اپنے ٹولے اور گروہ میں شمولیت سے انکار کرنے والے کو اس

طرح کفر کے فتوے سے نوازنا مناسب ہے؟ صرف سردار پائندہ خان ہی نہیں بلکہ سرحدی علاقے میں بسنے والے بے شمار مسلمان عوام اور ان قبائل کے سردار بھی اسی طرح وہابی نجدی لشکر کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے تھے۔ بے گناہ اور بے قصور مسلمانوں کو اپنا شکار بنانے کے لیئے وہابیوں کے مقتداء کیسی کیسی ترکیبیں اور حیلے بہانے ایجاد کرتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیں:

''یہاں پر دو معاملے درپیش ہیں۔ ایک تو مفسدوں اور مخالفوں کا ارتداد ثابت کرنا اور قتل و خون کے جواز کی صورت نکالنا اور ان کے اموال کو جائز قرار دینا''۔

(''مکتوبات سید احمد شہید'' (اردو ترجمہ) مترجم سخاوت مرزا، ناشر نفیس اکیڈمی کراچی (پاکستان) ص ۲۴۱)

ایک اور تاریخی شہادت پیش خدمت ہے:

''آپ کی اطاعت تمام مسلمانوں پر واجب ہوئی، جو آپ کی امامت سرے سے تسلیم نہ کرے یا تسلیم کرنے سے انکار کردے، وہ باغی مستحل الدم ہے اور اس کا قتل کفار کے قتل کی طرح خدا کی عین مرضی ہے، معترضین کے اعتراضات کا جواب تلوار ہے، نہ کہ تحریر و تقریر''۔

(''سیرت سید احمد شہید'' مصنف سید ابوالحسن علی ندوی، ناشر ایم، ایچ سعید اینڈ کمپنی، کراچی (پاکستان) ص ۴۸۵)

مذکورہ دونوں اقتباسات کا گہری نظروں سے مطالعہ فرمائیں اور غور و فکر کریں کہ وہابی نجدی گروہ کے مقتداء کیسے کیسے ہتھ کنڈے ایجاد کرتے تھے۔ تلوار کی طاقت کے بل بوتے پر وہابیت پھیلانے میں ایسے جری تھے کہ عقائد باطلہ کو تسلیم نہ کرنے والے سادہ لوح مسلمانوں پر عناداً کفر کے فتوے تھوپے اور ان فتوؤں کی آڑ میں مسلمانوں کا مال لوٹنا اور انہیں قتل تک کرنا جائز قرار دیا، صرف جائز ہی نہیں قرار دیا بلکہ خدا کی عین مرضی قرار دے کر اپنی شقاوت قلبی کا ثبوت دیا۔

اسلامی تاریخ کے سیاہ اوراق کی حیثیت سے وہابی نجدی تحریک ہمیشہ بدنام رہے

گی کیونکہ اس تحریک کو نام نہاد "جہاد" کہہ کر اس کے ضمن میں بے گناہ و بے قصور مسلمانوں پر ظلم و ستم، تعصب و تشدد اور جبری تسلط کے وقت صرف اسلامی اخلاق و روایات اور جذبہ اخوت ہی نہیں بلکہ انسانیت کا بھی سرعام خون کیا گیا۔ تفریق بین المسلمین، تذلیل مسلمین، تہلیک مسلمین، تکفیر مسلمین اور تقتل مسلمین کا بازار اتنا گرم تھا کہ وہابی نجدی لشکر کے نام نہاد مجاہدین کے نزدیک ایک کلمہ گو مسلمان کو مار ڈالنا اور ایک چیونٹی کو مسل دینا دونوں برابر تھے۔ لوگوں کے جان، مال حتیٰ کہ اس کے ایمان کا فیصلہ بھی وہابیوں کے ہاتھ میں تھا۔ کون مومن؟ کون کافر؟ کون مرتد؟ کون مشرک؟ کون زندہ رہنے کا حقدار؟ کس کو مرنا چاہیے؟ ان تمام امور کے فیصلے وہابی نجدی فرقے کے امام اول کے اشارے پر ہوتے تھے۔ اگر وہابیوں کے مقتداء کو امیرالمومنین تسلیم کر کے اس کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے اور ان کے عقائد باطلہ ضالہ سے اتفاق کر لیا تو اب مومن و متقی و پرہیزگار، مجاہد و غازی کے القابات سے نوازش ہو رہی ہے اور ہمیشہ سلامت و عیش میں رہو، کے نعرے بلند ہوں اور اگر کوئی عاشق رسول ﷺ اپنی فراست ایمانی سے ان وہابیوں کی حقیقت سے واقف ہو کر ان کے عقائد فاسدہ سے اختلاف کر کے بیعت ہونے سے انکار کرے تو وہ بیچارہ ان ظالموں کے غضب و تشدد کا شکار بنا ہی سمجھو۔ کافر، مشرک، مرتد، بدعتی کے الزامات کے نوکیلے کانٹے اس کے قلب کو چھلنی کرنے کے لیے تیار ہی تھے اور ساتھ ہی اس پر کافر و مشرک کے فتاویٰ صادر کر کے، خود ساختہ وہابیوں کے امیرالمومنین کے ایماء و اشارے پر اس کے ساتھ ہر طرح کا ظلم و ستم جائز سمجھا جاتا تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ مقتولین کی بیواؤں کو ایام عدت میں بھی ان کے ساتھ جبراً و مجبوراً نکاح کا ناٹک کھیل کر اپنی ہوس پورا کرنے کے لیے گھروں سے گھسیٹ کر اٹھا لے جاتے تھے۔

یہاں اتنی گنجائش نہیں کہ ان تمام واقعات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے، اگر ان تمام واقعات ظلم و ستم کی بالاستیعاب تفصیلی معلومات حاصل کرنی ہوں تو فقیر کی تصنیف کردہ کتاب "بھارت کے دوست اور دشمن" و نیز "اسلام اور بھارت کے غدار کون؟" کا مطالعہ کریں۔

المختصر! کفر اور شرک کے فتوے اتنے عام کر دیئے گئے تھے کہ اس دور میں ایک مسلمان کو کافر قرار دینا ہر کام سے زیادہ آسان تھا، حالانکہ کسی مسلمان پر کفر کا فتویٰ دینا مشکل سے مشکل کام ہے۔ متکلم، کلام، تکلم، الزام، لزوم، تاویل، صراحت، احتمال، ایہام، ظاہر معنی کلام، لغوی پہلو، محاورات، اصطلاح، الفاظ ظن خیر، وصول نیت وغیرہ اہم اہم اور ضروری امور کو ملحوظ رکھتے ہوئے جب وجہ کفر "اظہر من الشمس" کی طرح ثابت ہو، تب کہیں کفر کا فتویٰ صادر کیا جاتا ہے۔ بلکہ حتی الامکان یہ کوشش کی جاتی ہے کہ اس کے قول کی کوئی مناسب تاویل کر کے بھی اس کو کفر سے بچایا جائے۔ لیکن یہاں تو اندھا دھند بات بات میں کفر اور شرک کے فتوے کی مشین گن ہی چلائی جا رہی تھی۔

علمائے اہل سنت نے فرقۂ وہابیہ نجدیہ پر کفر کے فتاوے صادر فرمائے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ تقویۃ الایمان میں انبیاء کرام اور بزرگان دین کی مقدس بارگاہوں میں ایسے ایسے ناپاک اور گستاخانہ جملے لکھے گئے تھے جو اصول عقائد اور شروط ایمان کی رو سے یقیناً کفر پر مشتمل تھے۔ جن کا لکھنا، سننا، روا رکھنا خلاف ایمان تھا لیکن پھر بھی علمائے اہل سنت نے ضبط اور تحمل کا دامن نہ چھوڑا، اتمام حجت کے تمام شرائط پورے کرنے کے بعد ان عبارات پر غور و فکر کیا، قرآن اور حدیث کی روشنی میں ان کو پرکھا، ضروریات دین کے اصول و قوانین کے ترازو میں تولا، علمائے متقدمین کی معتبر و مستند کتب سے ٹٹولا، تاویلات کے امکانات بھی جانچے، لیکن ہر طرف سے جب وہ ناکام و مایوس ہو گئے تب انہوں نے مفاد دین اور دینی بھائیوں کے ایمان کے تحفظ کی نیت خیر کو ملحوظ رکھ کر تکفیر فرمائی۔ ایک حوالہ:

> "ان کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ابتداء میں مولانا اسمٰعیل اور ان کے رفیق اور شاہ صاحب کے داماد مولانا عبدالحیٔ کو بہت کچھ فہمائش کی اور ہر طرح سے سمجھایا، لیکن جب ناکامی ہوئی تو بحث و رد میں سرگرم ہوئے"۔

("آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی" مولفہ مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی، ناشر مکتبہ خلیل، اردو بازار لاہور (پاکستان) ص ۴۸)

مندرجہ بالا عبارت میں خود مولوی ابوالکلام آزاد اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ حضرت مولانا منور الدین رحمتہ اللہ علیہ نے اتمام حجت کا فریضہ انجام دینے میں کوتاہی نہیں کی۔ روبرو جا کر افہام و تفہیم کے ذریعہ بھی کوشش فرمائی لیکن جب سنگ دل پگھلا ہی نہیں، تب اس پر حکم شرعی نافذ کر کے اپنی شرعی ذمہ داری کو پورا کیا۔

توجہ طلب

قارئین کی خدمت میں مودبانہ التماس ہے کہ آپ اپنی توجہات عمیق سے اس دور کے حالات کا جائزہ لیں اور تجزیہ فرمائیں کہ کفر کے فتوے کی ابتداء کہاں سے ہوئی ہے؟ کس نے لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں مسلمانوں کو کافر اور مشرک کہا؟ اور ملت اسلامیہ کے ساتھ ظلم و ستم کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی، غالباً نہیں بلکہ یقیناً آپ کا نتیجہ فکر یہی ہوگا کہ فرقۂ وہابیہ نجدیہ کے اکابرین و متوسلین نے، دوسری جانب یہ بھی ملاحظہ فرمایئے کہ ان ظالم وہابیوں کے خلاف حکمِ شرعی نافذ کرنے والے علمائے حق نے کتنی احتیاطوں کو ملحوظ رکھ کر تکفیر فرمائی ہے۔

مزید ایک بات بھی آپ مستقلاً ذہن نشین رکھیں کہ ان تمام حوادثات میں امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ کا کہیں بھی ذکر نہیں آیا اور یقینی بات ہے کہ ان کا ذکر آ بھی نہیں سکتا، کیونکہ ابھی آپ اس دنیا میں تشریف بھی نہیں لائے تھے۔ یہ سارا ماحول آپ کی ولادت سے ربع صدی قبل کا ہے، جس سے ہم ایک نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ کفر کا فتویٰ دینے کی ابتداء کرنے کا امام احمد رضا پر جو الزام عائد کیا جارہا ہے وہ سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ بلکہ آپ یہ حقیقت جان کر حیرت زدہ ہوں گے کہ جس کو بات بات میں کفر کا فتویٰ دینے والا کہہ کر بدنام کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی، اس امام احمد رضا محدث بریلوی نے امام الطائفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی پر کفر کا فتویٰ دینے سے احتیاط کرتے ہوئے "کف لسان" فرمایا۔ جس کی تفصیل آپ اگلے صفحات میں ملاحظہ کریں گے۔

دور حاضر میں مسئلہ تکفیر کے تعلق سے امام احمد رضا محدث بریلوی کے خلاف جو تحریک چلائی جا رہی ہے وہ اتنے وسیع پیمانے پر ہے کہ حقیقت سے ناآشنا بہت سے حضرات اس کے دامِ فریب میں آ گئے ہیں اور ناواقفیت کی وجہ سے امام احمد رضا کی مخالفت و تذلیل میں نہ جانے کیا کیا کہتے اور کرتے رہتے ہیں۔ کفر کے فتویٰ کی تمام ذمہ داری صرف اکیلے امام احمد رضا کے سر تھوپی جا رہی ہے، بلکہ اس میں حد درجہ غلو بھی کیا جا رہا ہے۔ اس سازش میں مکتبہ دیوبند اکیلا نہیں بلکہ تمام فرق باطلہ اس میں شامل ہیں۔ حیرت تو اس بات پر ہوتی ہے کہ جبکہ ان میں آپس میں اصولی اور فروعی اختلافات وسیع پیمانے پر ہیں لیکن "دشمن کا دشمن اپنا دوست" اس نظریہ کے تحت انہوں نے صرف امام احمد رضا محدث بریلوی کی دشمنی میں باہم اتحاد کیا ہے، لیکن اس اتحاد کی وجہ کیا ہے؟ صرف یہی کہ تمام کے سینے کلک رضا کے نیزے کی مار سے چھلنی ہیں۔ امام احمد رضا نے تمام فرق باطلہ کی تردید میں نمایاں کردار ادا فرمایا ہے اور وہ کردار صرف اصولی مسائل تک ہی محدود نہیں بلکہ فروعی مسائل میں بھی جہاں جہاں باطل پرستوں نے رخنہ اندازی کی وہاں وہاں امام احمد رضا نے ان کا تعاقب کیا اور اپنی نادر روزگار تصانیف سے ان کو قیامت تک کے لیے ساکت اور مبہوت کر دیا۔ جہاں تک فرقۂ وہابیہ نجدیہ کا معاملہ ہے وہاں یہ حقیقت بھی پوشیدہ نہیں کہ ہندوستان میں جب اس فرقۂ باطلہ کا وجود نمودار ہوا تو اس وقت کے بہت سے علمائے اہل سنت نے اس کا سدباب فرمایا، یہاں تک کہ کفر کے فتوے بھی صادر فرمائے لیکن اس وقت کے ان تمام علمائے اہل سنت سے اعراض کر کے صرف امام احمد رضا محدث بریلوی ہی کو کیوں نشانہ بنایا گیا ہے؟ اور اپنی تمام تر طاقت و قوت صرف امام احمد رضا کی شخصیت کو مجروح کرنے کے لیے کیوں استعمال کی جا رہی ہے؟

بلاشک و شبہ! ۱۲۴۰ھ کے پُرفتن دور کے علمائے حق نے فرقۂ وہابیہ کی تردید اور بیخ کنی میں اہم اور نمایاں کردار ادا کیا اور فرقۂ وہابیہ کی بنیادیں ہلا دیں لیکن ان حضرات کی یہ خدمات اصولی مسائل تک محدود تھیں۔ علاوہ ازیں وہ دور وہابیت کا ابتدائی دور تھا اور اس وقت عقائد کے تعلق سے چند ہی گمراہ کن کتابیں رائج تھیں، لیکن امام احمد رضا

کے دور میں سینکڑوں اصولی مسائل میں فساد، بے شمار فروعی مسائل میں تنازعہ، بے شمار وہابی مولوی، کثرت سے ان کے مدارس، وسیع پیمانے پر مشتمل تنظیمیں، اشاعتی وسائل وغیرہ ایک مسلح فوج کی حیثیت سے فرقۂ وہابیہ اپنے شباب پر تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ اس فرقے کو حکومت برطانیہ کی پشت پناہی حاصل تھی۔ ایسے نازک حالات میں امام احمد رضا نے تن تنہا ہر محاذ پر ان کا ایسا مقابلہ فرمایا کہ ان کی بنیادیں اکھیڑ دیں۔ ماضی کے تمام علمائے اہلسنّت نے مجموعی طور پر فرقۂ وہابیہ کی تردید میں جو خدمات انجام دی تھیں اس سے کئی گنا زیادہ تردیدی خدمات امام احمد رضا نے تن تنہا انجام دیں۔ مکتبہ فکر وہابیہ دیوبندیہ سے جب بھی کوئی گمراہی اُٹھی، چاہے اس کا تعلق اصولِ دین سے ہو یا پھر فروغ دین سے ہو، بریلی سے اس کا دندان شکن جواب دیا گیا اور حالت یہ ہو گئی تھی کہ امام احمد رضا محدث بریلوی کے قلم کی جلالت علمی سے پوری دنیاء وہابیت تھر تھر کانپتی تھی۔ امام احمد رضا کے پیش کردہ دلائل و براہین کا جواب دینے سے دنیائے وہابیت کے تمام کے تمام مصنفین عاجز و قاصر تھے۔

فرقۂ وہابیہ کے علاوہ اور بھی بہت سارے فرقے سر اٹھائے ہوئے تھے۔ بڑے بڑے دانشور، ماہر فن، علماء، فضلاء، ادباء، محدث، مفکر، مفسر، مورخ، سائنس دان وغیرہ اس کے حامی، ناشر و بانی تھے لیکن وہ جب امام احمد رضا کی قلم کی زد میں آئے تو میدانِ علم کی جنگ میں گاجر اور مولی کی طرح کٹ گئے۔ بڑے بڑے ماہرینِ فن اور دنیوی علوم جدیدہ کے اعلیٰ عہدوں پر فائز نامور لوگ امام احمد رضا کی آہنی دلیلوں کی ضربیں کھا کر چکنا چور ہو گئے۔ امام احمد رضا کی تصانیف کا جواب لکھنے کی ہمت کرنے کا تصور کرنے والے بڑے بڑے قلمکاروں کے ہاتھ کانپ رہے تھے، ان کے قلم کی نوکیں کند ہو چکی تھیں۔

لہٰذا انہوں نے مکر و فریب کی راہ اختیار کی۔ علمی دلائل سے صرف نظر کر کے انہوں نے جھوٹ کا دامن تھاما، الزامات افتراء ات، بہتان اور جھوٹی تہمتیں گھڑنی شروع کیں اور اس میں اتنے منہمک ہوئے کہ دیگر فرق باطلہ کے افراد سے اتحاد کر کے امام احمد رضا کے خلاف مستقل طور پر ایک منظم سازش کی مہم چلائی اور دن بدن اسے فروغ دیا۔

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان کی شان حق گوئی بے مثال تھی۔ حق گوئی کا فریضہ انجام دینے میں آپ نے کسی کی بھی کوئی رعایت نہیں کی۔ کبھی بھی یہ نہ دیکھا کہ یہ اپنا ہے یا پرایا؟ بلکہ شریعت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف جس نے بھی سر اٹھایا یا صدائے بے دینی بلند کی تو آپ نے اس کا ایسا تعاقب فرمایا کہ وہ بے صدا ہو گیا۔ کچھ اپنے کہلانے والوں نے فروعی مسائل میں غیر اسلامی نظریات اختیار کیے۔ کسی نے بدعات مروجہ کو فروغ دینے کی کوشش کی، کسی نے عقیدت کے معاملے میں غلو کر کے حدود شرعیہ سے تجاوز کرنے کی راہ اختیار کی، ایسے وقت میں آپ نے یہ نہ دیکھا کہ یہ سنی ہیں، اپنے ہیں، ان کے ارتکاب کو روا رکھا جائے بلکہ آپ نے صرف اور صرف احکام شریعت کا لحاظ کیا اور ان کے غیر مشروع ارتکاب کے خلاف بھی صدائے حق بلند فرمائی۔ نتیجتاً ایک بڑا گروہ بھی دانستہ یا نادانستہ صرف انانیت، ذاتی مفاد، بغض، عناد اور اپنے ارتکاب جرم پر کی گئی شرعی گرفت کا انتقام لینے کے جذبے کے تحت احمد رضا محدث بریلوی کا مخالف بن گیا اور انہوں نے الگ طور سے مخالفت کرنے والی ایک الگ لابی کھڑی کر دی۔ پرائے اور اپنے دونوں کی مخالفت نے ماحول کو اتنا پراگندہ کر دیا ہے کہ امام احمد رضا کو صرف تنقیدی نظر سے ہی دیکھا جا رہا ہے۔ یہی سبب ہے کہ جتنی مخالفت امام احمد رضا محدث بریلوی کی کی گئی ہے، کی جا رہی ہے اور کی جائے گی اتنی مخالفت آج تک کسی بھی مجدد کی نہیں کی گئی اور غالباً مستقبل میں اور کسی مجدد کی نہیں کی جائے گی لیکن الزامات کے بادلوں میں پوشیدہ ہو جانے کی وجہ سے صداقت کے آفتاب کا وجود ہرگز ختم نہیں ہوتا۔ بدلیاں دھیرے دھیرے ہٹتی جاتی ہیں اور آفتاب نظر آنے لگتا ہے۔ الحمدللہ! ایک عرصہ دراز تک غلط فہمی اور بے بنیاد الزامات کی گھنگور گھٹاؤں میں اوجھل رہنے کے بعد امام احمد رضا کی شخصیت صداقت کے آفتاب کی طرح اب درخشاں ہو رہی ہے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان نے مخالفین کی کثرت کی کبھی بھی پرواہ نہیں کی کیونکہ

مجھ کو رُسوا بھی اگر کوئی کہے گا تو یونہی
کہ وہی نہ، وہ رضا، بندۂ رُسوا تیرا

لیکن! افسوس!!

اہلسنت کے ان علماء حضرات پر (الا ماشاء اللہ) جنہوں نے ان الزامات کی عقدہ کشائی کرنے میں کوتاہی اور کاہلی کی، امام احمد رضا کے خلاف لگائے جانے والے بے بنیاد الزامات سے امام احمد رضا کتنے بری ہیں اس حقیقت کی وضاحت کرنے میں تغافل برتا بلکہ سکوت اختیار کیا یا ایسے ایسے غیر ذمہ دارانہ جوابات دیئے کہ مخالفین کو اپنے دعوے کو قوی کرنے کا مواد فراہم کردیا۔ جن بدعاتِ قبیحہ کی امام احمد رضا نے شدت سے تردید فرمائی ہے ان بدعات میں ملوث لوگوں کے سامنے "والنھی عن المنکر" کا فریضہ انجام دینے سے باز رہے۔ امام احمد رضا کا نام لیا مگر کام ترک کردیا، عوام اہلسنت میں مقبول و مشہور و محبوب ہونے کی غرض سے اعلیٰ حضرت کی صحیح ترجمانی و صحیح خدمت کی طرف التفات نہ کیا۔

امام احمد رضا محدث بریلوی نے فرقۂ نجدیہ وہابیہ کے رد و ابطال کی خدمت انجام دینے کے ساتھ ساتھ دیگر فرقۂ باطلہ کی سرکوبی میں بھی ایک نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ علاوہ ازیں سینوں میں رائج بدعات اور غیر اسلامی رسومات کے خلاف بلاخوف لومۃ لائم اپنا قلم چلا کر یہ ثابت کردیا کہ شریعت کے مقابلہ میں یہاں اپنے اور پرائے کا لحاظ نہیں کیا جاتا، بلکہ احقاق حق اور ابطال باطل میں شریعت مطہرہ کی سختی کے ساتھ پابندی کی جاتی ہے۔ اور امر بالمعروف والنھی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے میں کسی قسم کی کوتاہی اور کاہلی نہیں کی جاتی۔ ہمارے اس دعویٰ کے ثبوت میں امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی معرکۃ الآراء تصانیف شاہد عدل ہیں جس کا تفصیلی جائزہ اگلے صفحات میں آرہا ہے، جس کے مطالعہ سے امام احمد رضا کی شان تصلب فی الدین اور شان اعلاء کلمۃ الحق کا پتہ چلے گا۔

اب ہم مختلف عنوانات کے تحت ہر فتنے کا تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم موجدین فتنہ کی رسوائے زمانہ کتابوں سے ان کی گمراہ کن اور گستاخانہ عبارتیں

لفظ بہ لفظ نقل کریں گے۔ طوالت کے خوف سے عبارتوں پر تبصرے سے گریز کرتے ہوئے ہم یہ بتائیں گے کہ ان فتنوں کے رد میں امام احمد رضا نے حق پرستی کا حق کس طرح ادا کیا؟

(۱) فتنہ انکار علم غیب نبی

فرقۂ نجدیہ وہابیہ کے اکابر علماء نے انبیاء کرام اور اولیاء عظام کے علمِ غیب کا صرف انکار ہی نہیں کیا بلکہ غیر خدا کے لیے علمِ غیب کا عقیدہ رکھنے والے کو کافر اور مشرک کہا، مثلاً:

مولوی اسماعیل دہلوی نے لکھا ہے کہ

"کسی نبی، ولی یا امام و شہید کی جناب میں ہرگز یہ عقیدہ نہ رکھے کہ وہ غیب کی بات جانتے ہیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی یہ عقیدہ نہ رکھے۔"

("تقویۃ الایمان" از مولوی اسماعیل دہلوی، دار السلفیہ، بمبئی ص ۴۷)

○ مولوی رشید احمد گنگوہی نے لکھا ہے کہ

"حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علمِ غیب نہ تھا، نہ کبھی اس کا دعویٰ کیا اور کلام اللہ شریف اور بہت سی احادیث میں موجود ہے کہ آپ عالم الغیب نہ تھے، اور یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ کو علمِ غیب تھا، صریح شرک ہے۔"

(فتاویٰ رشیدیہ، کامل از مولوی رشید احمد گنگوہی، مکتبہ تھانوی، دیوبند (یو۔پی) ص ۱۰۳)

یہاں تک تو علمِ غیب کے تعلق سے فرقۂ وہابیہ نجدیہ کے مولویوں نے انبیاء و اولیاء کے علمِ غیب کا انکار کیا اور انبیاء و اولیاء کے لیے علمِ غیب کا عقیدہ رکھنے والے کو مشرک لکھا، لیکن آگے چل کر ان کے حوصلے اتنے بڑھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عالم ماکان ومایکون کے علمِ غیب کو عام انسان، بچوں، پاگل اور جانوروں سے تشبیہ دی۔

○ مولوی اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے کہ

"پھر یہ کہ آپ کی ذاتِ مقدسہ پر علمِ غیب کا حکم کیا جانا، اگر بقول زید صحیح ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب، اگر بعض علومِ غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور ﷺ کی ہی کیا تخصیص ہے، ایسا علمِ غیب تو زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔"

("حفظ الایمان" از مولوی اشرف علی تھانوی، دار الکتاب دیوبند (یو۔پی) ص ۱۵)

اس کے بعد فرقۂ وہابیہ کے علماء کے حوصلے اتنے بڑھے، توہین و تنقیص رسالت میں ایسا گستاخانہ طرز اختیار کیا کہ معاذ اللہ شیطان کے لیے علمِ غیب ثابت مانا لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علمِ غیب ماننا شرک بتایا۔

مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے لکھا ہے:

"الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخرِ عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصّہ ہے۔ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخرِ عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔"

("براہین قاطعہ" از مولوی خلیل احمد انبیٹھوی، کتاب خانہ امدادیہ، دیوبند (یو۔پی) ص ۵۵)

مندرجہ بالا اقتباسات علمائے دیوبند کے اکابر علماء کی تصانیف سے درج کیے گئے ہیں، حالانکہ ان کے اصاغر علماء نے بھی علمِ غیب کے تعلق سے ایسی گندی عبارتیں لکھی ہیں کہ مومن کبھی بھی اس کو گوارا نہیں کر سکتا۔

امام احمد رضا محدث بریلوی نے تمام اکابر و اصاغر علماء فرقۂ وہابیہ نجدیہ دیوبندیہ کا تعاقب فرمایا اور ان کے رد میں متعدد تصانیف مرتب فرمائیں۔ صرف علمِ غیب کے مسئلہ پر امام احمد رضا کی تصانیف جو میری ناقص معلومات میں ہیں، وہ حسبِ ذیل ہیں:

(۱) اِنْبَاءُ الْمُصْطَفٰی بِحَالِ سِرٍّ وَّاَخْفٰی۔ (۱۳۱۸ھ)
(۲) اَللُّؤْلُؤُ الْمَکْنُوْنُ فِیْ عِلْمِ الْبَشِیْرِ مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ۔ (۱۳۱۸ھ)
(۳) اِنْبَاءُ الْحَیِّ اَنَّ کَلَامَهُ الْمَصُوْنَ تِبْیَانٌ لِّکُلِّ شَیْءٍ۔ (۱۳۱۸ھ)
(۴) مَالِیُ الْجَیْبِ بِعُلُوْمِ الْغَیْبِ۔ (۱۳۱۸ھ)
(۵) اَلدَّوْلَةُ الْمَکِّیَّةُ بِالْمَادَّةِ الْغَیْبِیَّةِ۔ (۱۳۲۳ھ)
(۶) ظَفْرُ الدِّیْنِ الْجَیِّدُ مُلَقَّبٌ بِهٖ بَطْشِ غَیْبٍ۔ (۱۳۲۳ھ)
(۷) اَلْفُیُوْضَاتُ الْمَلَکِیَّةُ لِمُحِبِّ الدَّوْلَةِ الْمَکِّیَّةِ۔ (۱۳۲۵ھ)
(۸) خَالِصُ الْاِعْتِقَادِ۔ (۱۳۲۸ھ)
(۹) اِزَاحَةُ الْعَیْبِ بِسَیْفِ الْغَیْبِ۔ (۱۳۳۰ھ)
(۱۰) اِبْرَاءُ الْمَجْنُوْنِ عَلٰی اِنْتِهَاکِهِ الْعِلْمِ الْمَکْنُوْنِ۔ (۱۳۲۳ھ)
(۱۱) مَاحِیَةُ الْعَیْبِ بِاِیْمَانِ الْغَیْبِ۔ (۱۳۲۴ھ)
(۱۲) مَیْلُ الْهُدٰی لِبَرْءِ عَیْنِ الْقَضَا۔ (۱۳۲۵ھ)
(۱۳) اَرَاجِحُ جَوَانَةِ الْغَیْبِ عَنْ اِزَاحَةِ الْغَیْبِ۔ (۱۳۲۶ھ)
(۱۴) اَلْجَلَاءُ الْکَامِلُ کَعَیْنِ قُضَاةِ الْبَاطِلِ۔ (۱۳۲۶ھ)

ہو سکتا ہے کہ مندرجہ بالا تصانیف کے علاوہ علمِ غیب کے موضوع پر امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان کی دیگر تصانیف بھی ہوں، جو میری معلومات میں نہ ہوں۔

(۲) فتنہ انکار ختم نبوت

ملت اسلامیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور اقدس تاجدار مدینہ خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، نبوت و رسالت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی۔ اب کسی نبی یا رسول کے آنے کا امکان نہیں، لیکن علماء دیوبند نے ایک جدید نظریہ قائم کیا اور ختم نبوت کے عقیدے کو الجھایا اور ایک عظیم فتنہ برپا کر دیا۔

○ دارالعلوم دیوبند کے بانی مولوی قاسم نانوتوی نے ایک نیا نظریہ قائم کرتے ہوئے لکھا کہ:

"اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ کوئی نبی پیدا ہو، تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔"

("تحذیر الناس" از مولوی قاسم نانوتوی، مکتبہ فیض، دیوبند (یو۔پی) ص ۲۵)

یہ وہ نظریہ تھا کہ جس نے مرزا غلام احمد قادیانی جیسے منکر شخص کو نبوت کا دعویٰ کرنے کی ترغیب دی اور ایک نیا فتنہ قادیانی مذہب کے روپ میں رونما ہوا۔

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے دارالعلوم دیوبند کے بانی مولوی قاسم نانوتوی کے نظریہ ختم نبوت کا تعاقب فرمایا۔ اسلامی نقطۂ نظر سے ختمِ نبوت کا مسلّم عقیدہ ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ مولوی قاسم نانوتوی کے ہفوات کا رد بلیغ فرمایا۔ اس عنوان پر امام احمد رضا نے حسب ذیل تصانیف مرتب فرمائیں:

(۱) جَزَاءُ اللّٰهِ عَدُوَّهٗ بِاِبَائِهٖ خَتْمَ النُّبُوَّةِ۔ (۱۳۱۷ھ)

(۲) تَنْبِيْهُ الْجُهَّالِ بِاِلْهَامِ الْبَاسِطِ الْمُتَعَالِ۔ (۱۲۹۲ھ)

(۳) اَلْمُبِيْنُ خَتْمَ النَّبِيِّيْنَ۔ (۱۳۲۶ھ)

(۴) جواب ہائے ترکی بہ ترکی۔ (۱۲۹۲ھ)

(۵) اَلْهَيْبَةُ الْجَبَّارِيَّةُ عَلٰى جِهَالَةِ الْاَخْبَارِيَّةِ۔ (۱۳۰۹ھ)

(۳) فتنہ امکانِ کذب

صرف ملت اسلامیہ ہی نہیں بلکہ حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام سے لے کر زمانہ اقدس ﷺ تک اور بعد بارہ سو پچاس ہجری تک یہ عقیدہ رائج تھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہر عیب اور برائی سے پاک ہے، و نیز یہ عقیدہ بھی متفقہ تھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ جھوٹ بولنے سے پاک اور منزہ ہے۔ امکان کذب اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے محال اور ناممکن ہے، لیکن علمائے دیوبند نے "خلف وعید" اور "ان اللہ علی کل

شی قدیر" سے غلط اور مضحکہ خیز استدلال کر کے امکان کذب باری تعالیٰ کا عقیدہ رائج کیا اور بے شمار لوگوں کو گمراہ اور بے دین بنایا۔

○ دیوبندی وہابی مکتبہ فکر کے ذمہ دار مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے لکھا ہے کہ

"امکان کذب کا مسئلہ تو اب جدید کسی نے نہیں نکالا، بلکہ قدماء میں اختلاف ہوا ہے کہ خلف وعید آیا جائز ہے کہ نہیں۔"

-----اور-----

"امکان کذب کہ خلف وعید کی فرع ہے۔"

("براہین قاطعہ" از مولوی خلیل احمد انبیٹھوی، مصدقہ: مولوی رشید احمد گنگوہی، کتب خانہ امدادیہ، دیوبند، ص۶-۷)

○ وہابی، دیوبندی اور تبلیغی جماعت کے امام ربانی مولوی رشید احمد گنگوہی نے لکھا ہے کہ

"امکان کذب بایں معنی کہ جو کچھ حق تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے، اس کے خلاف پر قادر ہے۔"

("فتاویٰ رشیدیہ" (کامل) از مولوی رشید احمد گنگوہی، ناشر مکتبہ تھانوی، دیوبند ص ۱۱۳)

○ وہابی، دیوبندی فرقہ کے امام الطائفہ مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنی کتاب میں یہاں تک لکھ دیا کہ

"اگر مراد از محال ممتنع لذاتہ است کہ تحت قدرت الٰہیہ داخل نیست، پس لا نسلم کہ کذب مذکور بہ معنی مسطور باشد چہ مقدمہ قضیہ غیر مطابقہ مواقع والقائے آں بر ملائکہ وانبیاء خارج از قدرت الٰہیہ نیست و آں لازم آید کہ قدرت انسانی زائد از قدرت ربانی باشد شد۔"

("یک روزہ" (فارسی) از مولوی اسمٰعیل دہلوی، ناشر فاروقی کتب خانہ، ملتان (پاکستان) ص۱۷)

○ مولوی رشید احمد گنگوہی نے ۱۳۰۴ھ میں اپنے دستخط اور مہر ثبت کر کے ایک

فتویٰ امکان کذب باری تعالیٰ کا مرتب کیا اور اسے شائع کیا۔

○ علاوہ ازیں دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین مولوی محمود الحسن دیوبندی نے اپنی کتاب "الجہد المقل" میں امکانِ کذب باری تعالیٰ کی تائید کی۔

الحاصل: اس نئے فتنہ نے ملت اسلامیہ میں ایک ہیجان پیدا کر دیا تھا کیونکہ اس نئے اور کفری عقیدے کو قرآن اور حدیث کے غلط مفہوم اور تاویلات کے ذریعہ صحیح ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی جارہی تھی۔ لوگ اس مقبوح عقیدے کو قبول کرنے کو تیار نہ تھے لیکن لوگوں کے پاس اس کے رد وابطال کے دلائل بھی تو نہ تھے۔

بالآخر جب امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان کی خدمت میں اس عقیدہ کے تعلق سے استفسار کیا گیا تو آپ نے ان کاذبین کے تمام ہفوات کا ایسا مفصل اور بلیغ رد فرمایا کہ وہ دم بخود رہ گئے۔

اس عنوان پر امام احمد رضا محدث بریلوی نے حسبِ ذیل تصانیف مرتب فرمائیں:

(۱) سُبْحٰنَ السُّبُّوْحِ عَنْ عَیْبِ کَذْبِ الْمَقْبُوْحِ۔ (۱۳۰۸ھ)

(۲) اخباریہ کی خبر گیری۔ (۱۳۰۷ھ)

(۳) دامان باغ سبحان السبوح۔ (۱۳۲۶ھ)

(۴) خدا کو کس نے پہچانا؟ (۱۳۰۹ھ)

(۵) اَلْقَمْعُ الْمُبِیْنِ لِاٰمَالِ الْمُکَذِّبِیْنَ۔ (۱۳۲۹ھ)

(۶) سُبْحَانَ الْقُدُّوْسِ عَنْ تَقْدِیْسِ نَجِسٍ مَنْکُوْسٍ۔ (۱۳۰۹ھ)

(۷) اَلسَّعْیُ الْمَشْکُوْرُ فِیْ اَبْدَاءِ الْحَقِّ الْمَهْجُوْرِ۔ (۱۲۹۰ھ)

(۴) فتنہ قادیانیت

مسئلہ ختم نبوت میں علمائے دیوبند کے نئے نظریات کو مشعل راہ بنا کر صوبہ پنجاب کے قادیان نامی مقام سے مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اپنی نبوت کا اعلان کرنے کے ساتھ ساتھ اس نے انبیاء کرام اور خصوصاً حضرت عیسیٰ روح اللہ (علیٰ

نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام) کی شان میں گستاخانہ جملے کہے، اپنا کلمہ پڑھایا، خود ساختہ شریعت بنائی، اور اسلام کو ضعیف و کمزور بنانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ لوگ اس کے دام فریب میں پھنس گئے اور نیا مذہب قادیانی اختیار کر کے ایمان کی دولت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

○ مرزا غلام احمد قادیانی کے کچھ کفریات حسبِ ذیل ہیں:

"میں احمد ہوں، جو آیت مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ میں مراد ہے۔"

("ایک غلطی کا ازالہ" از مرزا غلام احمد قادیانی ص ۶۷۳)

○ ایک کفری عبارت اس طرح لکھی کہ

"سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔"

("دافع البلاء" از مرزا غلام احمد قادیانی، مطبوعہ ریاض، ہند ص ۹)

○ ایک مزید کفر اس طرح لکھا کہ

"ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو، اس سے بہتر غلام احمد ہے۔"

("دافع البلاء" از مرزا غلام احمد قادیانی، مطبوعہ: ریاض ہند، ص ۱۷)

معاذ اللہ! حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے معجزات کو مرزا غلام احمد قادیانی نے مسمریزم قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ

"اگر میں اس قسم کے معجزات کو مکروہ نہ جانتا، تو ابن مریم سے کم نہ رہتا۔" ("ایک غلطی کا ازالہ" مرزا غلام احمد قادیانی، ص ۳۰۹)

اس قسم کے کئی نازیبا اور کفریات پر مشتمل جملے مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی متعدد کتابوں میں لکھے اور نیا فتنہ بنام "قادیانی مذہب" عام کیا۔ امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان نے مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے قادیانی مذہب کے رد میں حسبِ ذیل معرکتہ الآراء اور تاریخی کتابیں تصنیف فرمائیں:

(۱) اَلسُّوْءُ وَالْعِقَابُ عَلَی الْمَسِیْحِ الْکَذَّابِ۔ (۱۳۲۰ھ)

(۲) اَلصَّارِمُ الرَّبَّانِیْ عَلٰی اَسْرَافِ الْقَادِیَانِیْ۔ (۱۳۱۳ھ)

(۴) قَهْرُ الدَّيَّانِ عَلٰى مُرْتَدِّ بِقَادِيَانِ۔ (۱۳۲۳ھ)

(۵) نبی سے برابری کے دعوے کا فتنہ

فرق باطلہ ضالہ نجدیہ وہابیہ کے پیشواؤں نے اپنی رسوائے زمانہ کتابوں میں توحید کی آڑ میں انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی شان میں توہین و تنقیص کو اپنا مقصد اصلی بنا رکھا تھا۔ ان نفوس قدسیہ کے متعلق یہ رائے عام کرنے کی کوششیں کیں کہ معاذ اللہ انبیاء و اولیاء ہماری مثل تھے۔ ان کی بزرگی کی بنا پر وہ ہمارے بڑے بھائی کے مانند تھے اور ہم ان کے چھوٹے بھائی کے برابر ہیں، بلکہ دارالعلوم دیوبند کے بانی مولوی قاسم نانوتوی نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ امتی عمل میں نبی سے بڑھ جاتا ہے۔

○ مولوی قاسم نانوتوی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ

"انبیاء اپنی امت سے ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں، باقی رہا عمل، اس میں بسا اوقات امتی مساوی ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ جاتے ہیں۔" ("تحذیر الناس" از مولوی قاسم نانوتوی، مکتبہ فیض، دیوبند ص۵)

مولوی اسماعیل نے تو صراحتاً انبیاء کرام اور اولیاء عظام کو بڑے بھائی کے مانند کہا اور یہاں تک لکھ دیا کہ

"آپس میں سب بھائی ہیں۔ جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجئے اور مالک سب کا اللہ ہے، بندگی اسی کو چاہیے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولیاء، وانبیاء و امام زادہ، پیر و شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں، وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی، مگر ان کو اللہ نے بڑائی دی، وہ بڑے بھائی ہوئے۔"

("تقویۃ الایمان" از مولوی اسماعیل دہلوی، دارالسلفیہ بمبئی ص۹۹)

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان نے فرقۂ وہابیہ کے مذکورہ نظریات کا تعاقب فرمایا اور یہ ثابت کر دیا کہ کوئی بھی امتی چاہے وہ علم و عمل، تقویٰ اور

پرہیزگاری میں کتنا ہی بلند مرتبہ ہو، وہ کسی بھی نبی کے برابر نہیں ہو سکتا، خصوصاً محبوب رب العالمین، رحمتہ اللعالمین تاجدار مدینہ ﷺ کے رتبہ اور درجہ تک تو کوئی نبی یا رسول بھی نہیں پہنچ سکتا۔

اس عنوان پر امام احمد رضا محدث بریلوی نے حسبِ ذیل کتابیں تصنیف فرمائیں:

(۱) تَجَلِّی الْیَقِیْنِ بِاَنَّ نَبِیَّنَا سَیِّدُ الْمُرْسَلِیْنَ۔ (۱۳۰۵ھ)
(۲) مُبِیْنِ الْهُدٰی فِیْ نَفْیِ اِمْکَانِ مِثْلِ الْمُصْطَفٰی۔ (۱۳۲۴ھ)
(۳) تَلَأْلُؤُ الْاَفْلَاکِ بِجَلَالِ حَدِیْثِ لَوْلَاکَ۔ (۱۳۰۵ھ)

(۶) فتنہ عدم اعتقاد اختیاراتِ انبیاء

فرقہ وہابیہ کہ جس کا واحد مقصد انبیاء کرام و اولیاء عظام کی شان میں توہین و تنقیص کرنا اور ملت اسلامیہ کا انبیاء و اولیاء کے ساتھ جو رشتہ عقیدت و محبت ہے، اس کو منقطع کرنا۔ اپنے اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے توحید کا پرچم بلند کیا اور قرآن مجید میں اصنام (بتوں) کی مذمت میں جو آیات نازل ہوئی تھیں، ان کو انبیاء کرام اور اولیاء عظام پر چسپاں کیا۔ احادیث کے مفہوم کو توڑ مروڑ کر اپنے مقصد کی موافقت اور تائید میں بیان کیا اور عوام مسلمین کو یہ ذہن دینے کی کوشش کی کہ ان مقبولانِ بارگاہ خداوندی سے علاقہ عقیدت و رشتہ محبت منقطع کر کے صرف خدائے تعالیٰ سے ہی تعلق رکھا جائے۔ اس نظریہ کی تشہیر میں فرقہ وہابیہ نے زہریلے الفاظ پر مشتمل جملے لکھ کر بزرگان دین اور مقبولان بارگاہ خداوندی کی جو توہین و تنقیص کی ہے اس کا اندازہ علمائے دیوبند کی کتابوں کے مندرجہ ذیل اقتباسات سے ہو جائے گا۔ دیوبندی مکتبہ فکر کے اکابر و اصاغر سب نے اس مضمون میں ملت اسلامیہ کے اعتقاد کو شدید ٹھیس پہنچائی ہے۔

○ فرقہ وہابیہ کے امام مولوی اسماعیل دہلوی نے لکھا ہے کہ

"اور یہ یقین جان لینا چاہیے کہ ہر مخلوق بڑی ہو یا چھوٹی، وہ اللہ کی

شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔"

("تقویۃ الایمان" از مولوی اسماعیل دہلوی، دارالسلفیہ، بمبئی ص ۳۰)

مولوی اسماعیل دہلوی نے ایک اور مقام پر بالکل وضاحت کرتے ہوئے صاف صاف یہاں تک لکھا کہ

"اور جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں، سو ایسا شخص جس کا نام محمد یا علی ہو اور اس کے اختیار میں دنیا کے سب کاروبار ہوں، ایسا حقیقت میں کوئی شخص نہیں بلکہ محض اپنا خیال ہے۔"

("تقویۃ الایمان" از مولوی اسماعیل دہلوی، دارالسلفیہ، بمبئی ص ۷۰)

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان نے فرقہ وہابیہ کا تعاقب کرتے ہوئے دندان شکن جواب مرتب فرمائے۔ فضائل اقدس ﷺ کے تعلق سے قرآن شریف اور احادیث کی روشنی میں علم کے دریا بہائے۔ قرآن و حدیث کا صحیح مفہوم اخذ فرما کر اس مفہوم کو علمائے مجتہدین و متقدمین و متاخرین کی کتب معتبرہ و معتمدہ کی سندوں کے ساتھ آپ نے ضخیم ایمانی دستاویز کی شکل میں کثیر صفحات پر مشتمل جو کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، ان کتابوں کے ہر ہر لفظ سے عشق رسول ﷺ ٹپکتا نظر آتا ہے۔ جس کا صحیح اندازہ ان تصانیف کے مطالعہ سے ہوگا۔

اس عنوان پر امام احمد رضا نے جو تاریخی کتب لکھ کر ملت اسلامیہ کے قلوب کو نور ایمان کی ضیاء بخشی، وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) سَلْطَنَتُ مُصْطَفٰی فِیْ مَلَکُوْتِ کُلِّ الْوَرٰی۔ (۱۲۹۷ھ)

(۲) اَلْاَمْنُ وَالْعُلٰی لِنَاعِتِی الْمُصْطَفٰی بِدَافِعِ الْبَلَاءِ۔ (۱۳۱۱ھ)

(۳) اِجْلَالُ جِبْرَئِیْلَ بِجَعْلِہٖ خَادِمًا لِّلْمَحْبُوْبِ الْجَلِیْلِ۔ (۱۲۹۸ھ)

(۴) اَلْعُرُوْسُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فِیْمَا لِنَبِیِّنَا مِنَ الْاَسْمَاءِ الْحُسْنٰی۔ (۱۳۰۶ھ)

(۵) مُنْیَۃُ اللَّبِیْبِ اَنَّ التَّشْرِیْعَ بِیَدِ الْحَبِیْبِ۔ (۱۳۱۱ھ)

(۶) فِقْہُ الشَّہْنَشَاہ وَاَنَّ الْقُلُوْبَ بِیَدِ الْمَحْبُوْبِ بِعَطَاءِ اللّٰہِ۔

(۱۳۲۶ھ)
(۷) اَلْبَحْثُ الْغَاحِصُ عَنْ طَرِیْقِ اَحَادِیْثِ الْخَصَائِصِ - (۱۳۰۵ھ)

(۷) فتنہ اعتقاد شرک درباب استعانت وندا واستغاثہ

فرقۂ نجدیہ وہابیہ نے تنقیص انبیاء و اولیاء کے تعلق سے عقائد فاسدہ باطلہ ضالہ مضلہ کی تشہیر کے ساتھ ساتھ انبیاء و اولیاء کے ساتھ والہانہ عقیدت و محبت رکھنے والے مومنین پر طلب استعانت، نداء اور استغاثہ کی بناء پر شرک کے فتووں کی بھرمار شروع کر دی۔ ابتداء اسلام سے جو اعتقاد جائز، مستحب، مندوب اور مشروع تھے اور صدیوں سے جن کا ارتکاب صالحین امت اور علمائے امت کرتے آئے، ان تمام افعال مستحسنہ کو فرقۂ وہابیہ نے شرک ٹھہرا دیا۔ مثلاً:

○ امام الوہابیہ مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب میں لکھا ہے کہ

"دوسری بات یہ ہے کہ عالم میں ارادہ سے تصرف کرنا اور اپنا حکم جاری کرنا اور اپنی خواہش سے مارنا، جلانا، روزی کی فراخی اور تنگی کرنا، اور تندرست اور بیمار کر دینا، فتح و شکست دینا، اقبال و امداد دینا، مرادیں پوری کرنا، حاجتیں بر لانا، بلائیں ٹالنا، مصیبت میں دستگیری کرنا، بُرے وقت میں پہنچنا، یہ سب اللہ ہی کی شان ہے اور کسی نبی اور ولی، پیر و شہید، بھوت و پری کی یہ شان نہیں۔ جو شخص کسی کا کوئی ایسا تصرف ثابت کرے اور اس سے مراد مانگے اور اسی توقع پر اس کی نذر و نیاز کرے اور اس کی منتیں مانے اور اس کو مصیبت کے وقت پکارے، وہ مشرک ہو جاتا ہے۔"

("تقویۃ الایمان از مولوی اسماعیل دہلوی، دار السلفیہ، بمبئی ص ۲۳)

○ فرقۂ وہابیہ کے امام ربانی مولوی رشید احمد گنگوہی نے لکھا ہے کہ

"جب انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو علم غیب نہیں تو یا رسول اللہ کہنا بھی ناجائز ہوگا۔ اگر یہ عقیدہ کر کے کہے کہ وہ دور سے سنتے ہیں، بسبب علم

غیب کے تو خود کفر ہے۔"

("فتاویٰ رشیدیہ" از مولوی رشید احمد گنگوہی، مکتبہ تھانوی، دیوبند ص ۶۲)

○ انبیاء و اولیاء کی جناب میں ندا اور استغاثہ کرنا جو عامتہ المسلمین اور خاصتہ المومنین کا معمول تھا۔ اس کو علماء دیوبند نے شرک کا فتویٰ دے کر قلم کے ایک جھٹکے سے لاکھوں نہیں، بلکہ کروڑوں مسلمانوں کو کافر اور مشرک بناڈالا۔

○ وہابی، دیوبندی اور تبلیغی جماعت کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب "بہشتی زیور" میں شرک اور کفر کی باتوں کا بیان" عنوان کے تحت لکھا ہے کہ

"کسی کو دور سے پکارنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ اس کو خبر ہو گئی۔"

("بہشتی زیور" از مولوی اشرف علی تھانوی، ربانی بک ڈپو، دہلی، حصہ اول ص ۳۴)

دیوبندی مکتبہ فکر کے متعدد مصنفین کی کتابوں سے ایسی عبارتیں دستیاب ہیں جن کا صاف اور صریح مفہوم یہ ہے کہ یارسول اللہ، یا علی، یا غوث، یا خواجہ وغیرہ کہنے والا شخص کافر اور مشرک اور اسلام سے خارج ہے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان نے اس مسئلہ پر بہت پختہ تحریر فرمایا ہے اور دلائل قاہرہ سے ثابت کر دیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنا جائز، بلکہ عین اسلامی عقیدہ ہے۔ آپ نے اپنے دعویٰ کی دلیل میں قرآن، حدیث، قول و فعل، حضرات صحابہ کرام، اور ملت اسلامیہ کے مایہ ناز بزرگان دین کے اقوال و افعال کو مستند اور معتبر کتابوں کے حوالوں سے نقل کر کے جو علمی بحث کی ہے، وہ ایسی جامع، مانع اور نافع ہے کہ اس کو بار بار پڑھنے کی خواہش ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا عنوان پر امام احمد رضا بریلوی کی مندرجہ ذیل تصانیف واقعی قابلِ دید و مطالعہ ہیں:

(۱) اَنْوَارُ الْاِنْتِبَاهِ فِیْ حِلِّ نِدَاءِ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ۔ (۱۳۰۴ھ)

(۲) بَرَکَاتُ الْاِمْدَادِ لِاَهْلِ الْاِسْتِمْدَادِ۔ (۱۳۱۱ھ)

(۳) اَلْاِهْلَالُ بِفَیْضِ الْاَوْلِیَاءِ بَعْدَ الْوِصَالِ۔ (۱۳۰۳ھ)

(۸) فتنہ تنازعہ وعدم جواز میلاد و قیام

میلاد شریف، مولود شریف، نعت خوانی یا صلاۃ و سلام در قیام، یہ تمام امور محبت رسول کے جذبے کے تحت ملت اسلامیہ میں ابتدائے اسلام سے بڑے ہی ادب و احترام و اہتمام کے ساتھ کیے جاتے ہیں۔ محفل نعت خوانی یا مجلس میلاد شریف میں میلاد خواں حضرات ایک والہانہ کیفیت سے عظمت مصطفیٰ ﷺ کے اشعار پڑھتے ہیں۔ زمانہ اقدس ﷺ میں حضرت حسان بن ثابت، حضرت عبداللہ بن رواحہ وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سرکار کائنات ﷺ کے مناقب نعتیہ اشعار کی شکل میں پڑھ کر بیان کیے تھے اور ان عاشقانِ صادق کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہر دور میں بزرگان دین نے اس کا بڑے ادب کے ساتھ اہتمام کیا بلکہ التزام کیا اور اپنے مریدین، معتقدین اور متوسلین کو اس کے دوام کی تلقین فرمائی۔ ذکر رسول ﷺ کا یہ طریقہ اولیاء، صوفیاء، علماء حق، سلف صالحین وغیرہ نے بخوشی اپنایا، بلکہ محمود رکھا اور رائج کیا۔

لیکن جب سے ہندوستان میں فرقۂ نجدیہ وہابیہ کی آمد ہوئی ہے، تب سے اس مبارک و نیک شغل کو بند کرانے کے لیے نئے نئے طریقے اپنائے جارہے ہیں۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے محفل میلاد میں شریک ہونے والا ہر شخص عظمت و رفعت رسول اعظم ﷺ کے بیان میں پڑھا جانے والا کلام سن کر محبت رسول اور عظمت رسول میں اپنا اعتقاد پختہ کر لیتا ہے لیکن فرقۂ نجدیہ وہابیہ کو تعظیم رسول سے اتنی عداوت اور چڑ ہے کہ محبت رسول کے جذبے کے تحت کیے جانے والے ہر جائز اور مستحب کام کو بھی ناجائز، بدعت، حرام، کفر اور شرک قرار دیتے ہیں۔

آیئے! محفل میلاد اور مولود شریف کے مجلس کے تعلق سے دیوبندی مکتبہ فکر کے اکابر علماء اور پیشواؤں کے اعتقاد و نظریات کا ایک سرسری جائزہ لیں۔

○ فرقۂ وہابیہ کے امام ربانی مولوی رشید احمد گنگوہی نے مولود شریف کے تعلق سے لکھا ہے کہ

"مسئلہ: انعقاد مجلس میلاد و بدون قیام بروایات صحیح درست ہے یا نہیں؟

جواب: انعقاد مجلس مولود ہر حال میں ناجائز ہے۔"

("فتاویٰ رشیدیہ" (کامل) از مولوی رشید احمد گنگوہی، مکتبہ تھانوی، دیوبند ص ۱۳۰)

○ مولوی رشید احمد گنگوہی کا ایک اور فتویٰ ملاحظہ ہو:

"سوال: محفل میلاد میں جس میں روایات صحیحہ پڑھی جاویں اور لاف و گزاف اور روایات موضوعہ اور کاذبہ نہ ہوں، شریک ہونا کیسا ہے؟

ناجائز ہے، بسبب اور وجوہ کے۔

("فتاویٰ رشیدیہ" (کامل) از مولوی رشید احمد گنگوہی، مکتبہ تھانوی، دیوبند ص ۱۳۱)

○ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے اپنی کتاب "براہین قاطعہ" میں جس کی تصدیق مولوی رشید احمد گنگوہی نے کی ہے، میلاد و صلاۃ و سلام پڑھنے کو معاذ اللہ کنہیا کی سانگ منانے سے تشبیہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ

"پس یہ ہر روز اعادہ ولادت کا تو مثل ہنود کے کہ سانگ کنہیا کی ولادت کا ہر سال کرتے ہیں یا مثل روافض کے کہ نقل شہادت اہلِ بیت ہر سال مناتے ہیں۔ معاذ اللہ سانگ آپ کی ولادت کا ٹھہرا اور خود یہ حرکت قبیحہ قابلِ لوم و حرام و فسق ہے۔"

("براہین قاطعہ" از مولوی خلیل احمد انبیٹھوی، کتب خانہ امدادیہ، دیوبند ص ۱۵۲)

○ وہابی تبلیغی جماعت کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی نے محفل میلاد شریف میں صلاۃ و سلام کے متعلق لکھا ہے کہ

"بعض تو یوں سمجھتے ہیں کہ پیغمبر ﷺ اس محفل میں تشریف لائے ہیں اور اسی واسطے بیچ میں پیدائش کے بیان کے وقت کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس بات پر شرع میں کوئی دلیل نہیں، اور جو بات شرع میں ثابت نہ ہو، اس کا یقین کرنا گناہ ہے۔"

("بہشتی زیور" از مولوی اشرف علی تھانوی، ربانی بک ڈپو دہلی، حصہ ۶ ص ۳۸۴)

قارئین! غور فرمائیں کہ اکابر علمائے دیوبند کو ذکر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کتنی نفرت وعداوت ہے۔ ذکر نبی کی محفل کو کنہیا کا جنم منانے سے تشبیہ دی، محفل مولود کو ناجائز اور حرام کہا، محفل میلاد میں شریک ہونے کو گناہ کہا، بلکہ صحیح روایات کے ساتھ پڑھی جانے والی میلاد شریف کی محفل کو ہر حال میں ناجائز کہا۔

اپنے آقاء و مولیٰ شہنشاہ کونین ﷺ کا ذکر پاک روکنے والے شاطر فرقہ کے اکابر علماء کی یہ حرکتیں امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان کے لیے ناقابلِ برداشت تھیں۔ جذبہ ایمان اور جوش الفت نبی نے انہیں قلم کو حرکت میں لانے کی ترغیب دی۔ آپ نے منکرین میلاد کے خیالات فاسدہ اور عقائد باطلہ کا رد بلیغ فرما کر، میلاد و قیام کے جواز کے ثبوت میں متعدد کتب تصنیف فرمائیں جن میں سے چند حسبِ ذیل ہیں:

(۱) اِقَامَةُ الْقِيَامَةِ عَلٰی طَاعِنِ الْقِيَامِ لِنَبِيِّ التِّهَامَةِ۔ (۱۲۹۹ھ)

(۲) اَلْجَزَاءُ الْمُهَيَّا لِغِلْمَةِ كَنْهَيَا۔ (۱۳۲۰ھ)

(۳) اَلنَّعِيْمُ الْمُقِيْمُ فِيْ فَرْحَةِ مَوْلِدِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ۔ (۱۲۹۹ھ)

(۴) اِشَاعَةُ الْكَلَامِ فِيْ حَوَاشِيْ اِذَاقَةِ الْاَثَامِ۔ (۱۳۱۱ھ)

(۵) اَلْمِيْلَادُ النَّبَوِيَّةُ فِيْ اَلْفَاظِ الرَّضَوِيَّةِ۔ (۱۳۱۵ھ)

(۶) اَلْمَوْهِبَةُ الْجَدِيْدَةُ فِيْ وُجُوْدِ الْحَبِيْبِ بِمَوَاضِعَ عَدِيْدَةٍ۔ (۱۳۲۰ھ)

(۷) اَلنَّذِيْرُ الْهَائِلُ لِكُلِّ جَلْفٍ جَاهِلٍ۔ (۱۳۰۳ھ)

(۹) فتنہ نفاذ شرک فی الاسماء

توحید، توحید اور صرف توحید کا نام نہاد پرچم بلند کر کے فرقۂ نجدیہ وہابیہ نے ملت اسلامیہ کا رشتہ انبیاء و اولیاء سے منقطع کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ یہاں تک کہ تقاضائے عقیدت و محبت کے تحت، حصولِ برکت و فیض کے لیے بزرگانِ دین سے

منسوب ناموں پر بھی کفر اور شرک کے فتوے تھوپ دیئے۔ حقیقی اور مجازی فرق سے عناداً اور قصداً قطع نظر کر کے تشدد سے کام لیا، حالانکہ ان ناموں کے جواز کا ثبوت قرآن و حدیث میں موجود ہونے کے باوجود بھی متعصب رویہ اپنا کر ضد، ہٹ دھرمی اور تنگ نظری سے کام لیا اور ایک نیا فتنہ نام کے نام پر ایجاد کیا۔

عبدالنبی، عبدالرسول، عبدالمصطفیٰ، نبی بخش، علی بخش، مدار بخش، غلام حسین، غلام معین الدین، غلام محی الدین وغیرہ نام رکھنا ملت اسلامیہ میں صدیوں سے رائج تھا۔ ملت اسلامیہ کے افراد اپنی اولاد کے نام حصولِ برکت، اخذ فیض اور اظہار عقیدت کی نیت سے بزرگانِ دین سے منسوب کرتے تھے، لیکن انبیاء و اولیاء کی عظمت سے بغض و عناد رکھنے والوں کے لیے یہ بات ناقابلِ برداشت تھی کہ لوگ ان معظمانِ دین کے ساتھ منسوب کر کے نام رکھیں۔ بزرگانِ دین کی عظمت سے کدورت رکھنے والوں نے توحید کی آڑلی اور مجازی اضافت کو حقیقت پر محمول کر کے، اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے شرک کے فتاویٰ کی مشین گن چلائی۔

مثلاً:

○ امام الوہابیہ مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب "تقویۃ الایمان" میں "شرک کی مختلف شکلیں" عنوان کے تحت لکھا ہے کہ

"اکثر لوگ پیروں کو اور پیغمبروں، اماموں اور شہیدوں کو اور فرشتوں اور پریوں کو مشکل کے وقت پکارتے ہیں اور ان سے مرادیں مانگتے ہیں اور ان کی منتیں مانتے ہیں اور حاجت برآری کے لیے ان کی نذر و نیاز کرتے ہیں اور بلا کے ٹلنے کے لیے اپنے بیٹوں کی ان کی طرف نسبت کرتے ہیں کوئی اپنے بیٹے کا نام عبدالنبی رکھتا ہے، کوئی نبی بخش، کوئی پیر بخش، کوئی مدار بخش، کوئی سالار بخش، کوئی غلام محی الدین۔"

("تقویۃ الایمان" از مولوی اسماعیل دہلوی، دار السلفیہ بمبئی ص ۱۶)

○ وہابی تبلیغی جماعت کے پیشوا اور مقتداء مولوی رشید احمد گنگوہی نے فتویٰ دیا ہے کہ

"سوال: نبی بخش، پیر بخش، سالار بخش، مدار بخش، ایسے ناموں کا رکھنا کیسا ہے؟

جواب: ایسے نام موہم شرک ہیں، ان کو بدلنا چاہیے۔"

(فتاویٰ رشیدیہ از مولوی رشید احمد گنگوہی، مکتبہ تھانوی، دیوبند ص ۶۹)

○ مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب "بہشتی زیور" میں "شرک اور کفر کی باتوں کا بیان" کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ

"علی بخش، حسین بخش، عبدالنبی وغیرہ نام رکھنا۔"

("بہشتی زیور" از مولوی اشرف علی تھانوی، ربانی بک ڈپو حصہ اص ۳۵)

حیرت اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ مذکورہ بالا کتابوں کے حوالوں سے ابتدائے اسلام سے اب تک اور اب سے لے کر قیامت تک جتنے اشخاص کے نام عبدالنبی، غلام محی الدین، غلام معین الدین، علی بخش، نبی بخش، سالار بخش، مدار بخش وغیرہ تھا، ہے اور ہوگا وہ تمام اشخاص اور ان کے ساتھ ساتھ ان اشخاص کے یہ نام رکھنے والے ان کے آباء واجداد بھی کافر اور مشرک تھے، ہیں اور رہوں گے۔ ذرا اندازہ تو کیجیے کہ یک لخت لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ کا کلمہ پڑھنے والے مسلمانوں کو صرف نام رکھنے کی وجہ سے کافر اور مشرک کہہ دیا۔ اب آپ سوچیے اور آپ ہی فیصلہ کیجیے کہ کفر کا فتویٰ دینے میں علماء دیوبند کتنے بے باک اور بے لگام ہیں۔

حد تو یہ ہے کہ انبیاء کرام و اولیاء عظام کی عداوت میں ہوش و حواس کے فقدان کا مظاہرہ کرتے ہوئے علمائے دیوبند نے اپنے باپ، دادوں کو بھی نہیں بخشا۔ ان کے فتویٰ کے تیروں سے دیوبندی مکتبہ فکر کے پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی قاسم نانوتوی کے آباء و اجداد بھی شدید زخمی ہو گئے اور ان کا شمار بھی ان کے ہی فتووں کی بناء پر مشرکوں میں ہو گیا۔

قارئین کے اطمینان کے لیے دیوبندی مکتبہ فکر کی مستند کتابوں کے اقتباسات پیش خدمت ہیں:

○ مولوی رشید احمد کی سوانح حیات میں ان کا شجرہ نسب اس طرح لکھا ہوا ہے:

"باپ کی جانب سے خاندانی سلسلہ جس کو حضرت نے خود بیان فرمایا تھا اس طرح ہے (۱) مولانا رشید احمد ابن (۲) مولانا ہدایت احمد صاحب ابن (۳) قاضی پیر بخش۔"

آگے لکھا ہے کہ

"اور ماں کی جانب سے سلسلہ نسب: (۱) مولانا رشید احمد صاحب ابن (۲) مسمات کریم النساء بنت (۳) فرید بخش۔"

("تذکرۃ الرشید" مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، مکتبہ خلیلیہ، سہارنپور (یوپی) ج ۱ ص ۱۳)

○ دارالعلوم دیوبند کے بانی مولوی قاسم نانوتوی کا سلسلہ نسب اس طرح ہے:

"سوانح قدیم کے مصنف امام نے مولانا مرحوم کے شجرۂ نسب کو درج کرتے ہوئے لکھا ہے (۱) محمد قاسم ابن (۲) اسد علی ابن (۳) غلام شاہ ابن (۴) محمد بخش۔"

(سوانح قاسمی" از مولوی مناظر احسن گیلانی، دارالعلوم دیوبند (یو۔پی) ج ۱ ص ۱۱۳)

مندرجہ بالا دونوں اقتباسات سے یہ ثابت ہوا کہ

○ مولوی رشید احمد گنگوہی کے دادا کا نام "پیر بخش" تھا۔

○ مولوی رشید احمد گنگوہی کے نانا کا نام "فرید بخش" تھا۔

○ مولوی قاسم نانوتوی کے پردادا کا نام "محمد بخش" تھا۔

ستم ظریفی دیکھئے، جوش کافرو مشرک گری سے بے قابو ہو کر باپ دادا کو کافرو مشرک قرار دینے سے بھی نہیں چوکتے ۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

خیر! اب ہم حقیقت کا جائزہ لیں۔ جن ناموں کو علمائے دیوبند نے شرک اور کفر میں شمار کیا اور ملت اسلامیہ کے ایک بڑے حصے کو کافر و مشرک کہا لیکن ان کے فتاویٰ شرعی برہان و دلائل سے بالکل کورے تھے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے جب اس مسئلہ پر قلم اٹھایا تو قرآن، حدیث، قول و فعل صحابہ کرام و

اولیاء عظام و نیز کتب معتبرہ و معتمدہ سے دلائل اخذ فرما کر محبت انبیاء و اولیاء سے لبریز علم و عرفان کے دریا بہا دیئے۔ اہلِ ایمان کے قلوب کو منور اور گستاخوں کو مبہوت و ساکت کر دیا۔

اس عنوان پر امام احمد رضا کی متعدد تصانیف ہیں لیکن میری ناقص معلومات حسبِ ذیل تصانیف تک ہی محدود ہیں۔

(۱) بَدْلُ الصَّفَا بِعَبْدِ الْمُصْطَفٰی۔(۱۳۰۰ھ)
(۲) اَلنُّوْرُ وَالضِّیَآءُ فِیْ اَحْکَامِ بَعْضِ الْاَسْمَاءِ۔(۱۳۲۰ھ)
(۳) بَابُ غُلَامِ مُصْطَفٰی۔(۱۳۰۵ھ)
(۴) اَلْعُرُوْسُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فِیْ مَا لِنَبِیِّنَا مِنَ الْاَسْمَاءِ الْحُسْنٰی۔(۱۳۰۶ھ)
(۵) اَلْحِلْیَۃُ الْاَسْمَاءُ لِحُکْمِ بَعْضِ الْاَسْمَاءِ۔(۱۳۶۰ھ)

(۱۰) فتنہ انکار سماع موتی

علمائے دیوبند نے انبیاء و اولیاء سے ملت اسلامیہ کا رشتہ عقیدت منقطع کرنے کے لیے ایک نیا فتنہ یہ ایجاد کیا کہ انبیاء و اولیاء مر کر مٹی میں مل گئے۔ وہ اپنی قبروں میں عام انسانوں کی طرح مدفون ہیں۔ ان کو پکارنا بے سود ہے، بلکہ ان کے لیے یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ اپنی قبر سے دور اور نزدیک کی بات سن سکتے ہیں، معاذ اللہ شرک ہے۔

قارئین کی خدمت میں علماء دیوبند کے اکابر کی کتابوں کے چند اقتباسات پیش ہیں:

○ امام الوہابیہ مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب تقویۃ الایمان میں لکھا ہے کہ

"جو لوگ اگلے بزرگوں کو دور دور سے پکارتے ہیں اور اتنا ہی کہتے ہیں کہ یا حضرت تم اللہ کی جناب میں دعا کرو کہ وہ اپنی قدرت سے ہماری حاجت

پوری کر دے اور پھر یوں سمجھتے ہیں کہ ہم نے کوئی شرک نہیں کیا۔ اس واسطے کہ ان سے حاجت نہیں مانگی بلکہ دعا کروائی ہے' یہ بات غلط ہے اس لیے کہ اس کے مانگنے کی راہ سے شرک ثابت نہیں ہوتا' لیکن پکارنے کی راہ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ ان کو ایسا سمجھا کہ دُور اور نزدیک سے برابر سن لیتے ہیں۔"

("تقویۃ الایمان" از مولوی اسماعیل دہلوی' دارالسلفیہ ' بمبئی' فصل ۲' ص ۴۴)

فرقہ وہابیہ کے امام ربانی مولوی رشید احمد گنگوہی نے فتویٰ دیا کہ

"قبور سے اس طور دعا کرنا کہ اے صاحبِ قبر میرا کام کر دے' تو یہ حرام اور شرک بالاتفاق ہے۔"

("فتاویٰ رشیدیہ" از مولوی رشید احمد گنگوہی' مکتبہ تھانوی دیوبند' ص ۱۱۱)

سماع موتی کے مسئلہ میں علماء دیوبند بھی آپس میں متفق نہیں تھے۔ ایک صورت کو کسی نے شرک لکھا' تو کسی نے حرام لکھا تو کسی نے اس کو مختلف فیہ لکھا لیکن سب کا حاصل مقصد یہی تھا کہ اہلِ قبور چاہے وہ انبیاء ہوں' اولیاء ہوں یا عامۃ المسلمین' ان کے سننے کا اور ادراک کا انکار کیا جائے اور ایسی باتیں کہی اور لکھی جائیں کہ ملت اسلامیہ اہلِ قبور سے اپنا رشتہ عقیدت و محبت منقطع کر دے۔

○ مولوی رشید احمد گنگوہی کا ایک اور فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

"سوال: میت قبر میں سنتی ہے یا نہیں؟

جواب: اموات کے سننے میں علماء کا اختلاف ہے' بعض کے نزدیک سنتی ہیں' بعض کے نزدیک نہیں سنتیں۔"

("فتاویٰ رشیدیہ" از مولوی رشید احمد گنگوہی' مکتبہ تھانوی' دیوبند ص ۱۰۸)

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان نے علمائے دیوبند کے سماع موتی کے تعلق سے خیالاتِ فاسدہ کا تعاقب فرمایا اور ان کے ہفوات کی دھجیاں اُڑا دیں۔ قرآن' حدیث اور ائمہ دین کے اقوال پر مشتمل دلائل قاہرہ کا انبار لگا دیا اور ثابت کر دیا کہ اموات کا سننا حق ہے' بلکہ بعد انتقال ادراک سماع بڑھ جاتا ہے۔ اس عنوان پر امام

احمد رضا محدث بریلوی کی حسبِ ذیل کتابیں معلومات کا خزانہ حاصل کرنے کے لیے مطالعہ کرنا ضروری ہے:

(۱) حَیَاتُ الْمَوَاتِ فِیْ بَیَانِ سَمَاعِ الْاَمْوَاتِ۔ (۱۳۰۵ھ)

(۲) اَلْوِفَاقُ الْمَتِیْنُ بَیْنَ سَمَاعِ الدَّفِیْنِ وَجَوَابُ الْیَمِیْنِ۔ (۱۳۱۶ھ)

(۳) مُرْتَجِیْ الْاَجَابَاتِ لِدُعَاءِ الْاَمْوَاتِ۔ (۱۲۹۶ھ)

(۴) اَلْاِهْلَالُ بِفَیْضِ الْاَوْلِیَاءِ بَعْدَ الْوِصَالِ۔ (۱۳۰۳ھ)

(۱۱) تنازعہ در سایہ نبی

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم ﷺ کو بے مثل پیدا فرمایا، یہاں تک کہ اپنے محبوب کا سایہ بھی نہ بنایا، حضور اقدس سرکار کائنات ﷺ کے بے شمار معجزات اور خصائص میں یہ بھی ہے کہ آپ کے جسم اقدس کا سایہ نہ تھا۔ جسم اقدس کا سایہ نہ ہونے کے ثبوت میں کتب احادیث، کتب ائمہ متقدمین اور متاخرین دلائل و شواہد سے مالا مال ہیں، لیکن عظمت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے باغیوں نے اس بات کا انکار کیا کیونکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام انبیاء ہماری مثل تھے۔ نبی کو عام انسان پر قیاس کرتے ہیں، جیسا کہ پچھلے صفحات میں آپ نے پڑھا۔ عام انسان کے جسم کا سایہ یقینی طور پر ہوتا ہے، اور نبی سے ہمسری کا دعویٰ کرنے والوں نے سرکار کائنات ﷺ کے جسم اقدس کے بے سایہ ہونے کا انکار کیا، یہاں تک کہ جب علمائے دیوبند کے سامنے ایسی روایات حدیث پیش کی گئیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے جسم اقدس کا سایہ نہ تھا تو علمائے دیوبند نے ان روایات کا انکار کرنے کے ساتھ ہی اپنی جہالت کا اقرار بھی کیا مثلاً

○ مولوی رشید احمد گنگوہی کا ایک فتویٰ ملاحظہ ہو:

"سوال: سایہ مبارک رسول اللہ ﷺ کا پڑتا تھا یا نہیں اور جو ترمذی نے نوادر الاصول میں عبدالملک بن عبداللہ بن وحید سے، انہوں نے ذکوان

سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہیں پڑتا تھا۔ سند اس حدیث کی صحیح ہے یا ضعیف یا موضوع ارقام فرمادیں۔

جواب: یہ روایت کتب صحاح میں نہیں اور نوادر کی روایت کا بندہ کو حال معلوم نہیں کہ کیسی ہے۔ نوادر الاصول حکیم ترمذی کی ہے نہ ابو عیسیٰ ترمذی کی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔"

("فتاویٰ رشیدیہ" از مولوی رشید احمد گنگوہی، مکتبہ تھانوی، دیوبند ص۱۸۶)

علاوہ ازیں دیوبندی مکتبہ فکر کے اصاغر علماء نے اپنی تقریروں اور تحریروں سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی کہ جسم اقدس ﷺ کا سایہ تھا لیکن امام احمد رضا محدث بریلوی نے علمائے دیوبند کے اس فاسد نظریہ کا ایسا بلیغ رد فرمایا کہ وہ دم بخود رہ گئے۔

"جسم اقدس ﷺ کا سایہ نہ تھا" اس عنوان پر امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے کل تین کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، ان کتب کو منظر عام پر آئے تقریباً ایک سو بیس (۱۲۰) سال کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن دیوبندی مکتبہ فکر کے علماء جواب دینے سے آج تک عاجز اور قاصر رہے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک عاجز ہی رہیں گے۔

جسم اقدس ﷺ کا سایہ نہ ہونے کے ثبوت میں امام احمد رضا محدث بریلوی کی تصانیف کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) نَفْیُ الْفَیْئِ عَمَّنْ بِنُوْرِہٖ اَنَارَ کُلَّ شَیْئٍ۔ (۱۲۹۶ھ)
(۲) هُدَی الْحَیْرَانِ فِیْ نَفْیِ الظِّلِّ عَنْ سَیِّدِ الْاَکْوَانِ۔ (۱۲۹۹ھ)
(۳) قَمَرُ التَّمَامِ فِیْ نَفْیِ الظِّلِّ عَنْ سَیِّدِ الْاَنَامِ۔ (۱۲۹۶ھ)

(۱۲) فتنہ غیر مقلدیت

پوری ملت اسلامیہ اس بات پر متفق ہے کہ تقلید ضروری بلکہ واجب ہے لہٰذا ملت اسلامیہ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی ان چار مسلکوں میں منقسم ہے۔ ائمہ مجتہدین نے قرآن و حدیث سے اجتہاد و استنباط کر کے فقہی مسائل متعین کر دیئے اور ایک ہزار

سال سے بھی زائد عرصہ سے ملت اسلامیہ کے تمام افراد تقلید کے قائل ہیں لیکن ایک نیا فرقہ پیدا ہوا جو اپنے آپ کو "اہلحدیث" کہتا ہے اور تقلید کا انکار کرتا ہے۔ اس فرقہ کا کہنا ہے کہ ہم کو کسی امام کی تقلید کرنے کی اس لیے ضرورت نہیں ہے کہ انہوں نے قرآن و حدیث سے ہی تو مسائل استنباط کیے ہیں، یہ کام تو ہم بھی کرسکتے ہیں۔ قرآن و حدیث کیا صرف ائمہ اربعہ ہی سمجھ سکتے تھے؟ کیا ہم میں یہ صلاحیت نہیں؟ ارے قرآن و حدیث سے تو ہر شخص مسئلہ کا استنباط کرسکتا ہے، ہمیں کیا ضرورت ہے کسی کی تقلید کرنے کی۔ بس اسی زعم باطل نے ان کو تقلید کا باغی بنادیا اور انہوں نے فہم و صلاحیت اور علم و عرفان کا فقدان ہونے کے باوجود اپنی عقل ناقص سے مسائل استنباط کرنے شروع کیے اور ملت اسلامیہ میں ایک عظیم فتنہ کھڑا کردیا۔

دراصل غیر مقلدیت بھی قادیانیت کی طرح وہابیت کی ایک شاخ ہے۔ غیر مقلدیت اور وہابیت کا ہمیشہ چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ امام الوہابیہ مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنی رُسوائے زمانہ کتاب "تقویۃ الایمان" کی ابتداء میں ہی غیر مقلدیت کی ترغیب دی ہے۔

○ مولوی اسماعیل دہلوی نے "تقویۃ الایمان" کے مقدمہ میں صاف صاف لکھا ہے کہ

> "اور یہ جو عوام الناس میں مشہور ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کے کلام کا سمجھنا بہت مشکل ہے، اس کے لیے بڑا علم چاہیے، ہم کو وہ طاقت کہاں کہ ان کا کلام سمجھیں؟ اور اس راہ پر چلنا بڑے بزرگوں کا کام ہے، ہماری کیا مجال کہ اس کے موافق چلیں بلکہ ہم کو یہی باتیں کفایت کرتی ہیں تو یہ بات غلط ہے۔"

پھر اسی صفحہ پر آگے چل کر لکھا ہے کہ

> "اور اللہ و رسول کے کلام کو سمجھنے کے لیے بہت علم نہیں چاہیے کیونکہ پیغمبر تو نادانوں کو راہ بتلانے اور جاہلوں کو سمجھانے اور بے عملوں کو علم سکھانے آئے تھے۔"

("تقویۃ الایمان" از مولوی اسماعیل دہلوی، دارالسلفیہ بمبئی ص ۱۴)

وہابیت کے کھیت کی پیداوار غیر مقلدیت کو مندرجہ بالا عبارت کے ذریعہ قولاً پروان چڑھانے کے ساتھ ساتھ مولوی اسماعیل دہلوی نے فعلاً بھی غیر مقلدیت کو تقویت پہنچائی، چنانچہ مولوی اسماعیل دہلوی نے حنفی ہونے کے باوجود نماز میں "رفع یدین" شروع کیا تھا، جس کی شکایت حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تک پہنچی۔ اس وقت شاہ عبدالعزیز بہت ضعیف ہوچکے تھے، لہٰذا آپ نے حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی سے فرمایا کہ مولوی اسماعیل سے کہہ دو کہ وہ رفع یدین نہ کریں لیکن مولوی اسماعیل دہلوی نے خود اپنے بزرگوں کی بات نہ مانی۔ یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ "حکایت اولیاء" (ارواح ثلثہ) از مولوی اشرف علی تھانوی، کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند کے صفحہ نمبر ۱۱۲ سے ۱۱۴ تک زیر حکایت نمبر ۲۷ درج ہے۔

مختصر یہ کہ فرقہ وہابیہ کی ایک نئی شاخ کی حیثیت سے فرقہ غیر مقلدیت نے اہلسنّت کے علماء و عوام کو پریشان کر رکھا تھا۔ کئی اصولی اور فروعی مسائل کو انہوں نے الجھا دیا تھا حالانکہ وہابیت اور دیوبندیت میں گہرا تعلق تھا۔ کئی مسائل میں وہ وہابیوں سے اتفاق رکھتے تھے، مثلاً کتے کی طہارت کے غیر مقلدین بھی قائل ہیں اور مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی اشرف علی تھانوی بھی کتے کی طہارت کے قائل تھے جس کی تفصیل اگلے صفحات میں آئے گی۔

غیر مقلدین کے اکابر علماء میں (۱) مولوی نذیر احمد دہلوی (۲) مولوی ثناء اللہ امرتسری (۳) نواب صدیق حسن خان بھوپالی اور (۴) مولوی طیب عرب ساکن رامپور کے نام سر فہرست ہیں۔ غیر مقلدین نے کئی مسائل میں اہلسنّت کے ساتھ اختلاف کیا جس کی تفصیل یہاں ممکن نہیں، صرف چند مسائل کا ذکر کر دیتا ہوں۔

- صحیح حدیث سے مسائل کی تخریج میں نئے نئے اصول بنائے۔
- دو نمازوں کو جمع کر کے ایک ساتھ پڑھنا۔
- دو ہاتھوں کے بجائے ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کا رواج عام کرنا۔
- کتے کو پاک کہنا۔
- غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا۔

- مرتدین سے نکاح کو جائز بتانا۔
- نماز جنازہ کی تکرار۔
- رفع یدین عام کرنا۔
- امام ابو یوسف کی طرف غلط مسائل منسوب کرنا۔
- ختم تراویح میں ۱۱۴ مرتبہ بسم اللہ بالجہر پڑھنا' وغیرہ۔

مذکورہ چند مسائل کے علاوہ کئی مسائل کو انہوں نے الجھایا۔ مکتبہ فکر دیوبند اپنے حنفی ہونے کا دعویٰ بڑے زور و شور سے کرتے تھے لیکن غیر مقلدین کے فقہ حنفی پر کیے جانے والے حملے کا جواب دینا تو درکنار' درپردہ ان کی حمایت و نصرت کرتے تھے کیونکہ علم غیب انبیاء و اولیاء' ختم النبوت وغیرہ اصولی مسائل میں وہ غیر مقلدین سے اتفاق رکھتے تھے۔ وہابیت اور غیر مقلدیت نے ایک دوسرے کی نصرت اور اعانت کا باہمی سمجھوتہ کرلیا تھا۔

لیکن ملت اسلامیہ کے سچے ہمدرد اور دین کے مجدد اعظم یعنی امام احمد رضا محدث بریلوی نے اپنے قلم سے ذوالفقار حیدری کے جوہر دکھاتے ہوئے فرقۂ غیر مقلدین کا ایسا رد بلیغ کیا ہے کہ وہ قیامت تک امام احمد رضا محدث بریلوی کی کسی ایک کتاب کا بھی جواب نہ دے سکیں گے۔ (انشاء اللہ)

فرقۂ غیر مقلدین کے رد میں امام احمد رضا کی مندرجہ ذیل تصانیف میری ناقص معلومات میں ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) اَلْفَضْلُ الْمَوْهَبِیُ فِیْ مَعْنٰی اِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَهُوَ مَذْهَبِیْ۔ (۱۳۱۳ھ)

(۲) اَلنَّهْیُ الْاَكِیْدُ عَنِ الصَّلٰوةِ وَرَآءَ عِدَی التَّقْلِیْدِ۔ (۱۳۰۵ھ)

(۳) اَلنَّیِّرُ الشِّهَابِیْ عَلٰی تَدْلِیْسِ الْوَهَّابِیْ۔ (۱۳۰۹ھ)

(۴) اَطَائِبُ الصَّیِّبِ عَلٰی اَرْضِ الطَّیِّبِ۔ (۱۳۱۹ھ)

(۵) حَاجِزُ الْبَحْرَیْنِ الْوَاقِیْ عَنْ جَمْعِ الصَّلٰاتَیْنِ۔ (۱۳۱۳ھ)

(۶) سَلْبُ الثَّلْبِ عَنِ الْقَائِلِیْنَ بِطَهَارَةِ الْكَلْبِ۔ (۱۳۱۲ھ)

(۷) صَمْصَامِ حَدِیْد بر کولی بے قید عدو تقلید۔(۱۳۰۵ھ)
(۸) اَجْلَی النُّجُوْمِ رَجم بر ایڈیٹر النجم۔(۱۳۳۷ھ)
(۹) جَابُکِ لَیْث بر اَھْلِ حَدِیْث۔(۱۳۲۶ھ)
(۱۰) اَلسَّھْمُ الشِّھَابِیْ عَلٰی خِدَاعِ الْوَھَّابِیْ۔(۱۳۲۵ھ)
(۱۱) رَادِعُ التَّعَسُّفِ عَنِ الْاِمَامِ اَبِیْ یُوْسُفَ۔(۱۳۱۸ھ)
(۱۲) اِظْھَارُ الْحَقِّ الْجَلِیْ۔(۱۳۲۰ھ)
(۱۳) اِزَالَۃُ الْعَارِ بِحَجْرِ الْکَرَائِمِ عَنْ کِلَابِ النَّارِ۔(۱۳۱۶ھ)
(۱۴) اَلنَّھْیُ الْحَاجِزُ عَنْ تَکْرَارِ صَلٰوۃِ الْجَنَائِزِ۔(۱۳۲۵ھ)
(۱۵) اِصْلَاحُ النَّظِیْرِ۔(۱۳۲۱ھ)
(۱۶) اَلْبَرْقُ الْمُخَیِّبُ عَلٰی بِقَاعِ طَیِّبٍ۔(۱۳۲۰ھ)
(۱۷) مُعَارِکُ الْجُرُوْجِ عَلَی التَّوَھُّبِ الْمَقْبُوْجِ۔(۱۳۲۰ھ)
(۱۸) اَلْاَسْئِلَۃُ الْفَاضِلَۃُ عَلَی الطَّوَائِفِ الْبَاطِلَۃِ۔(۱۳۱۳ھ)
(۱۹) پردہ در امرتسری۔(۱۳۲۶ھ)
(۲۰) اَلرَّوْضُ الْبَھِیْجُ فِیْ آدَابِ التَّخْرِیْجِ۔(۱۲۹۹ھ)
(۲۱) صَفَائِحُ اللُّجَیْنِ فِیْ کَوْنِ التَّصَافُحِ بِکَفَّیِ الْیَدَیْنِ۔(۱۳۰۶ھ)
(۲۲) اِنْتِصَارُ الْھُدٰی مِنْ شُعُوْبِ الْھَوٰی۔(۱۳۱۲ھ)
(۲۳) اَکْمَلُ الْبَحْثِ عَلٰی اَھْلِ الْحَدَثِ۔(۱۳۲۱ھ)

(۱۳) کرنسی نوٹ کا فتنہ

خرید و فروخت یہ دونوں ایسے فعل ہیں کہ ہر شخص کو ان سے روزانہ سابقہ پڑتا ہے۔ خرید و فروخت میں قیمت کا لین دین ہوتا ہے لیکن یہ لین دین کا طریقہ ہر دور میں بدلتا آیا ہے۔ ہمارا سماجی معاشرہ ضرورت کے تحت لین دین کے قوانین و طور طریقہ میں ترمیم و تبدیلی کرتا آیا ہے، لیکن اس میں ایک اہم بات کی سختی سے پابندی کی جاتی ہے کہ

کوئی بھی تجارتی معاملہ اسلامی قوانین کے خلاف نہ ہو۔

خرید و فروخت کے مسائل بہت ہی وسیع ہیں جس کی تفصیلی گفتگو یہاں پر ممکن نہیں لیکن قارئین کی تفہیم کے لیے صرف اتنا بتانا ہی ضروری ہے کہ آج تک خرید و فروخت "بیع و ثمن" کے تحت کی جاتی ہے یعنی کہ مال کے بدلے مال۔ لیکن اس کے طریقے ہر زمانہ میں الگ الگ تھے مثلاً صدیوں پہلے یہ طریقہ تھا کہ زید نے پندرہ مرغیوں کے عوض اپنی ایک بکری کو فروخت کیا۔ یا یہ ہوتا تھا کہ زید نے بکر کو پانچ سیر چاول دیئے اور اس کے عوض میں بکر نے زید کو بارہ سیر گیہوں دیئے۔ اسی طریقہ سے یعنی مال کے بدلے مال کے طریقے پر ہر معاملہ طے ہوتا تھا۔ رفتہ رفتہ پھر اس میں تبدیلی آئی اور کرنسی سکّے وجود میں آئے لیکن جو کرنسی سکّے رائج ہوئے وہ بھی "مال کے بدلے مال" کے اصول کے تحت عمل میں آئے تھے یعنی وہ سکّے کی خود اپنی حیثیت بھی ایک مال کی تھی، یعنی کہ اس سکہ کو بطور کرنسی استعمال کیا جائے یا بطور مال استعمال کیا جائے۔ دونوں صورتوں میں اس کی قیمت میں کوئی فرق نہیں آتا تھا کیونکہ ان سکوں میں اتنی چاندی یا سونا ہوتا تھا کہ جو خود ایک مال کی حیثیت رکھتا تھا۔ مثلاً ایک شخص بازار میں گیا اور اس نے ایک روپیہ کا سکہ بطور کرنسی استعمال کیا اور ایک روپیہ کی قیمت کا کوئی مال خریدا لیکن اگر کوئی شخص اس ایک روپیہ کے سکہ کو توڑ کر باریک چُورا بنا ڈالے پھر بھی اس کی قیمت ایک روپیہ ہوتی تھی کیونکہ اس سکہ میں اتنی چاندی یا سونا ہوتا تھا کہ اس کی قیمت ایک روپیہ ہوتی تھی۔

المختصر! کرنسی سکوں (Coins) میں بھی مال کے عوض مال کا طریقہ مروج تھا۔ اس زمانہ میں جو ایک روپیہ کا سکہ تھا اس کی حیثیت یہ تھی کہ چاہے اسے بطور کرنسی استعمال کرو چاہے اسے توڑ پھوڑ کر بطور مال استعمال کرو، دونوں صورتوں میں اس کی قوت خریداری (Purchase Power) یکساں باقی رہتی تھی۔ لیکن جب کاغذ کے کرنسی نوٹ رائج ہوئے تو یہ حالت تھی کہ اگر ایک روپیہ کا نوٹ بطور کرنسی استعمال کیا جائے تو اس کی قوتِ خرید ایک روپیہ ہے لیکن اگر اس نوٹ کے ٹکڑے کردیئے جائیں تو پھر اس کی کوئی قیمت باقی نہیں رہتی یعنی کہ کرنسی نوٹ کا جو کاغذ تھا اس کاغذ کی بطور کرنسی خرید

ایک روپیہ ضرور تھی، لیکن اس کاغذ کی بطور مال قیمت ایک پائی بھی نہ تھی۔ لہٰذا اس نوٹ کا استعمال کرنا شرعی اعتبار سے کیسا ہے؟ اس نوٹ سے خرید و فروخت اور دیگر معاملات کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ یہ جاننے کے لیے لوگوں نے علمائے دین سے رجوع کیا۔ دیوبندی مکتبہ فکر کے علماء نے کرنسی نوٹ کے تعلق سے ایسے ایسے فتوے دیئے کہ لوگوں کا جینا بھی دُشوار ہو جائے، مثلاً:

○ مولوی رشید احمد گنگوہی کا ایک فتویٰ ملاحظہ ہو:

"سوال: نوٹ کی خرید و فروخت کمی یا زیادتی پر جائز ہے یا نہیں، بالتفصیل ازقام فرمائیں۔

جواب: نوٹ کی خرید و فروخت برابر قیمت پر بھی درست نہیں مگر اس میں حیلہ حوالہ ہو سکتا ہے اور بحیلہ عقد حوالہ کے جائز ہے مگر کم زیادہ پر بیع کرنا ربو اور ناجائز ہے، فقط۔"

("فتاویٰ رشیدیہ" از مولوی رشید احمد گنگوہی، مکتبہ تھانوی دیوبند، ص ۴۹۰)

مذکورہ بالا فتوے کو بغور پڑھئے، نوٹ کی خرید و فروخت کو برابر قیمت پر بھی نادرست کہا جا رہا ہے، لیکن نادرست ہونے کی وجہ کیا ہے؟ یہ تو شاید گنگوہی صاحب کے علم میں بھی نہ ہوگا۔ پھر آگے حیلہ حوالہ کی بے جوڑ بات لکھی اور آخر میں کم زیادہ پر بیع کرنے کو سود اور ناجائز لکھا۔ مسئلہ اس طرح الجھایا کہ سوال پوچھنے والا تو یقیناً جواب کو سمجھے گا ہی نہیں بلکہ خود جواب دینے والا بھی شاید نہ سمجھ سکا ہوگا کہ میں کیا جواب لکھ رہا ہوں اور جو جواب لکھ رہا ہوں اس کا مطلب و معنی کیا ہے؟

○ مولوی اشرف علی تھانوی کا ایک سنسنی خیز فتویٰ ملاحظہ فرمائیے اور تھانوی صاحب کی علمی و عقلی صلاحیت کا جائزہ لیجیے:

"واقعہ: ایک صاحب نے دریافت کیا کہ کسی نے چاندی خریدی اور بائع کو نوٹ دیا۔

ارشاد: یہ جائز نہیں، اس لیے کہ ثمن مبیع کا دست بدست ہونا شرط ہے اور نوٹ روپیہ نہیں ہے بلکہ یوں کرنا چاہیے کہ پہلے کہیں سے خود بائع

سے نوٹ کا روپیہ لے لے اور وہ روپیہ قیمت میں دے دے۔"

("حسن العزیز" مرتبہ مولوی محمد یوسف بجنوری، مکتبہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون (یوپی) جلد ۳ حصہ ا قسط ۱۲ ص ۱۲۵" "کمالات اشرفیہ" (۱۹۹۵ء) ادارہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون (یوپی) باب الملفوظ ۶۱۱ ص ۱۴۶)

مذکورہ بالا فتویٰ میں تھانوی صاحب نے کیسا انوکھا طرز اپنایا ہے کہ پہلے تو یہ بتایا کہ نوٹ کے عوض چاندی نہیں خرید سکتے اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ نوٹ روپیہ نہیں اور ثمن مبیع کا دست بدست ہونا شرط ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ روپیہ یعنی کہ کرنسی سکہ میں مال ہونے کی وجہ سے چاندی خریدنے کی صلاحیت ہے لیکن کرنسی نوٹ میں وہ صلاحیت نہیں لہٰذا یہ کرنا چاہیے کہ نوٹ کو سکوں میں تبدیل کر لینا چاہیے، پھر ان سکوں کو چاندی کے عوض دینا چاہیے تاکہ مال کے عوض مال ہو جائے لیکن تھانوی صاحب نے یہ نہ دیکھا کہ جس کرنسی نوٹ سے چاندی خریدنا جائز نہیں تو سکہ (جو خود مثل چاندی کے مال ہے) خریدنا جائز کیسے ہو جائے گا؟

دوسری بات یہ کہ تھانوی صاحب کے الفاظ کہ "وہ روپیہ قیمت میں دے دے" اس پر آپ غور فرمائیے۔ فرض کرو کہ کسی کو ۲۵ تولہ سونا خریدنا ہے تو وہ کیا کرے؟ تھانوی صاحب کے فتوے کے مطابق وہ ۲۵ تولہ سونے کی اوسط قیمت فی تولہ تقریباً پانچ ہزار کے حساب سے ایک لاکھ پچیس ہزار روپیہ کی ریزگاری حاصل کرے اور پھر اس ریزگاری کو سونے کی قیمت میں ادا کرے، بھلا یہ کب ممکن ہے۔ اوّل تو سوا لاکھ روپیہ کی ریزگاری حاصل کرنا ہی غیر ممکن بات ہے اور اگر حاصل کر بھی لی تو اس کو اٹھانا اور منتقل کرنا بھی سخت دشوار مرحلہ ہے۔ مزدوروں کے ذریعہ ٹھیلہ یا بیل گاڑی پر لاد کر سنار کی دکان تک کوئی جوانمرد لے جانے کی بہادری دکھا بھی دے تو اس رقم کو گننا دکان دار منظور نہیں کرے گا اور مان بھی لو کہ اگر دکان دار نے سوا لاکھ روپیہ کی ریزگاری شمار کرنے کے لیے کسی کو اُجرت پر بلا کر گنوا بھی لیا پھر بھی کام نہیں بنے گا کیونکہ اگلے زمانہ میں جو کرنسی کا سکہ تھا وہ چاندی کا ہوتا تھا، اس میں اس سکہ کی قیمت جتنی رقم کی چاندی ہوتی تھی اس سکہ کو توڑ مروڑ کر، باریک چُورا کر دینے کے باوجود اس کی قوت خریداری

زائل نہیں ہوتی تھی لیکن موجودہ زمانہ میں جو کرنسی کا سکہ ہے چاندی کا نہیں بلکہ ہلکی کوالٹی کے میٹریل سے بنا ہوا ہوتا ہے جس کی کرنسی کے اعتبار سے جو قیمت ہے اتنی قیمت اس سکہ میں استعمال شدہ دھات کے میٹریل کی نہیں، لہٰذا اس دور میں تھانوی صاحب کا مذکورہ فتویٰ کالعدم ہو جائے گا۔

○ مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کا ایک عجیب و غریب فتویٰ نوٹ کے متعلق ملاحظہ فرمائیے:

> "واقعہ: ایک صاحب نے سوال کیا کہ زکوٰۃ میں کسی نے نوٹ دیا تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اس پر حضرت نے فرمایا:
>
> ارشاد: یہ دیکھنا چاہیے کہ نوٹ کی حقیقت کیا ہے۔ حقیقت یہ کہ نوٹ مال نہیں ہے بلکہ سند مال ہے۔ جب مال نہیں تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔"
>
> ("حسن العزیز" مرتبہ مولوی محمد یوسف بجنوری، مکتبہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون (یوپی) جلد ۳ حصہ ۲ قسط ۱۳ ص ۲۰۴)

لیجئے! سنئے! تھانوی صاحب نے بات کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔ مطلق فتویٰ دے دیا کہ نوٹ سے جو زکوٰۃ دی جائے گی وہ ادا نہ ہوگی تو کیا جن لوگوں نے آج تک نوٹ سے زکوٰۃ ادا کی ان کی زکوٰۃ ادا ہی نہیں ہوئی اور جو لوگ فی الحال نوٹ سے زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور قیامت تک جو لوگ نوٹ سے زکوٰۃ ادا کریں گے، ان کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی؟ خیر! نوٹ کے تعلق سے علمائے دیوبند کے مضحکہ خیز نظریات پر بہت کچھ کہا اور لکھا جا سکتا ہے، ان مذکورہ عبارات کے علاوہ ایسی کئی عبارتیں دیوبندی مکتبہ فکر کے لٹریچر میں موجود ہیں جس پر کامل طور سے تبصرہ کرنے سے ایک ضخیم کتاب وجود میں آ سکتی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ علمائے دیوبند کے کرنسی نوٹ کے تعلق سے جو نظریات و تخیلات تھے اس سے ملت اسلامیہ میں سخت تشویش پھیل گئی تھی۔ عوام تو عوام، اہلِ علم حضرات بھی شش و پنج میں تھے کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے؟ یہاں تک کہ علماء حرمین شریفین بھی اس مسئلہ میں اپنا موقف بیان نہیں کر سکتے تھے۔ حتیٰ کہ مکہ معظمہ

کے مفتی احناف حضرت مولانا جمال بن عبداللہ نے بھی اس مسئلہ کا کماحقہ شرعی حکم بیان کرنے سے اپنا عُذر اس طرح بیان فرمایا کہ "اَلْعِلْمُ اَمَانَةٌ فِیْ اَعْنَاقِ الْعُلَمَاءِ" یعنی کہ علم علماء کی گردنوں میں امانت ہے یعنی کہ وہ علماء دفن ہو چکے۔

۱۳۲۴ھ میں امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان جب حرمین شریفین گئے اور وہاں پر آپ نے علمِ غیب کے مسئلہ پر ایک تاریخی کتاب "الدولتہ المکیہ" تصنیف فرمائی تو حرم شریف کے علماء نے بھی آپ کی علمی جلالت کے سامنے اپنے سرِ تسلیم خم کیے اور آپ کا چرچہ بحیثیت فقیہ اعظم حرم شریف کے علماء میں عام تھا۔ آپ کی شانِ علمیت سے متاثر ہو کر حضرت مولانا عبداللہ مراد اور حضرت مولانا محمد احمد جداوی نے نوٹ کے تعلق سے بارہ سوالات پر مشتمل ایک استفتاء اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے اس کا ایسا مفصل عالمانہ جواب دیا کہ علمائے مکہ حیرت زدہ رہ گئے اور پوری دنیائے اسلام کے علماء عش عش کر اُٹھے۔

اس مسئلہ میں فقہ کی معتبر کتاب "فتح القدیر" سے امام احمد رضا کے نقل کردہ جزیہ "لَوْ بَاعَ قِرْطَاسَ بِاَلْفٍ یَجُوْزُ وَلَا یَکْرَہُ" کو دیکھ کر مکہ معظمہ کے مفتی حنفیہ حضرت مولانا مفتی عبداللہ بن صدیق مچل گئے اور یہ پکار اٹھے کہ "اَیْنَ جَمَالُ بْنُ عَبْدِاللّٰہِ مِنْ ھٰذَا النَّصِّ الصَّرِیْحِ" یعنی کہ حضرت جمال بن عبداللہ اس نص صریح یعنی کہ صاف دلیل سے کہاں غافل رہ گئے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان نے نوٹ کے مسئلہ پر "الْکِفْلُ الْفَقِیْہِ الْفَاھِمِ فِیْ اَحْکَامِ قِرْطَاسِ الدَّرَاھِمِ" میں علم کے دریا بہا دیئے اور مخالفین کے تمام باطل نظریات کی دھجیاں اُڑانے کے ساتھ ساتھ اس مسئلہ کا صحیح اسلامی حکم کتب معتبرہ کے دلائل کی روشنی میں مرقوم فرما کر تمام شبہات کا ازالہ فرما دیا۔

کرنسی نوٹ کے تعلق سے امام احمد رضا کی مندرجہ ذیل تصانیف میری ناقص معلومات میں ہیں:

(۱) کِفْلُ الْفَقِیْہِ الْفَاھِمِ فِیْ اَحْکَامِ قِرْطَاسِ الدَّرَاھِمِ۔ (۱۳۲۴ھ)

(۲) اَلذَّیْلُ الْمَنُوْطُ لِرِسَالَۃِ النُّوْطِ۔ (۱۳۲۹ھ)

(۳) کَاسِرُ السَّفِیْہِ الْوَاہِمِ فِیْ اِبْدَالِ قِرْطَاسِ الدَّرَاہِمِ۔ (۱۳۲۹ھ)

(۱۴) فتنہ تنازعہ درباب ایمانِ ابوین کریمین

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم ﷺ کے نُور کو اپنے نُور سے پیدا فرمایا، پھر اس نُور کو حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی پیشانی میں رکھا۔ وہاں سے وہ نُور منتقل ہو کر حضرت حوا علیٰ ابنہا وعلیہا الصلوۃ والسلام کے شکمِ اطہر میں جلوہ گر ہوا۔ پھر قرناً بعد قرن وہ نُور مقدس پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتا ہوا حضرت عبداللہ کی پیشانی میں اور پھر وہاں سے حضرت آمنہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے شکم اطہر میں جلوہ گر ہوا اور بعدہ اپنے ظہورِ ظاہری سے پوری کائنات کو منور فرمایا۔ یعنی کہ حضور اقدس ﷺ کے آباء و اجداد اور امہات میں حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ سے لے کر حضرت آدم اور حضرت حوا تک جتنے بھی مرد اور عورت تھے، وہ تمام کے تمام موحد، مومن تھے اور کفر و شرک کی نجاست سے پاک و صاف تھے۔ احادیث نبوی ﷺ اس عنوان پر کافی تعداد میں موجود ہیں اور یہی عقیدہ ابتدائے اسلام سے آج تک ملت اسلامیہ میں رائج ہے۔

لیکن فرقہ وہابیہ نجدیہ کے اکابر علماء نے سرکار دو عالم ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کا انکار کیا اور معاذ اللہ ان نفوسِ قدسیہ کی ذاتِ پاک سے کفر منسوب کیا۔ گستاخی رسول میں علماء دیوبند اتنے بیباک ہو گئے تھے کہ انہوں نے رسولِ اعظم ﷺ کے ماں باپ کی شان میں بھی گستاخی کی۔

○ فرقہ وہابیہ کے امام ربانی اور مقتدا مولوی رشید احمد گنگوہی کا ایک فتویٰ قارئین کی خدمت میں پیش ہے:

"سوال: ہمارے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے والدین مسلمان تھے یا نہیں؟

جواب: حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان میں اختلاف ہے۔ حضرت امام صاحب کا مذہب یہ ہے کہ ان کا انتقال حالتِ کفر میں ہوا ہے۔ فقط۔"

("فتاویٰ رشیدیہ" از مولوی رشید احمد گنگوہی، مکتبہ تھانوی دیوبند، ص ۱۰۴)

حضور اقدس تاجدار مدینہ ﷺ کے والدین کریمین کو اتنی بیباکی سے مولوی رشید احمد گنگوہی نے "کافر" کہہ دیا، نہ کوئی دلیل وجہ کفر کی بتائی، نہ کسی معتبر کتاب کا حوالہ اور نہ ہی امام اعظم کا اس تعلق سے کوئی قول نقل کیا، بلکہ صرف اتنا لکھ دیا کہ "حضرت امام صاحب کا مذہب یہ ہے۔" افسوس تو اس بات کا ہوتا ہے کہ علماء دیوبند نے معظمانِ دین کی تکفیر کو کتنے سہل انداز میں لیا اور جب دشمنانِ دین کی تکفیر کا معاملہ آیا تو ان دشمنانِ دین کا دفاع کیا، مثلاً:

○ مولوی رشید احمد گنگوہی کا ایک فتویٰ ملاحظہ ہو:

"سوال: یزید کہ جس نے امام حسین علیہ السلام کو شہید کیا ہے وہ یزید آپ کی رائے شریف میں کافر ہے یا فاسق؟

جواب: کسی مسلمان کو کافر کہنا مناسب نہیں، یزید مومن تھا بسبب قتل کے فاسق ہوا۔ کفر کا حال دریافت نہیں۔ کافر کہنا جائز نہیں کہ وہ عقیدۂ قلب پر موقوف ہے۔"

("فتاویٰ رشیدیہ" از مولوی رشید احمد گنگوہی، مکتبہ تھانوی دیوبند، ص ۵۰)

دشمنِ اسلام یزید پلید کہ جس نے شہزادۂ رسول حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام کو شہید کروایا اور سرکار دو عالم ﷺ کے قلبِ اطہر کو سخت تکلیف پہنچائی وہ یزید علمائے دیوبند کے لیے قابلِ دفاع ہے۔ یزید کو برا بھلا کہنے سے روکا جا رہا ہے، یزید کو مومن کہہ کر پھر یہ وضاحت کی جارہی ہے کہ اس کے کفر کا حال معلوم نہیں، تو کیا حضور اقدس ﷺ کے والدین کریمین کے کفر کا حال مولوی رشید احمد گنگوہی کو معلوم تھا؟ یزید کے لیے یہاں تک لکھا کہ "کافر کہنا جائز نہیں" لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ماں باپ کو بے دھڑک کافر کہہ دیا تو کیا یہ جائز ہے؟ مزید برآں کہ یزید کی حمایت

کرتے ہوئے مولوی رشید احمد گنگوہی نے آخری جملہ یہ لکھا کہ "وہ عقیدۂ قلب پر موقوف ہے" یعنی کہ دل کے عقیدے کا اعتبار بتایا جا رہا ہے۔ جب یزید کا معاملہ آیا تو یزید کی موافقت و حمایت کے لیے دل کے عقیدے کا پہلو ڈھونڈ نکالا۔ اگر واقعی مولوی رشید احمد گنگوہی اور دیگر علمائے دیوبند اتنے محتاط تھے تو پھر ملت اسلامیہ کے کروڑوں افراد پر شرک کے اتنے سارے فتوے کیوں تھوپ دیئے؟ یارسول اللہ کہنے والا کافر، درود تاج پڑھنے والا مشرک، غلام محی الدین نام رکھنے والا مشرک، سہرا باندھنے والا مشرک، اولیاء و انبیاء سے استعانت کرنے والا مشرک۔ الغرض! ملت اسلامیہ پر بے شمار کفر اور شرک کے فتویٰ دیتے وقت تو دل کے عقیدے کا لحاظ نہیں کیا۔ حد تو یہ ہوئی کہ حضور اقدس ﷺ کے ماں باپ پر کفر کا الزام عائد کرتے وقت بھی دل کے عقیدہ کا قطعاً لحاظ نہ کیا لیکن گنگوہی صاحب کو حضرت یزید کا جب معاملہ آیا تو اب گنگوہی صاحب شانِ احتیاط دکھا رہے ہیں کہ خبردار! کسی مسلمان کو کافر کہنا جائز نہیں اور یزید صاحب تو "مومن" ہیں۔ قارئین خود فیصلہ کریں کہ

ع کچھ تو ہے کہ جس کی پردہ داری ہے

○ وہابی تبلیغی جماعت کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی نے کہا کہ

> "حضور ﷺ کے والدین کے بارے میں گفتگو کرنے کو بہت خطرناک سمجھتا ہوں اور ظاہر ہے کہ کسی کے والدین کو یہ کہنا کہ یہ بدمعاش کافر تھے اس سے اولاد کو طبعی رنج ہوتا ہے۔ اس قاعدہ سے حضور ﷺ کو بھی رنج ہوتا ہوگا۔"

("الکلام الحسن" ضبط کردہ مولوی محمد حسن امرتسری، مکتبہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون، قسط ۹ ملفوظ ۱۲ ص ۱۰)

تھانوی صاحب کے جملے کتنے خطرناک ہیں، اس کا اندازہ قارئین لگائیں۔ تھانوی صاحب نے کہا کہ اگر کسی کے والدین قطعی بدمعاش کافر ہوں، پھر بھی اولاد کو بُرا لگے گا اس لیے ان کو کافر بدمعاش نہیں کہیں گے حالانکہ واقعی بدمعاش کافر تھے۔ یہ قاعدہ بیان کرنے کے بعد اس قاعدہ کو تھانوی صاحب حضور اقدس ﷺ کے والدین کریمین

کے لیے قیاس کرتے ہیں کہ معاذ اللہ وہ بھی کافر تھے لیکن حضور ﷺ کو رنج نہ ہو اس لیے ہم ان کو کافر نہیں کہیں گے، جس کا مطلب صاف ہے کہ گنگوہی صاحب کی طرح مولوی اشرف علی تھانوی بھی حضور اقدس ﷺ کے والدین کریمین کو کافر ہی سمجھتے ہیں لیکن حضور کا لحاظ کرتے ہوئے والدین کے بارے میں گفتگو کرنے کو بہت خطرناک جانتے تھے۔ یعنی کہ تھانوی صاحب کہہ لینے کے باوجود بھی اپنے زعم میں کچھ بھی نہیں کہا کا اطمینان رکھتے ہیں۔ ذرا تھانوی صاحب کے الفاظ تو دیکھو، تمثیل میں صرف کافر ہی نہیں کہا بلکہ "بدمعاش کافر" کا لفظ استعمال کیا ہے۔

والدین کریمین کے ایمان کے تعلق سے ایک استفتاء امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان کی خدمت میں آیا۔ آپ نے والدین کریمین (علی ابنھما وعلیھما الصلٰوۃ والسلام) کے موحد اور مومن ہونے کے ثبوت میں قرآن، حدیث، تاریخ و سیر کی معتبر و مستند کتب کے حوالوں سے وہ دلائل قاہرہ ارقام فرمائے جس کو پڑھ کر ایک مومن کا ایمان تازہ اور دل باغ باغ ہو جائے گا اور مخالفین واحسرتا کہہ کر اپنے سروں پر خاک ڈالیں گے۔ اس تاریخی تصنیف کا نام ہے:

(۱) شُمُوْلُ الْاِسْلَامِ فِیْ اُصُوْلِ رَسُوْلِ الْکِرَامِ۔ (۱۳۱۵ھ)

(۱۵) تبرکات کی تعظیم کا تنازعہ

انبیاء کرام اور اولیاء عظام کے آثار مقدسہ و تبرکات مثلاً جبہ شریف، موئے مبارک، ٹوپی، چھڑی، نعلین شریفین، ملبوسات وغیرہ کی ایک خصوصی نسبت ان نفوسِ قدسیہ سے ہونے کی وجہ سے ان تبرکات کی ملت اسلامیہ نے بڑی ہی قدر و تعظیم کی ہے اور تبرکات سے بے شمار فوائد و برکتیں حاصل کرتے آئے ہیں۔ تبرکات کی زیارت کرنے سے صاحبِ تبرک کی شانِ عظمت عیاں ہوتی ہے اور زائرین کے دلوں میں صاحبِ تبرک بزرگ کی عظمت و محبت پختہ ہوتی ہے۔ بزرگوں کے تبرکات کو اپنے پاس حفاظت سے رکھنا، اس کا ادب کرنا، اس کی زیارت کرنا کرانا، اس کے توسل سے دُعا کرنا،

فیض و برکت حاصل کرنا وغیرہ سلف صالحین میں ابتدائے اسلام سے رائج اور معمول تھا لیکن ہر وہ کام کہ جس سے انبیاء و اولیاء کی عظمت کا پرچم لہرائے' ان تمام افعال کو دیوبندی مکتبہ فکر کے اکابر علماء نے ممنوع قرار دیا اور لوگوں کو بزرگانِ دین کے تبرکات کی زیارت کرنے سے روکا۔ مثلاً:

○ وہابی تبلیغی جماعت کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے کہ

"کہیں کہیں جبہ شریف یا موئے شریف پیغمبر ﷺ یا کسی اور بزرگ کا مشہور ہے۔ اس کی زیارت کے لیے یا تو ایسی جگہ جمع ہوتے ہیں یا ان لوگوں کو گھروں میں بلا کر زیارت کرتے ہیں اور زیارت کرانے والوں میں عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ اوّل تو ہر جگہ ان تبرکات کی سند نہیں اور اگر سند بھی ہو تب بھی جمع ہونے میں بہت خرابیاں ہیں۔"

("بہشتی زیور" از مولوی اشرف علی تھانوی' ربانی بک ڈپو دہلی' ج ۶ ص ۳۸۶)

○ تبرکات کے تعلق سے مولوی اشرف علی تھانوی کا ایک ملفوظ ملاحظہ ہو:

"اسی طرح بزرگوں کے تبرکات کے ساتھ مجھ کو شغف نہیں مثلاً کرتہ وغیرہ' یہ خیال ہوتا ہے کہ اس میں کیا رکھا ہے۔"

("کمالاتِ اشرفیہ" ملفوظات مولوی اشرف علی تھانوی' ادارہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون' باب الملفوظ ۱۰۰۴ ص ۲۵۱' "حسن العزیز" از خواجہ عزیز الحسن' مکتبہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون' جلد ا حصہ ۴' قسط ۱۹ ملفوظ ۶۳۴ ص ۱۴۷)

بزرگانِ دین کے تبرکات کے ساتھ مولوی اشرف علی تھانوی کو شغف نہیں تھا۔ اس کی وجہ خود تھانوی صاحب نے یہ بیان کی کہ "اس میں کیا رکھا ہے۔" یہ جملہ تبرکات کی اہمیت گھٹانے اور تبرکات کی تحقیر و تذلیل کرنے کی نیت بد کا بین ثبوت ہے۔

○ امام الوہابیہ مولوی اسمٰعیل دہلوی نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب "تقویۃ الایمان" کے باب اوّل میں "عبادت کے اعمال اور شعائر اللہ کے ساتھ خاص ہیں" عنوان کے تحت بزرگانِ دین کے آستانہ کے کنوئیں کے پانی کو متبرک سمجھ کر پینا بھی شرک لکھا ہے:

"اور اس کے کنوئیں کے پانی کو متبرک سمجھ کر پینا، بدن پر ڈالنا، آپس میں بانٹنا، غائبوں کے واسطے لے جانا...... اس قسم کی باتیں کرے تو اس پر شرک ثابت ہوتا ہے۔"

("تقویۃ الایمان" از مولوی اسمٰعیل دہلوی، دارالسلفیہ بمبئی، ص ۲۴)

مختصر یہ کہ دیوبندی مکتبہ فکر کے علماء نے ملت اسلامیہ کا بزرگانِ دین کے ساتھ رشتہ عقیدت کاٹنے کی غرض سے بزرگانِ دین کے تبرکات کا ادب و احترام ختم کرنے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے اپنائے۔ تبرکات کی زیارت کرنے اور ان تبرکات کو باعث برکت ماننے کو گناہ بلکہ شرک تک کہہ دیا۔

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان نے تبرکات بزرگانِ دین کے دشمنوں کا تعاقب فرمایا اور آثارِ مقدسہ کی تعظیم، اہمیت اور اس سے حصولِ برکت کے جواز میں قرآن، حدیث اور اقوال و افعال اولیاء و صالحین سے ایسے قوی دلائل مرقوم فرمائے کہ مخالفین مبہوت و ساکت ہو گئے۔

اس عنوان پر امام احمد رضا کی تصانیف حسبِ ذیل ہیں:

(۱) بَدْرُ الْاَنْوَارِ فِیْ آدَابِ الْاٰثَارِ۔ (۱۳۲۶ھ)

(۲) اَلْبَرُّ الْمَقَالِ فِیْ اِسْتِحْسَانِ قُبْلَۃِ الْاِجْلَالِ۔ (۱۳۰۸ھ)

(۱۶) فتنہ آریہ (شدھی کرن)

انیسویں صدی عیسوی کا ابتدائی زمانہ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے سخت مصیبت و آزمائش کا زمانہ تھا۔ ایک طرف سے اسلام کے نام پر وہابی، غیر مقلد و دیگر فرقہ ہائے باطلہ مسلمانوں کے ایمان چھین رہے تھے تو دوسری طرف سے شدھی والے مسلمانوں کے ایمان کو تباہ و برباد کر رہے تھے۔ اس دور کے نام نہاد سیاسی مسلم لیڈر "ہندو مسلم بھائی بھائی" کا نعرہ لگا کر اتحاد کی تحریک چلا رہے تھے اور اپنی اس تحریک کو موثر بنانے کے لیے خود تو افعالِ کفریہ و شرکیہ میں ملوث ہوئے ہی اور ساتھ میں قومِ مسلم کو بھی ان

افعالِ شنیعہ، کفریہ، شرکیہ کی ترغیب دی مثلاً قشقہ لگانا مشرکین کی جے پکارنا ان کی ارتھی کو کندھا دینا اور مرگھٹ تک لے جانا وید اور قرآن کو ایک ترازو میں رکھ کر دونوں کو یکساں و حق کہنا وغیرہ وغیرہ۔ مشرکین کو خوش کرنے کے لیے نام نہاد مسلم لیڈروں نے سب کچھ کر ڈالا یہاں تک کہ اپنے ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ لیکن مشرکین نے درپردہ مذہبِ اسلام پر اپنے حملے جاری رکھے۔ سوامی دیانند سرسوتی نے "ستیارتھ پرکاش" نام کی ایک کتاب لکھی اور اس میں قرآن شریف کی آیتوں کو ناقص نقل کر کے توڑ مروڑ کر خود ساختہ تراجم اور مفہوم بیان کیے اور قرآن کے آسمانی کتاب ہونے سے انکار کیا اور مذہبِ اسلام کی حقانیت کو للکارا۔ سوامی دیانند سرسوتی اور اس کے خاص چیلے یعنی کہ سوامی شردھانند نے ملک بھر میں تقریری دورے کیے اور قرآن کی آیتوں کے غلط تراجم اور مفہوم بیان کر کے مسلمانوں کے ایمان میں تزلزل پیدا کیا اور لاکھوں کی تعداد میں بھولے بھالے مسلمانوں نے اس کے دامِ فریب کا شکار ہو کر اسلام سے منحرف ہو کر آریہ مذہب اپنا لیا۔ مسلمانوں کو مُرتد بنانے کی اس تحریک کا نام "شدھی کرن" رکھا گیا تھا۔ دیانند سرسوتی کی کتاب "ستیارتھ پرکاش" کا طرزِ بیان اتنا خطرناک ہے کہ اگر کوئی کم پڑھا لکھا اور کمزور عقیدے کا کوئی شخص اسے پڑھے تو وہ اپنے اسلامی اعتقاد سے پھسل جائے۔ علاوہ ازیں "شدھی" کا پرچار کرنے والے پنڈتوں کی جادو بیانی نے زہر قاتل کا کام کیا اور نتیجتاً کل چھ لاکھ مسلمان مُرتد ہو کر آریہ ہو گئے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی ان حالات کو دیکھ کر بھڑک اٹھے اور ایک مردِ مجاہد کی شان سے آریوں کے مقابلہ میں میدانِ عمل میں آئے۔ مسلمانوں کے ایمان کے تحفظ کے لیے تحریر و تقریر دونوں پہلوؤں سے نمایاں کردار ادا کیا۔ "ستیارتھ پرکاش" کتاب کے رد میں آپ نے ایک بے مثال اور معرکتہ الآراء تاریخی کتاب "کیفر کفر آریہ" تصنیف فرمائی۔ اس کتاب میں آپ نے (۱) یجور وید۔ (۲) سام وید۔ (۳) اتھرو وید۔ (۴) رگ وید۔ (۵) برہم وت پران۔ (۶) شری مد بھاگوت گیتا۔ (۷) منوسمرتی وغیرہ کے حوالے سے آریہ مذہب کا بطلان اور اسلام کی حقانیت ثابت کی۔

آپ نے اپنی اس تاریخی کتاب میں ویدوں کے شلوک بزبان سنسکرت مع شلوک

نمبر، ادھیائے نمبرو صفحہ نمبر نقل فرما کر بڑے بڑے پنڈتوں کو اور خود دیانند سرسوتی کو انگشت بدنداں ہونے پر مجبور کر دیا۔ آپ نے دیانند سرسوتی کو کئی مرتبہ مناظرہ کا چیلنج دیا لیکن اس نے ہمیشہ راہ فرار اختیار کی۔

علاوہ ازیں آپ نے اپنے شہزادۂ اصغر یعنی تاجدار اہلسنت، آقائے نعمت، سیدی و مُرشدی حضور مفتی اعظم ہند مصطفےٰ رضا خاں علیہ الرحمتہ والرضوان کے ہمراہ علماء کے ایک وفد کو صوبہ یوپی کے مشرقی علاقہ میں جہاں "شدھی" کا فتنہ وسیع پیانے پر پھل چکا تھا، بھیجا۔ حضور مفتی اعظم ہند کی زیرِ قیادت علماء کا وفد جس میں (۱) شیر بیشہ اہلسنت حضرت مولانا حشمت علی خاں۔ (۲) صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی۔ (۳) صدر الافاضل حضرت مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی۔ (۴) ملک العلماء حضرت مولانا ظفرالدین بہاری۔ (۵) محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد صاحب لائل پوری وغیرہ شامل تھے۔ گیارہ مہینہ تک وفد نے دورہ فرمایا اور الحمدللہ! جن چھ لاکھ مسلمانوں نے مُرتد ہو کر آریہ مذہب اپنا لیا تھا ان کو دوبارہ اسلام میں شامل کر لینے کے ساتھ ساتھ دیگر پانچ لاکھ راجپوتوں کو کلمہ پڑھایا اور کل ملا کر آپ نے گیارہ لاکھ افراد کو دولتِ ایمان سے سرفراز فرمایا، جن کی دینی تعلیم کے انتظام کے لیے امام احمد رضا محدث بریلوی نے گاؤں گاؤں اور قریہ قریہ "جماعت رضائے مصطفےٰ" کے زیرِ اہتمام دینی مدارس اور معلمین کا انتظام کیا اور اس کا تمام خرچ آپ نے برداشت کیا۔ شدھی کی تحریک کا انسداد کرنے کے لیے امام احمد رضا نے جو قربانیاں پیش کی ہیں اس کی تفصیلی گفتگو کرنے کے لیے ایک مستقل ضخیم کتاب درکار ہے۔ اس زمانہ میں رامپور سے ایک اخبار بنام "دبدبہ سکندری" شائع ہوتا تھا۔ اس اخبار کے ہر شمارے میں امام احمد رضا محدث بریلوی کی اس فتنہ کے سدباب کے تعلق سے انجام دی ہوئی قربانیاں اور جماعت رضائے مصطفےٰ کی خدمات تفصیل سے شائع ہوتی تھیں۔ وہ تمام اخبارات دستاویزی ثبوت کی حیثیت سے ایشیاء کی عظیم "رضا لائبریری" رامپور (یوپی) میں محفوظ ہیں۔

فتنہ آریہ کے رد میں امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان کی تصانیف حسبِ ذیل ہیں:

(۱) کیفر کفر آریہ۔ (۱۳۲۶ھ)

(۲) قَوَارِعُ الْقَهَّارِ عَلَى الْمُجَسِّمَةِ الْفُجَّارِ۔ (۱۳۱۸ھ)

(۳) پردہ در امرتسری۔ (۱۳۲۶ھ)

(۱۷) ارواحِ مومنین کا شب جمعہ وغیرہ کو اپنے گھر آنے کے باب میں اختلاف

ارواحِ مومنین شب جمعہ، شب برأت و دیگر مبارک ایام میں اپنے گھروں کو آتی ہیں اور اپنی اولاد و رشتہ داروں سے ایصالِ ثواب کی متمنی ہوتی ہیں اور استدعا کرتی ہیں، لہٰذا صدیوں سے ملت اسلامیہ میں یہ امر رائج تھا کہ شب جمعہ، عید، عاشورہ کے دن صدقات و خیرات کر کے اس کا ثواب اپنے مرحومین کو پہنچاتے تھے۔ ایصالِ ثواب کا یہ طریقہ کتب احادیث اور کتب سلف صالحین و علماء متقدمین سے ثابت ہے۔ مثلاً مسند امام احمد، طبرانی، حاکم، حلیہ، شرح الصدور، تیسیر جامع صغیر، خزانہ الروایات، فتاویٰ امام نسفی، کنز العباد، الروضہ اور شرح مشکوٰۃ شریف وغیرہ میں اس کے وافر دلائل موجود ہیں۔ ایصالِ ثواب کا یہ طریقہ صدقہ، خیرات، ذکر و اذکار اور افعالِ خیر سے منسلک تھا۔ کوئی غیر شرعی امر اس میں شامل نہ تھا۔ ملت اسلامیہ کے لوگ اس بہانے کارِ خیر کرتے تھے اور اپنے مرحومین کی اعانت کی نیت سے ان امورِ خیر کا ایصالِ ثواب ان کی رُوحوں کو کرتے تھے۔ لیکن دیوبندی مکتبہ فکر کے علماء کو مرحوم مسلمین کے لیے کیا گیا بھلائی کا یہ کام بھی آنکھ میں کانٹے کی طرح کھٹکا اور اس کارِ خیر سے قومِ مسلم کو روکنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور اس کارِ خیر کو بدعت کہنے کے ساتھ ساتھ ارواحِ مومنین کا اپنے گھروں پر آنے کا بھی صاف انکار کیا۔

○ مولوی رشید احمد گنگوہی کے مجموعہ فتاویٰ "فتاویٰ رشیدیہ" میں لکھا ہے کہ

"سوال: بعض علماء کہتے ہیں کہ مُردہ کی رُوح اپنے مکان پر شب جمعہ

کو آتی ہے اور طالب خیرات و ثواب ہوتی ہے اور نگاہوں سے پوشیدہ ہوتی ہے۔ یہ امر صحیح ہے یا غلط؟

جواب: یہ روایات صحیح نہیں۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔"

("فتاویٰ رشیدیہ" از مولوی رشید احمد گنگوہی، مکتبہ تھانوی دیوبند (یوپی) ص۲۶۹)

"سوال: شب جمعہ مُردوں کی رُوحیں اپنے گھر آتی ہیں یا نہیں؟ جیسا کہ بعض کتب میں لکھا ہے۔

جواب: مُردوں کی رُوحیں شب جمعہ میں اپنے اپنے گھر نہیں آتیں، روایت غلط ہے۔"

("فتاویٰ رشیدیہ) از مولوی رشید احمد گنگوہی، مکتبہ تھانوی دیوبند (یوپی) ص۲۶۹-۲۷۰)

○ مولوی اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے کہ

"بعض یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ان تاریخوں میں اور جمعرات کے دن اور شب برأت کے دنوں میں مُردوں کی رُوحیں گھروں میں آتی ہیں۔ اس بات کی شرع میں کچھ اصل نہیں۔"

("بہشتی زیور" از مولوی اشرف علی تھانوی، ربانی بُک ڈپو، دہلی، ج۶ ص۷۹-۳)

امام احمد رضا محدث بریلوی نے علماء دیوبند کا تعاقب کیا اور دلائل قاہرہ سے لبریز تصانیف مرقوم فرمائیں:

(۱) بَوَارِقُ تَلُوْحُ مِنْ حَقِیْقَةِ الرُّوْحِ۔ (۱۳۱۱ھ)

(۲) اِتْیَانُ الْاَرْوَاحِ لِدِیَارِهِمْ بَعْدَ الرَّوَاحِ۔ (۱۳۲۲ھ)

(۱۸) تنازعہ درباب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

شیعہ اور روافض کے بہکاوے میں آجانے کی وجہ سے مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ نادانستہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مخالف بن گیا اور یہ مخالفت یہاں تک بڑھی کہ معاذ اللہ حضرت امیر معاویہ کی تکفیر تک پہنچ گئی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ

عنہ کی تکذیب، تذلیل، توہین اور تکفیر پر مشتمل تبرا عام بات بنا دی گئی اور اس بات کا بھی خیال نہ کیا گیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جلیل القدر صحابی رسول اور کاتب وحی تھے۔ ایک عام مسلمان کی تکفیر بھی جب تک اس کے کفر کی قطعی دلیل نہ ہو تب تک نہیں کی جاتی اور اگر کسی نے بلا ثبوت کسی مسلمان کو کافر کہہ دیا اور وہ شخص واقع میں ویسا نہیں تو حدیث کے فرمان کے مطابق کافر کہنے والا شخص خود کافر ہو جائے گا۔ جب عام مسلمان کے لیے ایسی سخت احتیاط ہے تو ایک صحابی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بدرجہ اتم سخت سے سخت احتیاط لازمی ہے۔ لیکن شیعہ اور روافض کے بہکاوے کو علماء دیوبند نے بھی ہوا دی اور لوگوں کو صحابہ کرام کی جناب میں گستاخ اور بیباک بنانے کے لیے حیرت انگیز اور بے بنیاد فتوے دیئے۔ مثلاً:

○ مولوی رشید احمد گنگوہی نے فتویٰ دیا ہے کہ

> "روافض و خوارج کو بھی اکثر علماء کافر نہیں کہتے حالانکہ وہ شیخین و صحابہ کو اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو کافر کہتے ہیں۔"

("فتاویٰ رشیدیہ از مولوی رشید احمد گنگوہی، مکتبہ تھانوی دیوبند، ص ۵۱)

قارئین مندرجہ بالا فتویٰ بغور ملاحظہ فرمائیں۔ اس فتویٰ میں مولوی رشید احمد گنگوہی نے صاف صاف اقرار کر لیا کہ جو شخص شیخین یعنی کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر اور حضرت سیدنا فاروق اعظم کو، حضرت سیدنا علی اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو کافر کہے وہ کافر نہیں۔ ان حضرات صحابہ کرام کی تکفیر کرنے والے روافض و خوارج کا دفاع کرنے کے لیے گنگوہی صاحب لکھتے ہیں کہ "اکثر علماء کافر نہیں کہتے۔" یہ جملہ لکھ کر گنگوہی صاحب یہ جتانا چاہتے ہیں کہ اکابر صحابہ کرام کو کافر کہنے والا بھی کافر نہیں۔ لیکن جب اپنے پیشوا اور مقتدا مولوی اسمٰعیل دہلوی کا معاملہ آیا تو گنگوہی صاحب جلال میں آ گئے اور فتویٰ دیا کہ

> "سوال: مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید دہلوی جو مستند الوقت، شیخ الکل مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمتہ کے پوتے تھے، ان کو مردود اور کافر کہنا اور لعن طعن کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

جواب: جو ایسا شخص ہو کہ ظاہر میں ہر روز تقویٰ کے ساتھ رہا اور پھر حق تعالیٰ کی راہ میں شہید ہوا وہ قطعی جنتی ہے اور مخلص ولی ہے۔ ایسے شخص کو مردود کہنا خود مردود ہونا ہے اور ایسے مقبول کو کافر کہنا خود کافر ہونا ہے۔" ("فتاویٰ رشیدیہ" از مولوی رشید احمد گنگوہی، مکتبہ تھانوی دیوبند، ص ۷۹)

تعجب کی بات ہے کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی کو ان کے عقائد کفریہ اور بارگاہِ رسالت میں کی ہوئی توہین کے سبب کوئی شخص مردود اور کافر کہے تو ایسا کہنے والا شخص گنگوہی صاحب کے فتویٰ سے خود مردود اور کافر ہے لیکن رسول اقدس ﷺ کے جاں نثار صحابہ خصوصاً حضرت سیّدنا صدیق اکبر، حضرت سیّدنا فاروق اعظم اور حضرت سیّدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو صرف بغض و عناد کی بناء پر کافر کہے، تو ایسا کہنے والا شخص گنگوہی صاحب کے فتویٰ سے کافر نہیں۔ کیا گنگوہی صاحب کے لیے مولوی اسمٰعیل دہلوی کی اہمیت صحابہ کرام سے بھی زیادہ تھی؟

یہ تھا دیوبندی مکتبہ فکر کے علماء کا پھیلایا ہوا سلو پوائزن (Slow Poison) جو آہستہ آہستہ اثر کر کے لوگوں کو بزرگانِ دین کی جناب میں گستاخ بنا رہا تھا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شانِ عالی اور خدماتِ دین کے ثبوت میں امام احمد رضا محدث بریلوی نے حسبِ ذیل کتابیں لکھی ہیں:

(۱) اَلْبُشْرَی الْعَاجِلَۃُ مِنْ تَحَفٍ آجِلَۃٍ۔ (۱۳۰۰ھ)

(۲) ذَبُّ الْاَھْوَاءِ الْوَاھِیَۃِ فِیْ بَابِ اَمِیْرِ مُعَاوِیَۃَ۔ (۱۳۱۲ھ)

(۳) عَرْشُ الْاِعْزَازِ وَالْاِکْرَامِ لِاَوَّلِ مُلُوْکِ الْاِسْلَامِ۔ (۱۳۱۲ھ)

(۴) اَلْاَحَادِیْثُ الرَّاوِیَۃُ لِمَدْحِ الْاَمِیْرِ مُعَاوِیَۃَ۔ (۱۳۱۳ھ)

(۱۹) فتنہ عدم جواز منی آرڈر

ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں یا ایک شہر سے دوسرے شہر روپیہ بھیجنا ایک عام بات ہے۔ تجارت کے لیے مال کی خریداری اور دیگر روز بروز کی ضروریات کے تحت

ایک مقام سے دوسرے مقام پر روپیہ بھیجنا ضروری ہوتا ہے۔ پہلے رائج زمانہ میں یہ طریقہ تھا کہ روپیہ پہنچانے کے لیے یا لینے کے لیے آدمی بذاتِ خود جاتا تھا۔ اس طریقہ میں آمدورفت کا سفر خرچ، وقت کا صرف ہونا، سفر کی تکلیف برداشت کرنے کی دشواری کے ساتھ ساتھ سفر میں روپیہ چوری ہو جانے کا یا لٹ جانے کا بھی خطرہ رہتا تھا۔ لیکن منی آرڈر سے روپیہ بھیجنے میں سفر کی تکلیف، مال کے ضائع ہونے، وقت کے بیجا صرف ہونے وغیرہ سے آدمی بچ جاتا ہے اور آمدورفت میں جو خرچ ہوتا ہے اس سے کئی درجہ کم رقم منی آرڈر کی فیس میں دینی پڑتی ہے۔ ڈاک خانہ کی طرف سے جو رقم بطور منی آرڈر کی فیس کے وصول کی جاتی ہے وہ بطور مزدوری یا معاوضہ کے لی جاتی ہے کہ آپ کی رقم آپ کے بتائے ہوئے پتہ پر حفاظت سے پہنچا کر مرسل الیہ سے رقم کی وصولیابی کی رسید حاصل کر کے وہ رسید بھی آپ کو پہنچا دی جاتی ہے۔ اس خدمت کے عوض بطور اُجرت ڈاک خانہ کی طرف سے کچھ رقم فیس میں لی جاتی ہے۔

عوام کی سہولت کی یہ ترکیب بھی دیوبندی مکتبہ فکر کے علماء کو گوارا نہ ہوئی اور انہوں نے مضحکہ خیز فتاویٰ لکھ کر عوام کو ایک نئے فتنہ میں گرفتار کر دیا کہ منی آرڈر سے روپیہ بھیجنا جائز نہیں۔

○ مولوی رشید احمد گنگوہی نے فتویٰ دیا کہ

> "سوال: منی آرڈر کرنا اور محصول منی آرڈر کا دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
>
> جواب: بذریعہ منی آرڈر روپیہ بھیجنا درست ہے اور داخل ربو ہے اور یہ جو محصول دیا جاتا ہے نادرست ہے۔"

("فتاویٰ رشیدیہ" از رشید احمد گنگوہی، مکتبہ تھانوی دیوبند (یوپی) ص ۵۰۲)

> "سوال: منی آرڈر اور ہنڈی میں کچھ فرق ہے یا دونوں کا ایک حکم ہے؟
>
> جواب: منی آرڈر اور ہنڈی میں کچھ فرق نہیں، دونوں کا ایک حکم ہے۔ منی آرڈر کرنا سود میں داخل ہے۔"

("فتاویٰ رشیدیہ" از رشید احمد گنگوہی، مکتبہ تھانوی دیوبند (یوپی) ص ۵۰۳)

○ مولوی اشرف علی تھانوی نے تو نیا ڈھکوسلہ کیا کہ منی آرڈر کرنا حرام ہے لیکن

وصول کرنا حرام نہیں- ایک اقتباس پیشِ خدمت ہے:

مولوی اشرف علی تھانوی سے ایک شخص نے منی آرڈر وصول کرنے کا حکم پوچھا-

"سوال: وصول کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس کا اثر بھیجنے والے پر ہوگا' نہ کہ وصول کرنے والے پر- کیونکہ حرمت عقد کی متعاقدین پر ہے' نہ کہ وصول کرنے والے پر-"

("حسن العزیز" از مولوی محمد یوسف بجنوری' مکتبہ تالیفات اشرفیہ' تھانہ بھون' ج ۳ حصہ اقسط ۱۲ ص ۱۵۰)

مذکورہ عبارت میں تھانوی صاحب کا کہنا کہ "حرمت عقد کی متعاقدین پر ہے" یعنی کہ منی آرڈر کرنا حرام ہے تو یہ حرام کس نے کیا؟ منی آرڈر بھیجنے والے اور ڈاک خانہ والے نے- ان دو فریقوں نے منی آرڈر کرنے کا حرام کام کیا' وصول کرنے والے کا کیا قصور؟ اس نے تو صرف یہی کیا کہ منی آرڈر آیا تو وصول کر لیا لہٰذا حرام کام کرنے کا جو اثر یعنی کہ جو گناہ ہوگا وہ منی آرڈر کرنے والے پر ہوگا- اس سے پتہ چلا کہ تھانوی صاحب بھی منی آرڈر کرنے کو ناجائز سمجھتے تھے- لیکن ناجائز عوام کے لیے تھا' تھانوی صاحب کے لیے ناجائز نہیں تھا' کیونکہ:

○ تھانوی صاحب نے قنوج سے اپنے گھر تھانہ بھون منی آرڈر کیا:

"حضرت والا نے قنوج سے مبلغ سو روپیہ بذریعہ منی آرڈر تھانہ بھون کو روانہ کیے- ایک روپیہ فیس میں خرچ کیا- احقر نے عرض کیا کہ ایک روپیہ فضول گیا- فرمایا فضول کیوں گیا' اپنی آسائش کے لیے خرچ کیا گیا- وہ آسائش یہ ہے کہ بوجھ ہلکا ہوگیا-"

("حسن العزیز" مرتبہ مولوی محمد یوسف بجنوری اور مولوی محمد مصطفیٰ' مکتبہ تالیفات اشرفیہ' تھانہ بھون' ج ۴ حصہ ۲ قسط ۱۱ ص ۳۰۳)

یہ تو صرف ایک نمونہ ہے کیونکہ مولوی اشرف علی تھانوی کی سوانح حیات اور ملفوظات کے مجموعہ پر مشتمل کتابوں سے ہم ایسے بہت واقعات پیش کرسکتے ہیں کہ

تھانوی صاحب نے کئی مرتبہ منی آرڈر کیے اور کروائے یعنی کہ کہنا کچھ اور کرنا کچھ۔

منی آرڈر کے عدم جواز کا فتویٰ دے کر علمائے دیوبند نے ایک نیا فتنہ کھڑا کر دیا تھا۔ منی آرڈر کی فیس کو سود میں شمار کر کے حقیقت میں انہوں نے اپنی کج فہمی اور علمی صلاحیت کے فقدان کا بین ثبوت دیا تھا۔ منی آرڈر کرنے والا فیس دے رہا ہے لے نہیں رہا، اگر لیتا اور علمائے دیوبند سود کا بے سود رونا روتے تو الگ بات تھی لیکن یہاں معاملہ الٹا ہے، پھر بھی تفقہ سے خالی الذہن علمائے دیوبند سود کی راگنی بجا کر ملت کو گمراہ کر رہے ہیں۔

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان سے منی آرڈر کے متعلق سوال پوچھا گیا، تو آپ نے اس مسئلہ پر ایک مجدد کی شایانِ شان علم و عرفان، شواہد و برہان اور دلائل و حجت سے مزین ایک کتاب تصنیف فرمادی جو معلومات کا ایک بحر ذخار ہے۔ اس کتاب کا نام مندرجہ ذیل ہے:

(۱) اَلْمُنٰی وَالدُّرَرُ لِمَنْ عَمَدَ مَنِیْ آرڈر۔ (۱۳۱۱ھ)

(۲۰) جمعہ کی اذانِ ثانی کا اختلاف

جمعہ کی اذانِ ثانی یعنی کہ جمعہ کے خطبہ کے وقت جو اذان کہی جاتی ہے، وہ اذان کہاں پر دینی چاہیے یعنی موذن کہاں کھڑا ہو کر اذان کہے؟ اندرونِ مسجد منبر کے پاس امام کے سامنے کھڑا ہو کر کہے یا خارج مسجد کہے؟ جمعہ کی اذانِ ثانی کا سُنّت طریقہ کیا ہے؟ اس مسئلہ میں علمائے دیوبند نے ہمیشہ کی طرح مخالف روش دکھائی اور یہ کہا کہ وہ اذان داخل مسجد منبر کے پاس امام کے سامنے دینی چاہیے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ زمانہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں جمعہ کے خطبہ کے وقت اذان خارج مسجد دی جاتی تھی۔ خلفاء راشدین کے دورِ خلافت میں بھی خارج مسجد دی جاتی تھی۔ دیوبندی مکتبہ فکر کے علماء نے جمعہ کی اذانِ ثانی کے سلسلے میں سُنّت کے خلاف رویہ اپنایا لیکن ان کے پاس اپنے اس ارتکاب کی صحت کی کوئی قوی دلیل نہ تھی۔ امام احمد رضا محدث بریلوی کا اس مسئلہ میں موقف

یہ تھا کہ جمعہ کی اذانِ ثانی خارج مسجد دینی چاہیے۔ قارئین کو حیرت ہوگی کہ اس مسئلہ میں علمائے بدایوں نے بھی امام احمد رضا سے اختلاف کیا تھا لیکن امام احمد رضا محدث بریلوی نے شریعت کے معاملہ میں کسی کا بھی لحاظ نہیں کیا اور جو بات شرعی اعتبار سے ممنوع تھی اس کی مخالفت کی۔ جمعہ کی اذانِ ثانی کے تعلق سے ۱۳۱۷ھ سے لے کر ۱۳۳۵ھ تک ماحول گرم رہا۔ خاص کر ۱۳۲۲ھ سے ۱۳۲۵ھ تک یہ اختلاف پورے شباب پر تھا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ علمائے بدایوں کے فتویٰ کے جواب میں امام احمد رضا محدث بریلوی نے ۱۳۲۲ھ میں "اذان من اللہ" کتاب لکھی تو علماء بدایوں نے امام احمد رضا محدث بریلوی پر بدایوں کی کورٹ میں مقدمہ دائر کر دیا لیکن اس مقدمہ میں امام احمد رضا کو فتح مبین حاصل ہوئی۔

جمعہ کی اذانِ ثانی کے تعلق سے امام احمد رضا محدث بریلوی نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں دلائل کے انبار لگا دیئے اور وہ دلائل ایسے مستحکم تھے کہ آج تک اس کا کسی سے جواب نہیں بن پایا۔ جمعہ کی اذانِ ثانی کے تعلق سے امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان نے کل کتنی کتابیں لکھیں، اس کی صحیح تعداد تو معلوم نہیں ہو سکی لیکن میری معلومات میں جتنی تصانیف ہیں وہ اندراجِ ذیل ہیں:

(۱) اَوْفَی اللَّمْعَۃِ فِیْ اَذَانِ الْجُمُعَۃِ۔ (۱۳۲۰ھ)
(۲) شَمَائِمُ الْعَنْبَرِ فِیْ اَدَبِ النِّدَاءِ اِمَامَ الْمِنْبَرِ۔ (۱۳۲۱ھ)
(۳) اَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ لِقِیَامِ سُنَّتِ نَبِیِّ اللّٰہِ۔ (۱۳۲۲ھ)
(۴) شَمَامَۃُ الْعَنْبَرِ فِیْ مَحَلِّ النِّدَاءِ بِاِزَاءِ الْمِنْبَرِ۔ (۱۳۲۷ھ)
(۵) سَلَامَۃٌ لِّاَھْلِ السُّنَّۃِ مِنْ سَیْلِ الْعِنَادِ وَالْفِتْنَۃِ۔ (۱۳۳۲ھ)

(۲۱) نامِ اقدس سن کر انگوٹھے چومنے کا تنازعہ

سرکار دو عالم، حضور اقدس، محبوب رب العالمین کا اسمِ پاک "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم سن کر انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگانا ابتدائے اسلام سے ملت اسلامیہ میں رائج ہے۔ یہ فعل

صرف جذبہ عشق رسول کے تحت کیا جاتا ہے۔ نام اقدس ﷺ سن کر انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگانا حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سُنّت ہے۔ اذان میں، اقامت میں اور دیگر مواقع پر نام پاک کی تعظیم میں ہاتھ کے انگوٹھوں یا انگلیوں کو چُوم کر آنکھوں سے لگانے کا یہ مبارک کام علمائے دیوبند کے لیے آفت جان تھا کیونکہ دیوبندی مکتبہ فکر کے علماء کو ہر اس مبارک کام سے نفرت تھی کہ جس کام سے عظمت رسول کا اظہار ہو۔ لہٰذا انہوں نے اس مستحب فعل کو بدعت کہہ کر لوگوں کو روکا اور ڈرایا، بلکہ تشدد سے کام لیا۔ اس مسئلہ پر دیوبندی مکتبہ فکر کے لوگوں نے کئی مقامات پر مار پیٹ تک نوبت پہنچائی ہے اور موجودہ زمانہ میں بھی اس مسئلہ پر وہ لوگ لڑنے جھگڑنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔

اس مسئلہ میں امام احمد رضا محدث بریلوی نے مخالفین کے ہفوات باطلہ کا تعاقب کر کے علم کے دریا بہائے اور "منیر العین" نام سے جو کتاب لکھی ہے اس کو آج ۱۰۰ سال کا عرصہ گزر گیا ہے لیکن پوری دنیائے دیوبندیت و وہابیت جمع ہو کر بھی نہ اس کا جواب لکھ سکی ہے اور نہ قیامت تک لکھ سکنے کی ان میں طاقت و صلاحیت ہے۔ اس عنوان پر امام احمد رضا کی تصانیف حسبِ ذیل ہیں:

(۱) مُنِيْرُ الْعَيْنِ فِيْ حُكْمِ تَقْبِيْلِ الْإِبْهَامَيْنِ۔ (۱۳۱۳ھ)

(۲) نَشَاطُ السِّكِّيْنِ عَلٰى حَلْقِ الْبَقَرِ السَّمِيْنِ۔ (۱۳۰۳ھ)

(۳) نَهْجُ السَّلَامَةِ فِيْ تَحْلِيْلِ تَقْبِيْلِ الْإِبْهَامَيْنِ فِي الْإِقَامَةِ۔ (۱۳۳۳ھ)

(۲۲) تنازعہ درباب رویت ہلال

اسلام میں سال، ماہ اور ان کا شمار چاند کی رویت پر منحصر ہے، اسی لیے کوئی مہینہ ۲۹ دن کا ہوتا ہے اور کوئی مہینہ ۳۰ دن کا ہوتا ہے۔ رویت ہلال کے معاملہ میں اکثر و بیشتر اختلافات پیدا ہوتے رہتے ہیں اور خاص کر رمضان المبارک اور عید کے چاند میں

اختلاف کی زیادہ گنجائش ہوتی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک مقام پر چاند نظر آگیا اور دوسرے مقام پر چاند نظر نہیں آیا۔ ایسی صورت میں جہاں چاند نظر آگیا ہے وہاں سے شرعی گواہی (شہادت) منگوائی جاتی ہے یا شہادت آجانے پر وہاں بھی چاند ہو جانے کا حکم نافذ ہو جاتا ہے۔

رویت ہلال کے تعلق سے فقہ اسلامی میں وسیع پیمانے پر مسائل ہیں۔ کس مہینہ کا چاند دیکھنا اور تلاش کرنا ضروری ہے؟ کم سے کم کتنے آدمیوں کا چاند دیکھنا ضروری ہے؟ ان چاند دیکھنے والوں میں کیا صلاحیتیں لازم ہیں؟ کس کی گواہی معتبر ہے اور کس کی گواہی ناقابلِ اعتماد ہے؟ علاوہ ازیں ایک مقام سے دوسرے مقام پر چاند کی گواہی بھیجنے کے کیا قواعد ہیں، گواہی کس طرح بھیجی جائے وغیرہ وغیرہ۔ ایک مقام سے دوسرے مقام پر گواہی اکثر "شہادت علی الشہادت" کے طریقہ سے بھیجی جاتی ہے یعنی کہ فرض کرو کہ پیلی بھیت میں چاند نہیں نظر آیا اور بریلی شریف میں چاند نظر آگیا۔ پیلی بھیت کے دو عادل اور متشرع شخص جو شرعی اعتبار سے چاند کی گواہی کے لیے معتمد علیہ ہوں وہ بریلی شریف آئیں گے۔ بریلی شریف میں چاند دیکھنے والوں میں سے دو ایسے شخص کہ جن کی گواہی شرعاً معتبر ہے وہ پیلی بھیت سے آئے ہوئے گواہوں کے سامنے گواہی دیں گے کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے چاند دیکھا ہے۔ پیلی بھیت کے وہ گواہ پھر پیلی بھیت جا کر گواہی دیں گے اور اس کے بعد ہی پیلی بھیت میں چاند ہو جانے کا حکم جاری کیا جائے گا۔ اس طریقہ کو "شہادت علی الشہادت" کہا جاتا ہے جس کی ایک صورت مثال دے کر عرض کی گئی۔ مختصر یہ کہ گواہی میں گواہ کا موجود رہنا ضروری ہے، چاند کی گواہی میں ریڈیو، اخبار، خط، ٹیلی فون، ٹیلی گرام، فیکس وغیرہ کا قطعاً اعتبار نہیں اور ان ذرائع سے موصول ہونے والی شہادت پر کوئی التفات نہیں کیا جائے گا۔ یہی طریقہ ابتدائے اسلام سے رائج ہے۔

لیکن دین میں جدت پسند اور نئی نئی بدعات کے موجود علمائے دیوبند نے چاند کی گواہی کے معاملے میں اپنے بدعتی ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے صدیوں سے مشروع طریقہ میں نئی بدعت ایجاد کی کہ برقی تار یعنی کہ ٹیلی گرام یا خط کے ذریعہ موصول گواہی معتبر ہے۔ علاوہ

ازیں چاند کی گواہی میں کچھ لوگوں نے مسافت کا نیا مسئلہ کھڑا کر دیا کہ ایک مقام سے دوسرے مقام کی زیادہ سے زیادہ مسافت (دُوری) ۴۲ میل ہی ہونی چاہیے۔ ۴۲ میل سے زیادہ کی دُوری سے موصول ہونے والی چاند کی گواہی شرعاً مسموع نہیں۔ ایسی گواہی پر اعتبار کر کے چاند ہو جانے کا حکم جاری نہیں کیا جائے گا۔ حاصل کلام یہ کہ چاند کی گواہی کے تعلق سے علمائے دیوبند اور جاہل عوام الناس نے ایسے پیچیدہ اور جدید مسائل کھڑے کر دیئے تھے کہ حقیقت طلب لوگ پریشان ہو گئے تھے۔

○ برقی تار (ٹیلی گرام) سے موصول چاند کی گواہی کے تعلق سے مولوی رشید احمد گنگوہی کا ایک فتویٰ ملاحظہ ہو:

"سوال: یہاں دو مولویوں میں اس مسئلہ کے اندر اختلاف ہے کہ تار کے ذریعہ سے رویت ہلال عید و رمضان کی اطلاع معتبر ہے یا نہیں۔ امید کہ آنحضرت مسئلہ کی تحقیق اور رائے ساسی سے مطلع فرماویں کہ تار برقی ازروئے فقہ کس شے کے حکم میں داخل ہے؟

جواب: تار برقی کا حال مثل تحریر خط کے ہے کہ یہ نسق و نستعلیق بھی نقوش اصطلاحی ہیں جیسے انگریزی، ناگری وغیرہا اور حروف تار بھی اصطلاحات ہیں۔ پس جیسا خط سے خبر ملتی ہے ویسا ہی تار سے تحریر کے ذریعہ سے ملتی ہے اگرچہ قلم تحریرات کا کوتاہ اور تار کا قلم طویل ممتد ہے۔ پس جیسا تحریر خط میں وسیلہ معتبر عادل ہونا ضرور ہے تار میں بھی ویسا ہی ہونا چاہیے۔ چونکہ تار کے دینے والے کفار فساق غیر معتمد ہیں امور دینیہ میں لہٰذا تار کا اعتبار چاہیے کہ نہ ہو مگر جو ہر دو طرف عدول ہوں، پس یہ تو اصل قاعدہ ہے کہ دیانت میں قوم کافر کا معتبر نہیں۔ بناء علیہ تار کی خبر معتبر نہیں اس پر کاربند نہ ہو، نہ صوم میں نہ افطار میں مگر زمانہ حال کو دیکھ کر تار کی خبر سب صحیح ہوتی ہیں۔ چونکہ غالب ظن قلوب میں اس کے صدق کا راسخ ہو گیا ہے تو اگر اپنے غلبہ ظن کی وجہ سے عمل کر لیوے تو وجہ ہو سکتی ہے۔ صوم میں ایک عدل کی خبر اور افطار میں عدلین کے اخبار پر تو بھی بعید نہیں باعتبار زمانہ کے۔ پس بندہ

دونوں فریق کو حق پر جانتا ہے اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ تار برقی اخبار ہے بذریعہ کتابت کے۔ فقط۔ واللہ اعلم۔"

("تذکرۃ الرشید" از مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، مکتبہ خلیلیہ، سہارنپور (یوپی) ج ا ص ۱۷۲)

مولوی رشید احمد گنگوہی کے مذکورہ بالا فتوے کو اگر جہالت پر مبنی کہا جائے تو مناسب ہی ہوگا، کیونکہ اہلِ علم حضرات پر اچھی طرح واضح ہوگیا ہوگا کہ مذکورہ فتویٰ میں تفقہ کا کامل طور پہ فقدان ہے۔ سائل نے کیا پوچھا اور مسئول نے کیا جواب دیا اور جواب بھی ایسا بے ڈھنگا دیا کہ نہ اس کا کوئی پیر ہے نہ سر، خیر! مضمون کی طوالت کے پیشِ نظر اس فتویٰ پر مزید تنقیدی گفتگو کو ترک کر کے صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ دیوبندی مکتبہ فکر کے بدعتی علماء اور جہلاء عوام الناس نے رویت ہلال کے مسئلہ میں ہیجان پیدا کر دیا تھا۔ امام احمد رضا محدث بریلوی سے جب اس مسئلہ پر استفسار کیا گیا تو آپ نے کوہ ہمالیہ سے بھی زیادہ آہنی اور بلند علمی دلائل کے دفاتر مرقوم فرما کر دیوبند کے بدعتی ملاؤں اور جاہل عوام کے ہفوات کا ایسا دندان شکن جواب دیا کہ وہ تمام انگشت بدنداں ہو کر مبہوت و ساکت ہوگئے۔

رویت ہلال کے تعلق سے امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان نے مندرجہ ذیل تصانیف کے علاوہ بے شمار فتاویٰ بھی ارقام فرمائے ہیں جو آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ "اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃُ فِی الْفَتَاوَی الرَّضْوِیَّۃِ" میں درج ہیں:

(۱) اَزْکَی الْاَھْلَالِ بِاِبْطَالِ مَا اَحْدَثَ النَّاسُ فِیْ اَمْرِ الْھِلَالِ۔ (۱۳۰۵ھ)

(۲) اَلْبُدُوْرُ الْاَجِلَّۃُ فِیْ اُمُوْرِ الْاَھِلَّۃِ۔ (۱۳۰۴ھ)

(۳) نُوْرُ الْاَدِلَّۃِ لِلْبُدُوْرِ الْاَجِلَّۃِ۔ (۱۳۰۴ھ)

(۴) طُرُقُ اِثْبَاتِ ھِلَال۔ (۱۳۲۰ھ)

(۵) رَفْعُ الْعِلَّۃِ عَنْ نُوْرِ الْاَدِلَّۃِ۔ (۱۳۰۴ھ)

(۶) مُعْدِلُ الزَّلَالِ فِیْ اِثْبَاتِ الْھِلَالِ۔ (۱۳۰۳ھ)

(۷) برأت نامہ انجمن اسلامیہ بانس بریلی۔ (۱۳۰۶ھ)

(۲۴) فتنہ انکارِ شفاعت

فرقہ وہابیہ دیوبندیہ کے ملاؤں نے قوم مسلم کو انبیاء و اولیاء سے رشتہ عقیدت ختم کرنے کی ترغیب دینے کے لیے شفاعت کا بھی انکار کیا اور لوگوں کو یہ مزاج دینے کی کوشش کی کہ تم جن کو اپنا شفیع سمجھ رہے ہو وہ قیامت کے دن تمہارے کچھ کام نہیں آ سکیں گے۔ اپنی بیٹی کے بھی کام نہیں آسکیں گے بلکہ یہاں تک لکھ دیا کہ خود ان کا پتہ بھی پانی ہو جائے گا۔ لوگوں کو شفاعت کا عقیدہ ترک کر دینے کے لیے یہاں تک ڈرایا کہ یہ عقیدہ شرک ہے، مثلاً:

○ امام الوہابیہ مولوی اسمٰعیل دہلوی نے لکھا ہے کہ

"اور جو کوئی نبی یا ولی کو یا امام اور شہید کو یا کسی فرشتہ کا یا کسی پیر کو اللہ کی جناب میں اس قسم کا شفیع سمجھے وہ اصلی مشرک اور بڑا جاہل ہے۔"

("تقویۃ الایمان" از مولوی اسمٰعیل دہلوی، دار السلفیہ بمبئی، ص ۵۴)

○ مذکورہ کتاب کا مزید ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو:

"آپ نے سب کو بلکہ اپنی بیٹی تک کو کھول کر سنا دیا کہ قرابت کا حق ادا کرنا اسی چیز میں ہو سکتا ہے جو اپنے اختیار میں ہو۔ میرا مال ہے اس مین مجھ کو بخل نہیں اور اللہ کے یہاں کا معیار میرے اختیار سے باہر ہے۔ وہاں میں کسی کی حمایت نہیں کر سکتا اور کسی کا وکیل نہیں بن سکتا۔"

("تقویۃ الایمان" از مولوی اسمٰعیل دہلوی، دار السلفیہ بمبئی، ص ۶۲)

○ مولوی اشرف علی تھانوی نے انبیاء کرام کی تنقیص اور اولیاء عظام کی تذلیل کرتے ہوئے یہاں تک کہا ہے کہ

"فرمایا کہ ارے میاں! قیامت کے دن انبیاء کا پتہ پانی ہو جائے گا، پیر بیچارے کی کیا ہستی ہے۔"

("کمالات اشرفیہ" مرتبہ مولوی محمد عیسیٰ الہ آبادی، ادارہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ

بھون، باب الملفوظ ۵۶ ص ۱۰۹)

کتنا بے ہودہ جملہ ہے یہ۔ لگتا ہے علمائے دیوبند کی زبانیں بے لگام تھیں۔ مذکورہ بالا جملہ دیکھو، اس کے تیور دیکھو، انبیاء و اولیاء کے لیے تھانوی صاحب نے کیسا مضحکہ خیز جملہ کس دیا۔ تھانوی صاحب یہ مزاج دینا چاہتے ہیں کہ قیامت میں جب انبیاء کرام کی کچھ نہیں چلے گی تو بیچارے پیروں کی کیا چلے گی۔ حالانکہ قرآن و حدیث میں شفاعت کے تعلق سے وسیع پیمانے پر دلائل موجود ہیں۔ انہیں دلائل کی روشنی میں امام احمد رضا محدث بریلوی نے علماء دیوبند کو للکارا اور علماء دیوبند کے عقائد فاسدہ در باب شفاعت کا رد بلیغ فرمایا۔ آیاتِ قرآنی اور چالیس احادیث سے شفاعت مصطفیٰ کا ثبوت دیتے ہوئے نادر زمن کتاب تصنیف فرمائی جس کا نام ہے:

(۱) اَسْمَاءُ الْاَرْبَعِیْنَ فِیْ شَفَاعَتِ سَیِّدِ الْمَحْبُوْبِیْنَ۔ (۱۳۰۵ھ)

(۲۴) کوّا کھانے کا اختلاف

کوا جس کا شمار شرعی اعتبار سے فاسق پرندوں میں ہوتا ہے، اس کی صورت اور ہیئت ہی ایسی ہے کہ آدمی کو کوّے سے طبعی نفرت ہوتی ہے۔ ملت اسلامیہ میں ہمیشہ کوا کھانا ناجائز اور معیوب ہی سمجھا گیا ہے بلکہ غیر مسلم تک کوا کھانے سے پرہیز کرتے ہیں۔ ہوٹلوں اور ریسٹورنٹ میں تندوری چکن، چکن قورمہ وغیرہ ہر جگہ ملتا ہے لیکن آپ نے آج تک کسی بھی ہوٹل کے مینو (کھانوں کی فہرست) میں کہیں بھی تندوری کوا، زاغ مصالحہ یا کوا قورمہ نہیں دیکھا ہوگا۔ کوّے سے آدمی کی طبعی نفرت اور ساتھ ہی شرعی ممانعت کی وجہ سے ہمیشہ پرہیز کیا گیا ہے۔

دیگر ایک وضاحت بھی قارئین کے گوش گزار کردوں کہ ہم اپنے اپنے گھروں میں روزانہ جو کھانا کھاتے ہیں وہ ہمارے لیے مباح ہے یعنی کہ شریعت میں جن چیزوں کا کھانا حلال فرمایا ہے وہ تمام کھانے ہمارے لیے مباح ہیں۔ مباح یعنی جس کے ارتکاب سے ثواب یا گناہ کچھ نہیں۔ لیکن وہابی دیوبندی مکتبہ فکر کے امام ربانی مولوی رشید

گنگوہی کو کوّے سے نہ جانے ایسا کونسا لگاؤ تھا کہ انہوں نے کوّا کھانے کو صرف جائز ہی نہیں بلکہ کارِ ثواب قرار دیا۔ یعنی دیگر کھانوں کے مقابل کوّا اہمیت حاصل کر گیا کیونکہ دیگر کھانے تو صرف مباح تھے لیکن گنگوہی صاحب کی کوّا نوازی نے وہ شرف بخشا کہ کوّا مباح ہونے کے عام درجہ سے بلند رُتبہ ہو کر اب ثواب کی منزل و درجہ میں آ گیا۔

○ مولوی رشید احمد گنگوہی کا مذکورہ فتویٰ پیشِ خدمت ہے:

"سوال: جس جگہ زاغ معروفہ کو اکثر حرام جانتے ہوں اور کھانے والے کو بُرا کہتے ہوں تو ایسی جگہ اس کوّا کھانے والے کو کچھ ثواب ہوگا یا نہ ثواب ہوگا نہ عذاب۔

جواب: ثواب ہوگا۔"

("فتاویٰ رشیدیہ" از مولوی رشید احمد گنگوہی، مکتبہ تھانوی دیوبند، ص۵۹۷)

گنگوہی صاحب کے مذکورہ فتویٰ نے ملک بھر میں ہلچل مچادی۔ جس کوّے کو آج تک ملت اسلامیہ نے حرام سمجھ کر اجتناب کیا تھا وہ کوّا نہ صرف جائز بلکہ کارِ ثواب ہو گیا۔ خود مکتبہ فکر دیوبند کا بڑا حصہ گنگوہی صاحب کے فتویٰ سے حیرت زدہ تھا۔ لیکن کیا کریں؟ ان کے امام ربانی کا فتویٰ تھا حالانکہ ان کو بھی شکایت تو تھی ہی کہ گنگوہی صاحب نے ایسا فتویٰ کیوں دیا؟ یہ بھی ایک معمہ تھا کہ ایسا فتویٰ کیوں دیا؟ یہ سوال کہ کیوں دیا؟ کا جواب بھی ہم قارئین کی خدمت میں دیوبندی مکتبہ فکر کی کتاب کے حوالے سے دیتے ہیں۔

○ مولوی رشید احمد گنگوہی کی سوانح حیات "تذکرۃ الرشید" میں ہے کہ

"جب حاضر آستانہ ہوا تو اتفاق سے مجلس شریف میں کوئی شخص کہنے لگے کہ کوّے غلّہ کو بہت نقصان پہنچاتے ہیں۔ میں نے کہا فقہ کی کتابوں میں تو اس کوّے کو حلال لکھا ہے۔ حضرت امام ربانی میری اس تقریر کو سن رہے تھے۔ مسکرائے اور فرمایا "ہاں، کھانا شروع کردو، کسی طرح تو کم ہوں۔"

("تذکرۃ الرشید" از مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، مکتبہ خلیلیہ، سہارنپور (یوپی) ج۲ص۱۷۷)

مرے بیچارے کوّے! کسی کا غلّہ کھا جانے کی گستاخی مہنگی ثابت ہوئی۔ گنگوہی

صاحب نے فتویٰ کی کمان سے تیر چھوڑ دیا کہ "کوّے تمہارا غلّہ کھا گئے، اب تم کوّے کو کھا جاؤ۔"

گنگوہی صاحب کے حلت زاغ کے فتویٰ نے ملک بھر میں لوگوں کے درمیان موضوع سخن کی حیثیت حاصل کرلی۔ عوام دیوبندی علماء سے طنزیہ طور پر کوّے کا مسئلہ پوچھتے تھے۔ دیوبندی مولویوں کی حالت خراب تھی۔ کوّے کا فتویٰ ان کے پیشوا کا تھا جھٹلا نہیں سکتے تھے، لہٰذا انہوں نے اپنی جان چھڑانے کی ایک ترکیب ڈھونڈ نکالی اور وہ یہ کہ گنگوہی صاحب نے اپنے فتویٰ میں کوّا کھانا ثواب لکھا ہے۔ اس سے مراد یہ کوّا نہیں جو عام طور سے بستیوں میں پایا جاتا ہے بلکہ اس سے مراد عقعق کوّا ہے جو افغانستان میں ہوتا ہے۔ آج بھی کسی دیوبندی مولوی کو گنگوہی صاحب کا مذکورہ مسئلہ "فتاویٰ رشیدیہ" سے دکھاتے ہیں تو وہ یہی تاویل کرتا ہے کہ اس کوّے سے مراد افغانستان کا "عقعق" کوّا ہے حالانکہ مذکورہ فتویٰ میں اشارتاً یا کنایتاً بھی افغانستان کا یا عقعق کا ذکر تک نہیں لیکن گنگوہی صاحب کا دفاع کرنے کے لیے شروع سے آج تک یہی تاویل کی جا رہی ہے۔ گنگوہی صاحب کے اس فتوے نے دق کر رکھا تھا اور اب یہ عقعق کی بک بک کرتے ہیں، حالانکہ فتوے میں "زاغ معروفہ" یعنی کہ جانا پہچانا کوّا لکھا ہے۔ علاوہ ازیں تذکرۃ الرشید کی عبارت میں جو مذکور کوّے غلّہ کو نقصان پہنچا رہے تھے، وہ کیا خاص طور سے غلّہ کو نقصان پہنچانے کے لیے افغانستان سے ہندوستان تشریف لاتے تھے۔ نہیں، بلکہ یہی کوّے تھے جو عام طور سے بستیوں میں پائے جاتے ہیں اور انہیں کوّوں کو مار کر کھانے کے لیے گنگوہی صاحب نے کہا تھا۔ لیکن وائے ہٹ دھرمی!

گنگوہی صاحب کا دامن کوّے کے خون کے دھبوں سے بچانے کے لیے ان کے متبعین ہمیشہ "عقعق" کا گیت گا کر دق کرتے ہیں۔ جب ان سے یہ پوچھتے ہیں کہ اگر وہ کوّا عقعق نہ ہو تو کیا حکم ہے؟ فوراً جواب دیں گے کہ حرام ہے اور یہی ہمارے گنگوہی صاحب کی مراد ہے۔ آپ خوامخواہ جلدبازی میں آکر ہمارے حضرت گنگوہی کو بدنام کرتے ہیں۔ گنگوہی صاحب کا فتویٰ ہر کوئی سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ گنگوہی صاحب کے فتوے میں جو کوّا لکھا ہے اس سے افغانستان کا کوّا "عقعق" مراد ہے۔

اب قارئین کی خدمت میں ایک حوالہ ایسا پیش کر رہا ہوں کہ جس کو پڑھ کر دیوبندی مکتبہ فکر کے علماء کا عقعق کا ذوق دریائے حُزن میں غرق ہو جائے گا۔

"سوال: شرع کا کیا حکم ہے کہ کوّا دیسی جو عموماً بستیوں میں پایا جاتا ہے حلال ہے یا حرام، فقہاء نے بعض اقسام کوّے کو حلال لکھا ہے اور بعض کو حرام۔ اب یہ دریافت کرنا منظور ہے کہ یہ کوّا قسم حرام میں ہے یا حلال میں؟ بینوا توجروا۔

جواب: کتب فقہ میں تعین اقسام غراب میں الفاظ مختلف ہیں مگر جب فیصلہ خود کتب فقہ میں مذکور ہے کہ مدار اس کی خوراک پر ہے، پس یہ کوّا جو ان بستیوں میں پایا جاتا ہے اگر یہ عقعق نہ ہو، تو بھی اس کی حلت میں شبہ نہیں۔"

("تذکرۃ الرشید" از مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، مکتبہ خلیلیہ سہارنپور (یوپی) ج ۱ ص ۱۷۸)

مولوی رشید احمد گنگوہی کے متعلقین تو گنگوہی صاحب کا دفاع کرنے کے لیے فتویٰ کی کیا کیا تاویلیں کرتے پھرتے تھے لیکن ان تمام تاویلات پر خود گنگوہی صاحب نے پانی پھیر دیا اور اقرار کر لیا کہ میرا جو فتویٰ ہے وہ دیسی کوّے کے تعلق سے ہے۔ اگر یہ دیسی کوّا عقعق نہ ہو تب بھی کھانا حلال ہے اس میں کوئی شبہ نہیں۔ اب تو تاویل کی بھی گنجائش نہ رہی۔ کوّے کا مسئلہ اس دور میں اتنا زیادہ زیر بحث تھا کہ ہر شخص اس مسئلہ کا صحیح شرعی حکم معلوم کرنا چاہتا تھا۔ ہر مکتبہ فکر کے لوگ اپنے اپنے علماء سے کوّے کے مسئلہ میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ دیوبندی مکتبہ فکر کے علماء کی ذہنی حالت یہ ہو گئی تھی کہ جب ان سے کوئی شخص کوّے کے تعلق سے کوئی مسئلہ پوچھتا تھا تو وہ یہ بدگمانی کرتے تھے کہ یہ شخص ہمارا مذاق اُڑانا چاہتا ہے اور اس بدگمانی نے ان کو احساسِ کمتری میں اس حد تک مبتلا کر دیا کہ ان کا مزاج چڑچڑا ہو گیا تھا۔ مسئلہ دریافت کرنے والے سے چڑنے لگے تھے اور سائل کو مسئلہ کا جواب دینے کے بجائے اس کو آڑے ہاتھوں لینا شروع کر دیتے اور تلخ زبانی، بد اخلاقی، تُرش روئی اور بد تہذیبی کا مظاہرہ کرتے اور مسئلہ کا جواب دینے سے اپنی جان چھڑاتے جس کا اندازہ مندرجہ ذیل

اقتباسات کے مطالعہ سے ہو جائے گا:

○ وہابی دیوبندی مکتبہ فکر کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی کی ذہنی حالت کوّے کے مسئلہ میں اتنی چڑچڑی ہو گئی تھی کہ وہ سائل کو جواب دینے کے بجائے ذلیل کر دیتے تھے۔ حوالہ ملاحظہ ہو:

"سفر بمبئی میں ایک شخص نے حضرت والا سے یہ دریافت کیا کہ کوّے کی کئی قسمیں ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ کوّے کی قسمیں تو مجھ کو معلوم نہیں اگر آپ فرمائیں تو آدمی کی قسمیں بیان کر دوں اور یہ بھی عرض کر دوں کہ آپ کونسی قسم میں داخل ہیں، بس یہ شخص تو ایسے خاموش ہوئے کہ بول کر نہیں دیا۔"

("مزید المجید" تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ از مولوی عبدالمجید بچھرایونی، ناشر مکتبہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون، ملفوظ ۱۰ ص ۶)

○ ایک اور اقتباس پیشِ خدمت ہے۔ مولوی اشرف علی تھانوی کوّے کے مسئلہ میں سائل کو کیا جواب دیتے تھے، تھانوی صاحب کے اپنے الفاظ میں:

"جس زمانہ میں کوّے کے مسئلے میں شور غل ہوا، بہت لوگ میرے پاس مجھ سے پوچھنے آئے۔ میں ان سے پوچھتا کہ کیا کھاؤ گے؟ کہتے نہیں، میں کہتا کہ تو نہ بتاؤں گا۔ نہ تم پر پوچھنا، نہ مجھ پر بتانا فرض اور عقیدہ کا مسئلہ نہیں، میں کہتا ہوں جب ارادہ کھانے کا نہیں تو پوچھتے کیوں ہو کیونکہ یہ فروعی مسئلہ میں سے ہے، اصول میں سے نہیں۔"

("آداب افتاء و استفتاء" مرتبہ مولوی محمد زید مظاہری ندوی، باہتمام اقبال احمد قاسمی، ادارہ افادات اشرفیہ، ہتورا، باندہ (یوپی) ص ۵۲۰، "الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ" مکتبہ دانش دیوبند یوپی، ج ۱ قسط ۳ ملفوظ ۳۰۲ ص ۲۴۳)

علماء دیوبند کا یہ دعویٰ کہ ہم حق بات بتانے سے گریز نہیں کرتے، وہ دعویٰ مذکورہ بالا اقتباسات سے ڈھول کا پول ثابت ہوا ہے کیونکہ ایک فروعی مسئلہ میں بھی ان سے نہ ہاں کہتے بنتی تھی اور نہ ہی ناں کہتے بنتی تھی۔ لہٰذا کتمانِ حق کا ارتکاب کرتے ہوئے

بات کو ٹالنے کی ہی کوشش کی جاتی تھی۔

کوّے کے تعلق سے جب امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان سے استفتاء کیا گیا تو آپ نے مولوی رشید احمد گنگوہی کے فتویٰ کا رد بلیغ کرتے ہوئے کوّے کی کتنی قسمیں ہیں، ان تمام اقسام کی تفصیل بتانے کے ساتھ ہر قسم کے کوّے پر بحث کی اور فقہ کی کتابوں میں جو "غراب" کا تذکرہ ہے اس کی ایسی وضاحت کی کہ مسئلہ صاف ہو گیا کہ کوّا کھانا جائز نہیں ہے۔ آپ نے کوّے کے تعلق سے ایک مستقل کتاب ہی تصنیف فرما دی اور اس میں آپ نے اسلامی علوم کے ساتھ ساتھ علمِ حیوانات میں اپنی وسیع معلومات کا لوہا منوایا ہے۔ مذکورہ کتاب کا مطالعہ ہم کو امام احمد رضا محدث بریلوی کی وسعت علمی پر آفرین کہنے پر مجبور کر دے گا۔ اس تاریخی کتاب کا نام حسبِ ذیل ہے:

(۱) رَامِیُّ زَاغِیَانِ مُلَقَّبُ دَفْعِ زَیْغِ زَاغ۔ (۱۳۲۰ھ)

(۲۵) سجدۂ تعظیمی کا تنازعہ

سجدۂ تعظیمی کو بعض جہلاء نے رائج کیا اور اس کو جاہل صوفیوں اور پیروں نے فروغ دیا، خاص کر خواجہ حسن نظامی وغیرہ نے اس حرکت قبیحہ کو حسبِ استطاعت پہنچائی۔ جاہل صوفیوں نے پیروں کو سجدہ کرنے اور ان کے انتقال کے بعد ان کی قبر کو سجدہ کرنے کی بدعت کو پھیلایا اور کچھ خانقاہوں میں یہ خلافِ شریعت حرکت ہونے لگی، ایسی غیر شرعی خانقاہوں کا حوالہ دے کر مکتبہ فکر دیوبند کے علماء نے ہماری تمام خانقاہوں کو پوری طرح بدنام کر دیا۔ خانقاہوں پر اکتسابِ فیوض و برکات کے لیے جانے والے مسلمانوں کو بدعتی، قبر پرست اور مشرک وغیرہ کے خطابات دیئے گئے، حالانکہ بوسہ و طواف قبر سے لے کر سجدۂ تعظیمی تک ہر مسئلے میں تمام علماء اہلسنّت بالخصوص امام احمد رضا محدث بریلوی کا مسلک قرآن اور حدیث پر مبنی اور سلف صالحین کے طرز عمل کے مطابق ہے۔

خانقاہوں میں اور دیگر مقامات پر سجدۂ تعظیمی کی خلافِ شریعت حرکت کے ساتھ امام احمد رضا بریلوی بڑی سختی سے پیش آئے اور آپ نے قرآن مجید کی متعدد آیات، چالیس مستند احادیث، ایک سو دس فقہی نصوص اور بزرگانِ دین کے اقوالِ کثیرہ سے سجدۂ تعظیمی کے حرام ہونے پر ایک معرکتہ الآراء کتاب بنام "الزبدۃ الزکیہ" تصنیف فرمائی ہے، جس کو پڑھ کر اس سچے عاشق رسول اور پابند شریعت دیدہ ور عالم کی فکر سلیم اور نظر عمیق کا صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن افسوس کہ امام احمد رضا محدث بریلوی کے سامنے علمی جنگ میں کلک رضا کے زخمی علمائے دیوبند نے راہِ فرار اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ دروغ بیانی اور افتراپردری سے کام لے کر امام احمد رضا پر سجدۂ تعظیمی کی بدعت آفرینی کا الزام تھوپ دیا۔

سجدۂ تعظیمی کی تردید میں امام احمد رضا محدث بریلوی نے ترمذی شریف، سنن بیہقی، مسند احمد، حاکم، مستدرک، طبرانی، جامع کبیر، ابونعیم، ابوداؤد، ابن ماجہ، شرح معانی الآثار، نسائی، بخاری، تبیین الحقائق، غنیتہ، مبسوط، جامع صغیر، کتاب الاستحسان، عالمگیری، جامع الفصولین، مجمع النوازل، جامع الرموز، محیط، مجمع الانہر، فتاویٰ تاتار خانیہ، شرح ہدایہ، کافی شرح وافی، شرح کنز، تنویر الابصار، درمختار، ملتقی الابحر، فتاویٰ غرائب، شرح ملا علی قاری، طحطاوی علی الدر، ردالمحتار، وغیرہ جیسی سینکڑوں مستند کتابوں اور بے شمار افکار و آراء کا خلاصہ اور نچوڑ پیش کرتے ہوئے صاف لکھا ہے:

- "سجدہ حضرت جل جلالہ کے سوا کسی کے لیے نہیں۔ اس کے غیر کو سجدۂ عبادت تو یقیناً اجماعاً شرک مبین اور کفر مبین اور سجدۂ تحیتہ حرام و گناہ کبیرہ بالیقین۔"

- "سجدہ کہ جہال اپنے سرکش پیروں کو کرتے ہیں اور اسے پائیگاہ کہتے ہیں، بعض مشائخ کے نزدیک کفر ہے اور گناہ کبیرہ تو بالاجماع ہے۔ پس اگر اسے اپنے پیر کے لیے جائز جانے تو کافر ہے اور اگر اس کے پیر نے اسے سجدہ کا حکم کیا اور اسے پسند کرکے اس پر راضی ہوا تو وہ شیخ نجدی خود بھی کافر ہوا، اگر کبھی مسلمان تھا بھی۔"

○ "عالموں اور بزرگوں کے سامنے زمین چومنا حرام ہے۔"

○ "زمین بوسی حقیقتاً سجدہ نہیں کہ سجدہ میں پیشانی رکھنی ضرور ہے۔ جب یہ اس وجہ سے حرام اور مشابہ بُت پرستی ہوئی کہ صورتاً قریب سجود ہے تو خود سجدہ کس درجہ حرام اور بُت پرستی کا مشابہ تام ہوگا۔"

○ "مزارات کو سجدہ یا اس کے سامنے زمین چومنا حرام ہے۔"

○ "مزار کو سجدہ درکنار، کسی قبر کے سامنے اللہ عزوجل کو سجدہ جائز نہیں، اگرچہ قبلہ کی طرف ہو۔"

○ "مقبرہ میں نماز مکروہ ہے کہ اس میں غالباً کسی قبر کو منہ ہوگا اور قبر کی طرف نماز مکروہ ہے۔"

○ "قبرستان میں جب کوئی جگہ نماز کے لیے تیار کی گئی ہو اور وہاں قبر نہ ہو اور نہ نجاست مگر اس کا قبلہ قبر کی طرف ہو جب بھی نماز مکروہ ہے۔"

○ "مولیٰ علی، یا کسی صحابی، یا کسی امام تابعی، یا امام اعظم، امام شافعی، امام مالک، امام احمد و امام ابو یوسف، امام محمد، امام بخاری، امام مسلم یا ان کے کسی ایک شاگرد سے ثبوت صحیح دکھائے کہ انہوں نے کسی غیر خدا کو سجدہ کیا یا اسے جائز بتایا، ورنہ قرآن مجید میں جو کچھ کاذبین پر ہے، اس سے ڈرے اور جلد سے جلد توبہ کرے۔"

قارئین خود فیصلہ فرمائیں کہ مندرجہ بالا اقتباسات کے بعد بھی امام احمد رضا محدث بریلوی پر "قبر پرستی" کا الزام لگانا کہاں تک درست ہے۔ خدا اگر توفیق دے تو سجدۂ تعظیمی کی حرمت پر امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی مندرجہ ذیل تصانیف کا کم از کم ایک مرتبہ تو ضرور مطالعہ فرمائیں:

(۱) اَلزُّبْدَۃُ الزَّکِیَّۃُ فِیْ تَحْرِیْمِ سُجُوْدِ التَّحِیَّۃِ۔ (۱۳۳۷ھ)

(۲) مَفَادُ الْحِبْرِ فِی الصَّلٰوۃِ بِمَقْبَرَۃٍ اَوْ جَنْبِ قَبْرٍ۔ (۱۳۲۶ھ)

(۲۶) ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام

علماء دیوبند نے ہمیشہ یہی طرز عمل اختیار کیا کہ دین میں کوئی نہ کوئی نئی بات کھڑی کر کے مذہب کے نام پر مسلمانوں میں شورش پیدا کی، چاہے اصولی مسئلہ ہو یا پھر فروعی مسئلہ ہو، اپنے ترنگی دماغ سے اس میں نئی بات نکال کر پیچیدگی کھڑی کرنا لیکن حیرت کی بات تو یہ ہے کہ وہ اپنے فیصلے اور رائے میں خود ہی تذبذب کا شکار رہتے تھے۔ یعنی کبھی کچھ فتویٰ دیا اور کبھی کچھ۔ ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟ حالانکہ یہ کوئی پیچیدہ مسئلہ نہیں تھا بلکہ طے شدہ مسئلہ تھا کہ ہندوستان دارالاسلام ہے اور ہرگز دارالحرب نہیں کیونکہ دارالحرب اس کو کہتے ہیں کہ جہاں اسلام کا ایک بھی رکن یا شعار اسلام کا کوئی بھی کام ادا کرنے کی ممانعت ہو۔ ہندوستان میں پنج وقتہ نماز باجماعت، علی الاعلان اذان دینا، مساجد و مدارس، عید و قربانی جیسے اہم اور دیگر اسلامی شعائر کے کام بلا کسی روک ٹوک کے ادا کیے جاتے ہیں اور انشاء اللہ ہمیشہ ادا کیے جائیں گے، لہٰذا ہندوستان کو دارالحرب کہنا غلط ہے لیکن جدت پسند علمائے دیوبند نے سیاسی نظریہ کے تحت ہندوستان کے لیے دارالحرب کا فتویٰ دے دیا۔

○ مولوی رشید احمد گنگوہی نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کے تعلق سے تین فتوے دیئے ہیں لیکن ان میں تطبیق ہی نہیں۔

"سوال: ملک ہندوستان مملوکہ نصاریٰ اور ممالک محروسہ نوابانِ ہند اور راجگانِ دار حرب ہے یا دار اسلام اور کافران ملکوں کے حاکم ہوں یا محکوم، حربی ہیں یا ذمی، خواہ ہندو ہوں وہ کافر یا غیر ہندو اور کافرات حربیات ہیں یا ذمیات۔

جواب: سب ہندوستان بندہ کے نزدیک دارالحرب ہے اور یہاں کی کافرات حربیہ ہیں۔"

("فتاویٰ رشیدیہ" از مولوی رشید احمد گنگوہی، مکتبہ تھانوی دیوبند، ص ۵۹۴)

○ مولوی رشید احمد گنگوہی کا ایک اور فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

''سوال: ہند بقول امام یا صاحبین کیا دارالحرب ہے؟

جواب: ہند کے دارالحرب ہونے میں اختلاف علماء کا ہے۔ بظاہر تحقیق حال بندہ کی خوب نہیں ہوئی۔ حسب اپنی تحقیق کے سب نے فرمایا ہے اور اصل مسئلہ میں کسی کو خلاف نہیں اور بندہ کو بھی خوب تحقیق نہیں کہ کیا کیفیت ہند کی ہے۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔''

(''فتاویٰ رشیدیہ'' از مولوی رشید احمد گنگوہی، مکتبہ تھانوی دیوبند، ص ۵۰۵)

○ مولوی رشید احمد گنگوہی کا ایک اور فتویٰ پیشِ خدمت ہے:

دارالحرب ہونا ہندوستان کا مختلف علماء حال میں ہے۔ اکثر دارالاسلام کہتے ہیں اور بعض دارالحرب کہتے ہیں۔ بندہ اس میں فیصلہ نہیں کرتا۔''

(''فتاویٰ رشیدیہ'' از مولوی رشید احمد گنگوہی، کتب خانہ رحیمیہ دہلی، ج ۱ ص ۷)

حوالے کے تعلق سے ضروری نوٹ

فتاویٰ رشیدیہ پہلے تین جلدوں میں تھی لیکن بعد میں تین جلدوں کی ایک جلد کامل بنائی گئی اور بہت سے مسائل کا اس میں اندراج نہیں کیا گیا۔ مذکورہ حوالہ فتاویٰ رشیدیہ کے پُرانے نسخے میں موجود ہے لیکن نئے ایڈیشن میں اسے شاملِ اشاعت نہیں کیا گیا۔

گنگوہی صاحب کے تینوں فتووں کو بغور دیکھنے سے یہ بات ثابت ہوگی کہ ان کے یہاں تطبیق نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ پہلے فتویٰ میں یقین کے ساتھ ہندوستان کو دارالحرب کہہ رہے ہیں، دوسرے فتوے میں یہ کہہ رہے ہیں کہ ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام۔ اس کی تحقیق نہیں اور تیسرے فتوے میں اکثر علماء دارالاسلام کہہ رہے ہیں کا جملہ لکھ کر ہندوستان کے دارالاسلام ہونے کا دبے لفظوں میں اشارہ کیا ہے۔ یہ ہے علماء دیوبند کا تفقہ فی الدین۔ لگے ہاتھوں دیگر اکابر علمائے دیوبند کے نظریات کا بھی جائزہ لیں:

○ دارالعلوم دیوبند کے بانی مولوی قاسم نانوتوی نے فتویٰ دیا کہ

"ہندوستان دارالحرب است۔ (یعنی ہندوستان دارالحرب ہے)"

("قاسم العلوم" ج ۳ ص ۳۵)

○ بقول مولوی خلیل احمد انبیٹھوی:

"ہندوستان دارالحرب ہے۔ یہاں رہنا مسلمانوں کو حرام اور ہجرت کرنا واجب ہے۔"

("تذکرۃ الخلیل" از مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، مکتبہ خلیلیہ سہارنپور، ص ۳۴۹)

○ ہندوستان کے دارالحرب ہونے یا نہ ہونے کے ضمن میں دیوبندی مکتبہ فکر کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی کے تاثرات کا جائزہ لیں:

"کسی نے دریافت کیا کہ ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں۔ فرمایا کہ عموماً دارالحرب کے معنی غلطی سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ جہاں حرب واجب ہو۔ سو اس معنی میں تو ہندوستان دارالحرب نہیں کیونکہ یہاں بوجہ معاہدہ کے حرب درست نہیں۔"

("کمالات اشرفیہ" از مولوی محمد عیسیٰ الہ آبادی، ادارہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون، باب الملفوظ ۶۱۴، ص ۱۴۷)

○ ایک اور موقع پر مولوی اشرف علی تھانوی نے کہا کہ

"ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ دارالحرب کے معنی دارالکفر ہیں۔ لیکن پھر اس دارالحرب کی دو قسمیں ہیں: ایک دارالامن، ایک دارالخوف۔ دارالامن میں بہت احکام مثل دارالاسلام کے ہوتے ہیں سو ہندوستان دارالحرب ہے لیکن ہے دارالامن۔"

("الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ" از مولوی اشرف علی تھانوی، مکتبہ دانش دیوبند (یوپی) ج ۴ قسط ۱۹ ملفوظ ۸۷۷ ص ۴۲۶)

جب امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان سے اس مسئلہ میں رجوع کیا گیا تو آپ نے فتاویٰ عالمگیری، سراج وہاج، در، غرر، شرح نقایہ، تنویر الابصار،

درمختار، مجمع الانہر وغیرہ فقہ اسلامی کی معتبر کتابوں کے حوالوں سے ثابت کر کے لکھا کہ "الحاصل ہندوستان کے دارالاسلام ہونے میں شک نہیں"...... اس عنوان پر آپ نے علم و عرفان کا دریا بہاتے ہوئے ایک تاریخی کتاب تصنیف فرمائی جو واقعی قابلِ مطالعہ ہے۔ اس کتاب کا نام ہے:

(۱) اَعْلَامُ الْاَعْلَامِ بِاَنَّ ھِنْدُوْسْتَانَ دَارُالْاِسْلَامِ۔ (۱۳۰۶ھ)

(۲۷) روافض زمانہ کا فتنہ

کفر اور شرک کا فتویٰ دینے کے لیے علماء دیوبند نے ہمیشہ اہلسنّت و جماعت کے لوگوں کو تختہ مشق بنایا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کا بہانہ ڈھونڈ کر شرک کے بڑے بڑے فتوے دیئے لیکن اہلسنّت کے علاوہ گمراہ اور باطل گروہ کا معاملہ ہو تو فتویٰ بازی بھول جائیں گے اور ان کا چاہے جیسا بھی فساد عقیدہ ہو فتویٰ نہیں لگائیں گے بلکہ تاویلیں کریں گے۔ پچھلے صفحات میں آپ پڑھ ہی چکے ہو کہ صحابہ کرام کو کافر کہنے والے پر بھی علمائے دیوبند کفر کا فتویٰ نہیں لگاتے لیکن اگر کسی سنی مسلمان نے سہرا باندھ لیا، یارسول اللہ کہہ دیا بلکہ صرف اتنا ہی کہا کہ اگر خدا اور رسول نے چاہا تو فلاں کام ہو جائے گا، تو علمائے دیوبند اس پر شرک کا فتویٰ لے کر چڑھائی کر دیں گے، مثلاً:

○ مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب "بہشتی زیور" میں "کفر اور شرک کی باتوں کا بیان" عنوان کے تحت لکھا ہے کہ

> "کسی کو دُور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ اس کو خبر ہو گئی...... سہرا باندھنا...... یوں کہنا کہ خدا اور رسول ﷺ اگر چاہے گا تو فلاں کام ہو جائے گا......"

("بہشتی زیور" از مولوی اشرف علی تھانوی، ربانی بک ڈپو دہلی، ج۱ ص ۳۴-۳۵)

لیکن بڑے بڑے کفری عقائد رکھنے والوں کا دفاع کرنے کے لیے عجیب و غریب فتوے دیتے تھے اور عوام اور علماء کا امتیاز پیدا کرتے تھے، مثلاً:

○ مولوی رشید احمد گنگوہی کا ایک فتویٰ ملاحظہ ہو:

"ایک مرتبہ مولوی محمد حسن صاحب نے دریافت کیا کہ روافض کے بارے میں کیا رائے ہے؟ فرمایا ہمارے اساتذہ تو شاہ عبدالعزیز صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے وقت سے برابر تکفیر ہی کے قائل ہیں۔ بعضوں نے اہلِ کتاب کا حکم دیا ہے اور بعضوں نے مُرتد کا۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کی کیا رائے ہے؟ ارشاد فرمایا میرے نزدیک ان کے علماء کافر ہیں اور جہلاء فاسق۔"

("تذکرۃ الرشید" از مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، مکتبہ خلیلیہ سہارنپور (یوپی) ج ۲ ص ۲۸۶)

قارئین سوچیں کہ "بہشتی زیور" کے مذکورہ بالا فتوے میں مطلقاً کہا گیا ہے علماء اور جہلاء کا امتیاز نہیں برتا گیا کیونکہ وہ فتویٰ اہلسنّت کے لوگوں پر تھوپا گیا تھا لیکن جب رافضیوں کا معاملہ آیا تو علماء اور جہلاء کا امتیاز بتایا یعنی کہ کوئی جاہل رافضی کیسا ہی کفری عقیدہ رکھے اس کو کافر نہیں کہیں گے۔ اس کو جہالت کی رعایت کا فائدہ دیا جا رہا ہے لیکن اگر کسی جاہل سنی نے سہرا باندھ لیا یا صرف یا رسول اللہ کہہ دیا تو یہاں جہالت کی رعایت نہیں دی جاتی فوراً کفر اور شرک کے فتووں کی مشین گن شروع کر دی جاتی ہے۔

الحاصل! روافض، شیعہ، خارجی، غیر مقلد یا دیگر کوئی باطل عقیدہ رکھنے والا ہو، چاہے اس کے اقوال و افعال کفر کی حد تک پہنچتے ہوں، لیکن ان کو کافر کہنے میں علمائے دیوبند بہانے نکالیں گے کہ اہلِ قبلہ کو کیسے کافر کہیں؟ لیکن اہلسنّت و جماعت کے لوگوں نے محبت رسول میں اگر کوئی مستحب کام بھی کیا تو یہاں اہلِ قبلہ کی اصطلاح بھول جائیں گے اور بڑی دلیری اور بیباکی سے کفر اور شرک کا فتویٰ عنایت کریں گے۔

روافض زمانہ کہ پھر چاہے ان کے علماء ہوں یا جہلاء، ان کے کفری عقائد یقیناً حد ارتداد کو پہنچے ہوئے تھے۔ لیکن علماء دیوبند نے روافض زمانہ کے ساتھ نرمی برتی اور ان کو مُرتد کے بجائے اہلِ کتاب میں شمار کیا۔

مولوی رشید احمد گنگوہی نے رافضی سے نکاح کرنے تک میں رعایت برتی اور

روافض کو اہلِ کتاب کہا۔ گنگوہی صاحب کا فتویٰ پیشِ خدمت ہے:

"سوال: روافض و اہل سنن میں مناکحت جائز ہے یا نہیں؟
جواب: جن لوگوں کے نزدیک روافض کا حکم مُرتدین کا ہے ان کے نزدیک ہرگز نکاح جائز نہیں اور شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ کا فتویٰ اسی پر ہے اور جن لوگوں کے نزدیک رافضیوں کا حکم اہلِ کتاب کا ہے تو ان کے نزدیک رافضیہ عورت کا مرد سنی سے نکاح جائز ہے اور عورت سنیہ کا مرد رافضی سے جائز نہیں۔ اور بعض علماء نے جو ان کو فاسق کہا ہے تو ایسی صورت میں نکاح ہو جاتا ہے مگر یہ اچھا نہیں کہ اس میں فساد دین کا ہے اور بندہ کے نزدیک روافض کا حکم اہلِ کتاب کا ہے۔"

("تذکرۃ الرشید" از مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، مکتبہ خلیلیہ سہارنپور، ج ۱ص۱۲۶)

مذکورہ فتویٰ میں تو گنگوہی صاحب نے رافضیہ عورت کے ساتھ نکاح کے جواز کا راستہ بھی نکال لیا۔ لگتا ہے تمام باطل فرقہ والوں نے کوئی سینڈیکیٹ بنائی ہوگی کہ سینوں کے مقابلے میں ہم ایک ہیں، لہٰذا آپس میں ایک دوسرے کی تکفیر و مذمت نہیں کریں گے۔

علماء دیوبند کے رویہ نے مسلمان اہلسنت کے دلوں میں روافض زمانہ کے لیے ایک نرم گوشہ پیدا کر دیا۔ آج تک جن رافضیوں کو ان کے کفریات کی بنا پر مُرتد جانتے تھے اب ان کو صرف فاسق یا اہلِ کتاب کے مثل ماننے لگے اور نتیجہ یہ ہوا کہ رافضی مسلم معاشرے میں گھل مل گئے، یہاں تک کہ آپس میں شادی بیاہ بھی ہونے لگے۔ رافضیوں کے لیے مسلمانوں کے دلوں میں نفرت تھی۔ اس نفرت کو علمائے دیوبند نے اتنا کم کر دیا کہ لوگ روافض کے ساتھ تمام اسلامی معاملات کرنے لگے اور معاذ اللہ بہت سے لوگ آہستہ آہستہ رافضی عقائد کو اچھا کہنے لگے اور اپنانے بھی لگے۔

ایسے پراگندہ ماحول میں امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان نے ملت اسلامیہ کی سچی رہنمائی فرمائی اور روافض زمانہ کے رد میں "رد الرفضہ" نام کی کتاب تصنیف فرمائی۔ اس کتاب میں آپ نے روافض زمانہ کے عقائد کفریہ باطلہ

ثابت کیے۔ کچھ عقائد حسبِ ذیل ہیں:

- حضرت سیّدنا صدیق اکبر اور حضرت سیدنا فاروق اعظم کی خلافت کا انکار کیا۔
- حضور اقدس ﷺ کے علاوہ جتنے انبیاء کرام ہیں ان تمام سے حضرت علی مرتضٰی اور اہلِ بیت کا مرتبہ زیادہ مانتے ہیں۔
- اس وقت جو قرآن شریف موجود ہے وہ ناقص ہے۔ موجودہ قرآن سے قرآن زائدہ نازل ہوا تھا لیکن حضرات صحابہ کرام نے جو قرآن جمع کیا، وہ ادھورا جمع کیا ہے۔
- رافضیوں کا کہنا ہے کہ قرآن شریف میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرات اہلِ بیت کی فضیلت میں جو آیتیں تھیں وہ حضرت عثمان غنی نے نکال ڈالی ہیں۔
- حضرت شیخین اور دیگر صحابہ کرام کی شان میں تبرا کرنا ضروری جانتے ہیں۔
- حضرت امیر معاویہ و دیگر صحابہ کرام کو کافر جانتے ہیں، وغیرہ۔

مذکورہ عقائد باطلہ کی بنا پر امام احمد رضا نے روافض کی تکفیر فقہ کی معتبر کتابوں سے کی۔ مثلاً: سراجیہ، درمختار، طحاوی، فتح القدیر، فتاویٰ خلاصہ قلمی، خزانہ المفتین، ہدایہ، تبیین الحقائق، شرح کنزالدقائق مطبوعہ مصر، فتاویٰ عالمگیری، بدائع، بزازیہ، اشباہ، اتحاف الابصار والبصائر مطبع مصر، فتاویٰ القرویہ مطبع مصر، واقعات المفتین مطبع مصر، شرح نقایہ، فتاویٰ ظہیریہ، بحرالرائق مطبوعہ مصر، مجمع الانہر، شرح ملتقی الابحر مطبوعہ قسطنطنیہ، غنیہ شرح منیہ مطبوعہ قسطنطنیہ، مستخلص الحقائق شرح کنزالدقائق، شرح کنز مطبوعہ مصر، مراقی الفلاح مطبع مصر، نظم الفرائد مطبوعہ مصر، فتویٰ علامہ نوح آفندی، مجموعہ شیخ الاسلام، مغنی المستفتی، عقود الدریہ مطبع مصر، تنویر الابصار، فتاویٰ خیریہ، غرر متن درر مطبع مصر، فتاویٰ ہندیہ، طریقہ محمودیہ، حدیقہ ندیہ مطبع مصر، برجندی، شرح نقایہ وغیرہ پچاس سے بھی زیادہ کتابوں کی ڈیڑھ سو سے زیادہ عبارات کے عربی متن مع جلد اور صفحہ نمبر مرقوم فرمائے اور روافض کے لیے جو شرعی احکام ہیں وہ بیان فرمائے۔

مثلاً:

- رافضی علی العموم کافر اور مرتد ہیں۔
- رافضی کے ہاتھ کا ذبیحہ مردار ہے۔

- رافضی کے ساتھ نکاح صرف حرام ہی نہیں بلکہ خالص زنا ہے۔
- رافضیوں سے میل جول، سلام کلام گناہ کبیرہ اور اشد حرام ہے۔
- جو شخص رافضیوں کے ملعون عقائد پر مطلع ہو کر پھر بھی انہیں مسلمان جانے یا ان کے کافر ہونے میں شک کرے باجماع تمام ائمہ دین خود کافر و بے دین ہے۔

روافض زمانہ کے رد میں حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان کی حسب ذیل تصانیف ہیں:

(۱) رَدُّ الرَّفْضَۃِ۔(۱۳۲۰ھ)
(۲) اَلْاَدِلَّۃُ الطَّاعِنَۃُ فِیْ اَذَانِ الْمُلَاعَنَۃِ۔(۱۳۰۶ھ)
(۳) شَرْحُ الْمَطَالِبِ فِیْ مَبْحَثِ اَبِیْ طَالِبٍ۔(۱۳۱۶ھ)
(۴) جَمْعُ الْقُرْاٰنِ وَبِمَ عَزْوُہٗ لِعُثْمَانَ۔(۱۳۲۲ھ)
(۵) غَایَۃُ التَّحْقِیْقِ فِیْ اِمَامَۃِ الْعَلِیِّ وَالصِّدِّیْقِ۔(۱۳۳۱ھ)
(۶) اِعْتِقَادُ الْاَحْبَابِ فِی الْجَمِیْلِ وَالْمُصْطَفٰی وَالْاٰلِ وَالْاَصْحَابِ۔ (۱۲۹۸ھ)
(۷) یُعْتَبَرُ الطَّالِبُ فِیْ شُیُوْنِ اَبِیْ طَالِبٍ۔(۱۲۹۴ھ)
(۸) مَطْلَعُ الْقَمَرَیْنِ فِیْ اِبَانَۃِ سَبْقَۃِ الْعُمَرَیْنِ۔(۱۲۹۷ھ)
(۹) اَلْکَلَامُ الْبَہِیُّ فِیْ تَشَبُّہِ الصِّدِّیْقِ بِالنَّبِیِّ۔(۱۲۹۷ھ)
(۱۰) اَلزُّلَالُ الْاَنْقٰی مِنْ بَحْرِ سَبْقَۃِ الْاَتْقٰی۔(۱۳۰۰ھ)
(۱۱) لُمْعَۃُ الشَّمْعَۃِ لِہُدٰی شِیْعَۃِ الشَّنْعَۃِ۔(۱۳۱۲ھ)
(۱۲) وَجْدُ الْمَشُوْقِ بِجَلْوَۃِ اَسْمَاءِ الصِّدِّیْقِ وَالْفَارُوْقِ۔(۱۲۹۷ھ)

(۲۸) قبر پر اذان دینے کا اختلاف

میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دینے کا مستحب طریقہ ملت اسلامیہ میں صدیوں سے رائج ہے۔ دفن کے بعد فوراً ہی قبر میں مُردہ سے سوال ہوتا ہے، منکر نکیر

کے سوالوں کا جواب دینے سے بھکانے کے لیے شیطان قبر میں بھی دخل اندازی کرتا ہے۔ جب مُردہ سے فرشتے سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ تو اس وقت شیطان مُردہ کو بھکانے کے لیے اپنی طرف اشارہ کرتا ہے کہ میں تیرا رب ہوں۔ شیطان کے فریب سے مُردہ کو بچانے کے لیے دفن کے بعد فوراً اذان دی جاتی ہے کیونکہ حدیث شریف کے ارشاد کے مطابق جب موذن اذان کہتا ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر ہوا چھوڑتا ہوا بھاگتا ہے۔ قبر پر اذان دینے سے میت کو کل سات (۷) فائدے ہیں جس کی تفصیل امام احمد رضا محدث بریلوی کی کتاب "ایذان الاجر" میں مرقوم ہے۔

ملت اسلامیہ کو دینی، دُنیوی اور اُخروی فوائد سے محروم کر دینے کی اپنی پالیسی کے تحت دیوبندی مکتبہ فکر کے علماء نے دفن کے بعد قبر پر اذان دینے کو ممنوع اور بدعت قرار دے کر اموات مسلمین کے ساتھ بھی ناانصافی کی اور کر رہے ہیں۔ موجودہ دور میں تو اس مسئلہ میں دیوبندی گروہ کی جانب سے اتنی سختی برتی جاتی ہے کہ قبرستان میں بھی جھگڑے اور مار پیٹ تک نوبت پہنچ جاتی ہے یعنی کہ شہر خموشاں میں لیٹے ہوئے اموات کو بھی یہ لوگ خلل پہنچاتے ہیں۔

- مولوی رشید احمد گنگوہی کے فتاویٰ کے مجموعہ "فتاویٰ رشیدیہ" میں ہے کہ

  "اذان بعد دفن کے قبر پر بدعت ہے کہ کہیں قرونِ ثلاثہ میں اس کا ثبوت نہیں اور جو امر ایسا ہو، وہ مکروہ ہے تحریما۔"

  ("فتاویٰ رشیدیہ" از مولوی رشید احمد گنگوہی، مکتبہ تھانوی دیوبند، ص ۱۴۵)

- فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں ہے کہ

  "اذان دفن کے بعد مشروع نہیں بلکہ بدعت ہے۔"

  ("فتاویٰ دار العلوم دیوبند" از مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، دار العلوم دیوبند (یوپی) ج ۵ کتاب الصلوۃ (ربع چہارم) ص ۴۱۳)

علاوہ ازیں دیگر علمائے دیوبند اور تبلیغی جماعت کے مبلغین قبر پر اذان دینے کے خلاف مہم چلا کر اسے ترک کر دینے کے لیے مسلمانوں پر زبردستی کرتے ہیں۔ امام احمد رضا محدث بریلوی نے اپنی کتاب میں کل پندرہ (۱۵) دلیلیں دے کر قبر پر اذان دینا صرف

جائز ہی نہیں بلکہ مستحب ثابت کیا ہے۔ ۱۳۰۷ھ میں لکھی ہوئی اس کتاب کا جواب لکھنے کی کوئی دیوبندی مولوی ہمت ہی نہیں کرتا۔ اس کتاب کا تاریخی نام حسبِ ذیل ہے جو نمبرا پر درج ہے۔ علاوہ ازیں دفع بلا کے لیے جو اذان دی جاتی ہے اس کی بھی دیوبندی مکتبہ فکر کے علماء نے ممانعت کی ہے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی نے اس عنوان پر بھی مستقل کتاب تصنیف فرمائی ہے:

(۱) اِیْذَانُ الْاَجْرِ فِیْ اَذَانِ الْقَبْرِ۔ (۱۳۰۷ھ)

(۲) نَسِیْمُ الصَّبَا فِیْ اَنَّ الْاَذَانَ یُحَوِّلُ الْوَبَاءَ۔ (۱۳۰۲ھ)

(۲۹) عید کے مصافحہ و معانقہ کا اختلاف

عید کا دن یعنی کہ خوشی کا دن بلکہ لفظ عید کا اطلاق اصطلاح سماج میں خوشی کے لیے ہوتا ہے مثلاً کسی کو کوئی خوشی حاصل ہوتی ہے تو وہ یہی کہتا ہے کہ آج تو میری عید ہوگئی۔ علاوہ ازیں عید کے دن ہر مسلمان اپنی خوشی میں اپنے مسلمان بھائی کو شریک کر کے اپنی خوشی میں اضافہ کرتا ہے اور اپنے مسلم بھائی سے ہاتھ ملا کر یا سینے سے سینہ ملا کر عید کی مبارکباد دیتا ہے۔ دو بھائیوں میں یا دو دوستوں میں معمولی رنجش ہوگئی، دونوں کے دل میں ایک دوسرے کی محبت دبی ہوئی ہے لیکن صلح کا کوئی موقع نہ ملا اور اتفاق سے عید کی نماز کے بعد دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں۔ دل میں دبا ہوا محبت کا جذبہ اُبھرا اور عید کے بہانے دونوں ایسی گرمجوشی سے گلے ملے کہ ماضی کے سارے گلے شکوے کافور ہوگئے۔ اسلام نے اپنے دینی بھائیوں سے اخوت رکھنا، تعلقات قائم کرنا، اپنے دینی بھائیوں کا دل خوش کرنا، اپنے دینی بھائیوں کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کرنا وغیرہ اخلاقِ حسنہ کی تعلیم و ترغیب دی ہے۔

عید کے دن اپنے مسلمان بھائی سے ہاتھ ملانا یعنی کہ مصافحہ کرنا اور گلے ملنا یعنی کہ معانقہ کرنا ہمیشہ سے ملت اسلامیہ میں رائج تھا، اور ہے۔ اس میں کسی قسم کی کوئی خرابی نہیں بلکہ بھلائی ہی بھلائی ہے۔ لیکن علمائے دیوبند کو بھلائی کے اس کام میں بھی بدعت

کی بُرائی نظر آئی اور عید کے دن مصافحہ کرنا یا معانقہ کرنے کو بدعت اور مکروہ تحریمی یعنی کہ حرام کے قریب کا فتویٰ ٹھونک دیا۔

○ مولوی رشید احمد گنگوہی کے دو فتوے پیشِ خدمت ہیں:

"سوال: عیدین میں معانقہ کرنا اور بغلگیر ہونا کیسا ہے؟

جواب: عیدین میں معانقہ کرنا بدعت ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم۔"

("فتاویٰ رشیدیہ" از مولوی رشید احمد گنگوہی، مکتبہ تھانوی دیوبند، ص ۱۴۸)

نہ کسی کتاب کا حوالہ نہ کوئی دلیل، بس جو بھی جی میں آئے لکھ دو۔ علماء دیوبند کے اکثر فتاویٰ آپ کو دلائل سے بالکل خالی ہی ملیں گے۔ عید کا معانقہ بدعت کہہ دیا لیکن اس کے بدعت ہونے کی وجہ کیا ہے؟ یہ جان کر تو آپ حیرت کریں گے۔

○ گنگوہی صاحب کا فتویٰ کہ معانقہ کیوں بدعت ہے:

"سوال: معانقہ کرنا بالخصوص عیدین کے روز کس درجہ کا گناہ ہے۔ مکروہ ہے یا حرام؟

جواب: معانقہ و مصافحہ بوجہ تخصیص کے کہ اس روز میں اس کو موجب سرور اور باعث مودت اور ایام سے زیادہ مثل ضروری کے جانتے ہیں بدعت ہے اور مکروہ تحریمی۔"

("فتاویٰ رشیدیہ" از مولوی رشید احمد گنگوہی، ناشر مکتبہ تھانوی دیوبند، ص ۱۴۸)

مذکورہ فتوے میں گنگوہی صاحب یہ کہہ رہے ہیں کہ عید کے دن کو مصافحہ اور معانقہ کرنا دیگر ایام کے مقابلے میں موجب سرور یعنی کہ خوشی کا سبب اور باعث مودت یعنی کہ بھائی چارگی کی وجہ سمجھ کر کرتے ہیں اس لیے بدعت اور مکروہ تحریمی یعنی کہ حرام کے قریب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ عید کے دن خوشی اور بھائی چارگی کی وجہ سے مصافحہ اور معانقہ منع ہے۔ تو کیا عید کے دن خوشی اور بھائی چارگی کے بجائے غم اور غصہ کا اظہار کرنا چاہیے، تب ہی مصافحہ اور معانقہ جائز ہوگا؟ ایک اہم بات کی طرف ہم قارئین کی توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ سائل نے تو صرف معانقہ کے متعلق گنگوہی صاحب سے سوال کیا ہے لیکن گنگوہی صاحب معانقہ کے ساتھ ساتھ مصافحہ کو بھی اپنے غم و

غصّہ کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ گنگوہی صاحب نے "تذکرۃ الرشید" جلد اوّل صفحہ ۱۸۱ پر عید کا مصافحہ اور معانقہ کو صاف حرام لکھ دیا ہے۔ جو کام قوم مسلم کے مابین اتحاد کا باعث تھا اس کو علمائے دیوبند تفریق بین المسلمین کا اپنا مقصد حل کرنے کے لیے ناجائز میں شمار کرا رہے ہیں۔

○ مولوی اشرف علی تھانوی صاحب عید کے مصافحہ کے تعلق سے کہتے ہیں کہ

"فرمایا: عید کا مصافحہ میں ابتداءً تو نہیں کرتا، لیکن دوسرے کی درخواست پر کر بھی لیتا ہوں مگر مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ نہیں کرتے تھے کیونکہ بدعت ہے، میں مغلوب ہو جاتا ہوں۔"

("کلمتہ الحق" از مولوی عبدالحق سکنہ کونی، ناشر مکتبہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون، قسط ہشتم ملفوظ ۱۷۵، ص ۸۴)

تھانوی صاحب نے خود اپنی زبانی اپنے "بدعتی" ہونے کا اقرار کر لیا۔ عید کے مصافحہ کو بدعت کہا اور مصافحہ کیا بھی اور مصافحہ کرنے کی وجہ یہ بتائی کہ میں مغلوب ہو جاتا ہوں، واہ! کیا بہانہ ڈھونڈ نکالا! کیا مغلوب ہو جانے کی وجہ سے بدعت کا کام بلکہ گنگوہی صاحب کے قول کے مطابق حرام کام کر لینا روا ہو گیا؟ اور مغلوب بھی کیا ایسے تھے کہ مصافحہ کرنے کے لیے آنے والا ساتھ میں بندوق لے کر آیا تھا کہ اگر تھانوی صاحب اس کی درخواست پر مصافحہ سے انکار کرتے تو وہ تھانوی صاحب کو گولی مار دیتا؟ کیا ایسی مجبوری کے عالم میں مغلوب ہو کر تھانوی صاحب نے مصافحہ کیا تھا؟ یا پھر مروت میں مغلوب ہوئے تھے؟ اور اس طرح مروت میں آکر فعل بدعت کرنا جائز ہے؟ یہ ہے دیوبندی مکتبہ فکر کے مجدد اور حکیم الامت کا کردار۔

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان سے مذکورہ مسئلہ کے تعلق سے استفسار کیا گیا تو آپ نے عید کے معانقہ کے جواز پر کتب معتمدہ و معتبرہ کے حوالوں سے ایک تاریخی کتاب تصنیف فرمائی ہے۔ اس کی اشاعت کو ۱۰۵ سال کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن اس کا جواب لکھنے سے علماء دیوبند آج تک عاجز و ساکت ہیں۔ اس کتاب کا نام ذیل میں مرقوم ہے:

(۱) وِشَاحُ الْجِیْدِفِیْ تَحْلِیْلِ مُعَانَقَۃِ الْعِیْدِ۔ (۱۳۱۲ھ)

(۳۰) ایصالِ ثواب کے فاتحہ کا کھانا

قوم مسلم میں صدیوں سے یہ امر رائج ہے کہ اپنے مرحومین کے انتقال کے دن اور تاریخ کو ہر ماہ یا ہر سال فاتحہ دیتے ہیں اور اس کا ثواب اپنے مرحوم رشتہ داروں کو پہنچاتے ہیں۔ فاتحہ کا طریقہ سلف صالحین نے بھی محمود رکھا۔ فاتحہ میں کوئی بھی غیر شرعی ارتکاب نہیں کیا جاتا بلکہ کچھ کھانا پکا کر غرباء و مساکین کو کھلاتے ہیں اور کھانا کھانے سے قبل یا بعد میں کچھ آیاتِ قرآنی پڑھی جاتی ہیں اور اس پڑھنے کا اور کھانا کھلانے کا ثواب اپنے مرحومین کو بخشا جاتا ہے۔ ایصالِ ثواب کے اس طریقہ پر بھی دیوبندی مکتبہ فکر کے علماء نے گمراہیت سے بھری ہوئی بدعت کا فتویٰ دے دیا:

○ مولوی رشید احمد گنگوہی کے دو فتوے پیشِ خدمت ہیں:

”سوال: فاتحہ کا پڑھنا کھانے پر یا شیرینی پر بروز جمعرات درست ہے یا نہیں؟

جواب: فاتحہ کھانے یا شیرینی پر پڑھنا بدعت ضلالت ہے، ہرگز نہ کرنا چاہیے۔“

”سوال: تیجہ، ساتواں، دسواں، چالیسواں امور مذکورہ امام ابو حنیفہ کے مذہب اور فقہ کی کس معتبر کتب میں ہیں اور ان کا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: تیجہ، دسواں وغیرہ سب بدعت ضلالہ ہیں۔ اس کی اصل نہیں۔ نفس ایصالِ ثواب چاہیے۔ ان قیود کے ساتھ بدعت ہی ہے جیسا کہ اوپر کے جواب میں مرقوم ہو چکا ہے اور برادری کو ان ایام میں کھلانا یہ رسم ہے اور منع ہے۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔“

(”فتاویٰ رشیدیہ“ از مولوی رشید احمد گنگوہی، مکتبہ تھانوی دیوبند، ص ۱۵۴)

امام احمد رضا محدث بریلوی نے دیوبندی مکتبہ فکر کے علماء کے مندرجہ بالا

نظریات کا ایسا خوش اسلوبی سے تعاقب فرمایا کہ وہ بھی تعجب میں پڑ گئے۔ آپ نے مذکورہ مسئلہ کے تعلق سے ایک معرکتہ الآراء کتاب تصنیف فرمائی اور کتاب میں آپ نے مروجہ فاتحہ کے ثبوت میں حدیث اور علماء متقدمین کی معتبر کتابوں کے حوالوں کے ساتھ ساتھ دیوبندی مکتبہ فکر کے اکابر کی کتابوں کے بھی حوالے درج فرما دیئے۔ مثلاً امام الوہابیہ مولوی اسماعیل دہلوی کی کتابیں (۱) صراط مستقیم۔ (۲) زبدۃ النصائح اور فرقہ وہابیہ کے معلم ثالث مولوی خرم علی بلہوری کی کتاب "نصیحت المسلمین" سے مروجہ فاتحہ کا ثبوت دے دیا۔ اس کتاب کا نام مندرجہ ذیل ہے، علاوہ ازیں اس مسئلہ کے تعلق سے امام احمد رضا نے اپنے فتاویٰ میں بہت تفصیلی بحث فرمائی ہے اور چند اور کتابیں بھی لکھی ہیں:

(۱) اَلْحُجَّةُ الْفَائِحَةُ بِطِيْبِ التَّعْيِيْنِ وَالْفَاتِحَةِ۔ (۱۳۰۷ھ)

(۲) اَلْبَارِقَةُ الشَّارِقَةُ عَلَى الْمَارِقَةِ الْمَشَارِقَةِ۔ (۱۳۲۶ھ)

(۳) نِشَاطُ السِّكِّيْنِ عَلٰى حَلْقِ الْبَقَرِ السَّمِيْنِ۔ (۱۳۰۲ھ)

(۳۱) اولیاءاللہ کے مزارات پر چراغ جلانا

اللہ تبارک و تعالیٰ نے بے شمار انسان پیدا فرمائے لیکن وہ تمام انسان مراتب میں مساوی نہیں۔ یہود و نصاریٰ، کفار و مشرکین وغیرہ سے "مومنین" کو شانِ امتیاز حاصل ہے پھر مومنین میں بھی کئی قسم کے لوگ ہیں۔ انبیاء کرام کے علاوہ ولی، قطب، غوث، ابدال، سالک، صالح، نیک، بد، فاسق، فاجر، وغیرہ وغیرہ۔ اولیاء اللہ کو اپنی ظاہری حیات میں عامتہ المسلمین سے ایک امتیازی شان حاصل ہے۔ ان کی زندگی عامتہ المسلمین کے لیے نمونہ عمل و مشعل راہ ہے۔ ان کی وہی شانِ امتیازی ان کے انتقال کے بعد بھی لوگوں پر ظاہر ہوتی ہے اس نیت سے بزرگانِ دین کے مزارات پر قبہ، گنبد وغیرہ تعمیر کرنا، مزارات پر چراغاں و روشنی کرنا وغیرہ امور مندوبہ ملت اسلامیہ میں رائج ہیں، تاکہ کوئی انجان شخص بھی ان کی قبر کی امتیازی شان سے متاثر ہو کر ان کے متعلق کچھ جاننے

کی کوشش کرے اور ان کے حالاتِ زندگی سے واقفیت حاصل کر کے ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرے دین، دنیا اور آخرت کی بھلائی سے بہرہ مند ہو جائے گا۔

لیکن دیوبندی مکتبہ فکر کے علماء کا یہ عقیدہ ہے کہ انبیاء و اولیاء ہماری مثل ہیں۔ جب اولیاء کرام کی شانِ امتیازی ان دیوبندی حضرات کو قبول نہیں تو ان اولیاء کے انتقال کے بعد ان کی قبور کو شانِ امتیاز حاصل ہو، یہ عمل دیوبندی مکتبہ فکر کو کیسے منظور ہو سکتا ہے، لہٰذا وہ تمام افعالِ مستحسنہ جو صرف اولیاء کرام کی عظمت شان کے اظہار کے لیے کیے جاتے ہیں، ان تمام افعال پر دیوبندی مکتبہ فکر کے علماء نے ناجائز بدعت، حرام بلکہ شرک تک کے فتوے دے دیئے۔

○ مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنی کتاب میں بزرگانِ دین کے آستانوں کے متعلق لکھا ہے کہ

> "وہاں منتیں ماننا، اس پر غلاف ڈالنا، اس کے گرد روشنی کرنی، فرش بچھانا، پانی پلانا...... اس قسم کی باتیں کرے تو اس پر شرک ثابت ہوتا ہے۔"

("تقویۃ الایمان" از مولوی اسمٰعیل دہلوی، دار السلفیہ بمبئی، ص ۲۴-۲۵)

کسی مسلمان کو کافر یا مشرک کہہ دینا دیوبندی مکتبہ فکر کے علماء کے لیے کتنی آسان بات ہے کہ بزرگانِ دین کے آستانے پر پانی پلانے والے کو بھی مشرک کہہ دیا، علاوہ ازیں غلاف ڈالنا یا روشنی کرنا کو بھی شرک کہہ دیا۔

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان نے علمائے دیوبند کے اس فاسد نظریہ کا تعاقب فرمایا اور قرآن، احادیث اور کتب سلف صالحین کے حوالوں سے ان کے تمام اعتراضات کا ایسا جواب دیا کہ جواب الجواب لکھنے کا تصور بھی نہیں کرتے۔ آپ نے علمائے دیوبند کے تمام شبہات کا جواب دینے کے ساتھ ساتھ بزرگانِ دین کے مزارات کی عظمت اور شانِ رفعت میں جو کتابیں تصنیف فرمائی ہیں ان کتب کا مطالعہ کرتے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم علم کے بحرِ ذخار میں غوطہ زن ہیں۔ میری ناقص معلومات صرف حسبِ ذیل کتب تک ہی محدود ہیں:

(۱) بَرِيْقُ الْمَنَارِ بِشُمُوْعِ الْمَزَارِ۔ (۱۳۳۱ھ)

(۲) طَوَالِعُ النُّوْرِ فِیْ حُکْمِ السِّرَاجِ عَلَی الْقُبُوْرِ۔ (۱۳۰۴ھ)
(۳) اَلْاَمْرُ بِاِحْتِرَامِ الْمَقَابِرِ۔ (۱۲۹۸ھ)

(۳۲) معراجِ جسمانی کے انکار کا فتنہ

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوبِ اعظم ﷺ کو بحالت بیداری، ہوش و حواس اور جسم کے ساتھ معراج کرائی جس کے ثبوت میں آیاتِ قرآنی و احادیثِ متواتر بکثرت موجود ہیں۔ علاوہ ازیں تمام امت کا اجماع ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کو بحالت بیداری اپنے جسمِ اطہر کے ساتھ معراج ہوئی۔ لیکن اپنی ناقص عقل پر اور کچھ پڑھ لکھ لینے پر جن کو غرور اور تکبر تھا ایسے کچھ نیچری خیال کے لوگوں نے معراج نبی کے ایمانی واقعے کو ماننے سے انکار کیا اور واقعہ معراج کو نظرِ ایمان سے دیکھنے کے بجائے اپنی ناقص عقل کے پیمانے سے ناپا اور کہا کہ حضور ﷺ کو جسمانی معراج نہیں بلکہ معراجِ منامی یعنی نیند میں معراج کا خواب دیکھا تھا۔ (معاذ اللہ) مولوی شبلی نعمانی کی کتاب "سیرت النبی" میں معراجِ منامی کا اعتراف ہے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی نے اس مسئلہ پر علم و عرفان کے دریا بہا دیئے اور ثابت فرمادیا کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے جسمِ اقدس کے ساتھ سفرِ معراج فرمایا۔ اس عنوان پر آپ کی تصانیف حسبِ ذیل ہیں:

(۱) مُنَبِّهُ الْمُنْيَةِ بِوُصُوْلِ الْحَبِيْبِ اِلَى الْعَرْشِ وَالرُّوْيَةِ۔ (۱۳۲۰ھ)
(۲) نُعْمَانُ التَّاجِ فِیْ بَيَانِ الصَّلٰوةِ قَبْلَ الْمِعْرَاجِ۔ (۱۳۱۶ھ)

(۳۳) فتنہ دار الندوۃ العلماء

مولوی شبلی نعمانی نے علوم قدیمہ کی تعلیم و تعلم کو فروغ دینے کے نام پر لکھنؤ میں "ندوۃ العلماء" کے نام سے ایک درسگاہ قائم کی۔ تاریخ ادب اور سیر کے علوم کی

اعلیٰ معیار کی تعلیم حاصل کرنے کی بے مثال اور عظیم درسگاہ کی حیثیت سے ندوۃ العلماء کو شہرت دی گئی۔ ۱۸۹۴ء میں بمقام لکھنؤ ایک عظیم اجلاس منعقد کر کے پورے ملک میں ندوۃ العلماء کا تعارف کرایا گیا۔ امام احمد رضا محدث بریلوی نے ابتداءً ندوۃ العلماء کی مخالفت نہیں کی، بلکہ ۱۸۹۲ء کے اجلاس میں شرکت فرمائی اور تعلیمی نصاب کمیٹی کے ممبر بھی بنے۔ لیکن امام احمد رضا محدث بریلوی کی دُور رس نگاہ نے فوراً دیکھ لیا کہ یہ تحریک تو انگریزوں کی پروردہ اور انگریزوں کی نمک خوار ہے۔ علاوہ ازیں فرقہ باطلہ ضالہ کے علماء کا بھی ندوۃ العلماء پر کافی اثر تھا۔ فرقہ وہابیہ کے علماء نے ندوۃ العلماء کو عقائد وہابیہ کی اشاعت کا ذریعہ بنالیا، حالانکہ فرقہ وہابیہ کے علاوہ دیگر مکتبہ فکر کے علماء بھی کافی تعداد میں اس میں شریک ہوئے تھے۔ لیکن فکری اختلافات سے استحکام کے مفید نتائج کی کوئی اُمید نہ تھی، لہٰذا امام احمد رضا محدث بریلوی نے ندوہ سے علیحدگی اختیار کر لی اور ندوۃ العلماء کے طرزِ عمل سے اختلاف کر کے آپ نے حسبِ ذیل کتب تصنیف فرمائیں:

(۱) فَتَاوَی الْحَرَمَیْنِ بِرَجْفِ نَدْوَۃِ الْمَیْنِ۔ (۱۳۱۷ھ)
(۲) فَتَاوَۃُ الْقُدْوَۃِ لِکَشْفِ دَفِیْنِ النَّدْوَۃِ۔ (۱۳۱۲ھ)
(۳) سوالات حقائق نما بر دوس ندوہ العلماء۔ (۱۳۱۳ھ)
(۴) مُرَاسلات سُنّت وَندوہ۔ (۱۳۱۳ھ)
(۵) تَرْجَمَۃُ الْفَتْوٰی وَجْہِ بِدَمِ الْبَلْوٰی۔ (۱۳۱۷ھ)
(۶) خُلّص فوائد فتوٰی۔ (۱۳۱۷ھ)
(۷) مَآلُ الْاَبْرَارِ وَالْاٰمُ الْاَشْرَارِ۔ (۱۳۱۸ھ)
(۸) اِشْتِھَارَاتِ خَمْسَۃٌ۔ (۱۳۱۳ھ)
(۹) غَزْوَہ لِھَامِ سَمَاکِ دَارُ النَّدْوَہ۔ (۱۳۱۳ھ)
(۱۰) ندوہ کا تیجہ روداد سوم کا نتیجہ۔ (۱۳۱۳ھ)
(۱۱) بارش بہاری بر صدف بہاری۔ (۱۳۱۰ھ)
(۱۲) سُیُوْفُ الْعَنْوَۃِ عَلٰی ذَمَائِمِ النَّدْوَۃِ۔ (۱۳۱۵ھ)

(۱۳) صَمصَامُ القَیُّومِ عَلٰی تَاجِ النَّدوَۃِ عَبدِ القَیُّومِ۔ (۱۳۲۱ھ)

(۱۴) سوالاتِ علماء و جواباتِ ندوۃ العلماء۔ (۱۳۱۹ھ)

(۱۵) سرگزشت و ماجرائے ندوہ۔ (۱۳۱۳ھ)

(۱۶) سِکَّیْنِ وَنَوْرَہْ بر کاکل پریشان ندوہ۔ (۱۳۱۸ھ)

(۱۷) فَتْوٰی مَکَّۃ لِعَیْثِ النَّدْوَۃِ المَنْدَکَہ۔ (۱۳۱۷ھ)

(۳۴) کفن پر کلمہ شریف لکھنے کا تنازعہ

مسلمان کا انتقال ہونے پر اسے نہلا کر کفن پہنا کر بہت ہی ادب و احترام کے ساتھ دفن کیا جاتا ہے۔ میت کو جو کفن پہنایا جاتا ہے اس پر مٹی یا روشنائی سے کلمہ شریف، عہدنامہ شریف وغیرہ لکھنے کا طریقہ ابتدائے اسلام سے ملت اسلامیہ میں رائج ہے اور احادیث میں بھی اس کا ثبوت تفصیل سے موجود ہے جیسا کہ حضور اقدس ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت کثیر بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جو حضور کے صحابی بھی ہیں انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے انتقال کے پہلے اپنے کفن پر کلمۂ شہادت لکھا۔ کفن پر کلمۂ شہادت یا عہدنامہ لکھنے کا مقصد صرف یہی ہوتا ہے کہ میت کے لیے اُمید مغفرت ہو۔ اس فعل کی تائید امیرالمومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد امام اجل طاؤس تابعی نے تو اپنے کفن پر عہدنامہ لکھے جانے کی وصیت فرمائی اور حسبِ وصیت ان کے کفن پر عہدنامہ لکھا گیا۔

لیکن جیسا کہ اگلے صفحات میں قارئین سے عرض کیا گیا کہ ہر وہ کام جو مسلمان کے دینی اور اُخروی فائدہ کے لیے ملت اسلامیہ میں ایک ہزار برس سے بھی زیادہ عرصہ سے رائج ہیں، ان تمام امور مندوبہ مستحسنہ کو وہابی دیوبندی مکتبہ فکر کے علماء نے خلافِ اسلام، ممنوع، بدعت وغیرہ قرار دے کر بند کروائے اور اپنی کتابوں میں ان کاموں کو ترک کرنے کی تاکیدیں لکھیں۔ مثلاً:

○ مولوی اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے کہ

"مسئلہ نمبر۹: کفن میں یا قبر میں عہد نامہ یا اپنے پیر کا شجرہ یا اور کوئی دعا رکھنا درست نہیں۔ اسی طرح کفن پر یا سینہ پر کافور سے یا روشنائی سے کلمہ وغیرہ یا کوئی اور دعا لکھنا بھی درست نہیں۔"

("بہشتی زیور" از مولوی اشرف علی تھانوی، ربانی بک ڈپو دہلی، حصہ ۲ مسئلہ ۹ ص ۱۲۶)

نہ کسی کتاب کا حوالہ نہ فقہ کی کسی کتاب کی کوئی عبارت کہ جو ممانعت پر دلالت کرتی ہو، کچھ بھی ثبوت نہیں اور بے دھڑک ممانعت لکھ دی۔ صرف تھانوی صاحب ہی نہیں بلکہ دیوبندی مکتبہ فکر کے علماء کی اکثریت کا یہی طرز عمل رہا ہے کہ جی میں جو آئے لکھ مارو، جس کا اندازہ "فتاویٰ دار العلوم دیوبند" کے مندرجہ ذیل فتوے کا مطالعہ کرنے سے ہو جائے گا۔

"سوال: میت کی کفنی پر کلمہ شریف مٹی سے لکھا کرتے ہیں اور میت کو قبر میں رکھنے کے بعد ایک خام اینٹ پر کلمہ شریف لکڑی سے لکھ کر میت کے سر کے پاس مغرب کی جانب رکھتے ہیں۔ نیز مٹی کے چند چھوٹے چھوٹے ڈھیلوں پر ایک شخص موجودین میں سے قل شریف پڑھ کر کل ڈھیلوں کو میت کے ساتھ لحد میں ڈالتے ہیں۔ یہ امور جائز ہیں یا کیا؟

جواب: یہ سب امور خلافِ شریعت ہیں اور ان کی کچھ اصل نہیں ہے۔ ایسی رسوم کو چھوڑنا چاہیے۔"

("فتاویٰ دار العلوم دیوبند" از مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، دار العلوم دیوبند (یوپی)

ج ۵ مسئلہ ۳۰۱۱ ص ۳۸۱)

مذکورہ فتویٰ بھی دلیل و حوالہ سے بالکل خالی ہے۔ اپنے ذہن کی فہرستِ خود ساختہ میں کفن پر کلمہ لکھنا اہلسنّت و جماعت کا کام ہے، اس لیے خلافِ شریعت کام کا فتویٰ عنایت فرما دیا۔

امام احمد رضا محدث بریلوی سے کفن پر کلمہ شریف، عہد نامہ یا اور کوئی دُعا لکھنا، قبر میں عہد نامہ، شجرہ یا اور کوئی تبرک رکھنا وغیرہ کے تعلق سے سوال پوچھا گیا۔ آپ نے

امام ابو القاسم صفار، امام نصیر بن یحییٰ، امام محمد بزازی، علامہ مدقق علائی، امام فقیہ بن عجیل، امام ترمذی وغیرہ کے اقوال معتبر کتابوں مثلاً معجم طبرانی، درمختار، فتاویٰ کبریٰ المکی، وجیز، مصنف عبدالرزاق، نوادر الاصول سے نقل فرمائے اور کفن پر کلمہ لکھنا جائز ثابت کیا۔

پھر امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان نے صحیح بخاری، طبرانی، ابن حبان، حاکم، مسند الفردوس، بیہقی وغیرہ جیسی مستند کتب احادیث سے وافر دلائل مع عربی عبارت نقل فرما کر کفن پر کلمہ شریف لکھنے کے جواز میں ایک تاریخی کتاب تصنیف فرمائی جس کا مطالعہ ہر ذی علم سے یقیناً داد تحسین حاصل کرے گا۔ ۱۰۹ سال ہوئے لیکن علمائے دیوبند کو اس کتاب کا جواب لکھنے کی ابھی تک فرصت نہیں ملی۔ اس کتاب کا نام ہے:

(۱) اَلْحَرْفُ الْحَسَنُ فِی الْکِتَابَۃِ عَلَی الْکَفَنِ۔ (۱۳۰۸ھ)

(۳۵) بزرگوں کے نام کا پالا ہوا جانور

جتنے بھی حلال جانور ہیں ان کو "بسم اللہ، اللہ اکبر" کہہ کر ذبح کرنا ضروری ہے، بس صرف اتنی سی بات ہے پھر جو جانور ذبح کیا گیا وہ چاہے زید کا ہو، عمرو کا ہو، یا کسی کا بھی ہو اس جانور کو ذبح کرنے والے نے ذبح کرتے وقت تکبیر کہہ کر ذبح کیا تو اب اس کے حرام ہونے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ زید یا عمرو کا جانور ہونا حلت کے لیے مانع نہیں اضافت کی وجہ سے حرمت نہیں ہوتی۔

ملت اسلامیہ میں صدیوں سے ایک امر رائج تھا کہ بزرگانِ دین کی عقیدت میں لوگ کھانا پکا کر کھلاتے اور اس کا ثواب بزرگانِ دین کی بارگاہ میں بطور نذرانہ پیش کرتے۔ کھانا پکانے کے لیے گوشت کی جو ضرورت ہوتی تھی وہ گوشت اچھی کوالٹی کا ہو اس غرض سے لوگ گھر کے پالے ہوئے جانور استعمال میں لاتے یا اپنے گھروں میں جانور کو پالتے۔ مثال کے طور پر ماہ ربیع الآخر میں پیرانِ پیر، پیر دستگیر، حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیاز کا پلاؤ یا بریانی بنانے کے لیے اگر کسی نے مہینہ دو مہینہ اکم

زیادہ عرصہ پہلے کوئی بکرا لیا اور کوئی جانور خرید لیا اور اپنے گھر میں پالا اور نیت یہ تھی کہ گیارہویں شریف میں اس کو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر کے اس کے گوشت سے سرکار غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیاز کا کھانا بناؤں گا۔ یہ رسم مسلم قوم میں صدیوں سے رائج اور مشروع تھی۔ علماء، صلحاء، فقہاء، سلف وغیرہ نے اس طریقہ کو محمود رکھا۔ لیکن وہابی دیوبندی مکتبہ فکر کے علماء نے مذکورہ طریقہ پر پالے ہوئے جانور کو حرام بلکہ شرک تک کہہ دیا اور وجہ یہ بتائی کہ یہ بزرگ کے نام سے منسوب ہو گیا لہٰذا حرام اور شرک کا یہ فتویٰ بھی بزرگانِ دین کی عداوت کی عکاسی کرتا ہے کیونکہ مذکورہ طریقہ سے جو جانور پالا جاتا تھا وہ جانور بزرگانِ دین کے نام سے منسوب ہو جاتا تھا کہ یہ بکرا گیارہویں شریف میں کٹے گا۔ بس یہی اضافت اور نسبت تھی جو علمائے دیوبند کو کھٹکی۔

○ مولوی اسمٰعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان میں شرک کی مختلف شکلیں لکھی ہیں:

"کوئی کسی کے نام کا جانور کرتا ہے۔"

("تقویۃ الایمان" از مولوی اسمٰعیل دہلوی، دارالسلفیہ بمبئی، ص ۱۷)

○ مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب "بہشتی زیور" میں "شرک اور کفر کی باتوں کا بیان" عنوان کے تحت لکھا ہے کہ

"کسی کے نام پر جانور ذبح کرنا...... کسی جانور پر کسی بزرگ کا نام لے کر اس کا ادب کرنا۔"

("بہشتی زیور" از مولوی اشرف علی تھانوی، ربانی بک ڈپو دہلی، حصہ ا ص ۳۵)

شواہد سے یہ بات ثابت ہے کہ غوث پاک کی نیاز کے بکرے کو غوث پاک کا نام لے کر ہرگز ذبح نہیں کیا جاتا بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے نام پر ذبح کیا جاتا ہے۔ ذبح کرنے والا دوسرا ہوتا ہے اور مالک دوسرا ہوتا ہے۔ لیکن علماء دیوبند بس ایک ہی بات پر اڑے ہیں کہ بزرگانِ دین سے اس جانور کو کیوں منسوب کیا؟ حرام ہو گیا، شرک ہو گیا۔ (معاذ اللہ)

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان سے گوالیار (ایم۔پی) سے اس مسئلہ کے متعلق استفتاء آیا۔ آپ نے اس مسئلہ پر پوری ایک کتاب تصنیف فرمائی اور

بزرگانِ دین کے نام پر پالے گئے اور اللہ کے نام پر ذبح کیے گئے جانور کے حلال ہونے کا ثبوت فقہ کی معتبر کتابوں سے دیا ہے اور اس میں چند اہم باتیں لکھی ہیں، مثلاً:

- حلت و حُرمت ذبیحہ میں ذبح کرنے والے کے حال، قول اور نیت کا اعتبار ہے۔
- مسلمان کا جانور کوئی مجوسی بھی اگر اللہ کا نام لے کر ذبح کرے گا تو بھی حرام ہے۔
- مجوسی کا جانور مسلمان نے تکبیر کہہ کر ذبح کیا، تو حلال ہے۔
- زید کا جانور عمرو ذبح کرے لیکن ذبح کرتے وقت عمرو قصداً تکبیر نہ کہے اور جانور کا مالک چاہے سو بار تکبیر کہتا رہے، پھر بھی جانور حرام ہے۔
- زید کا جانور عمرو ذبح کرے اور ذبح کے وقت جانور کا مالک زید ایک مرتبہ بھی تکبیر نہ کہے اور ذبح کرنے والا عمرو تکبیر کہہ کر ذبح کرے تو حلال ہے۔
- تمام صورتوں میں ذبح کرنے والے کے حال نیت کا اعتبار مانا جائے گا اور اس شکل خاص میں انکار کرنا محض تحکم باطل ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس کتاب کا تاریخی نام حسبِ ذیل ہے:

(۱) سُبُلُ الْاَصْفِیَاءِ فِیْ حُکْمِ الذَّبْحِ لِلْاَوْلِیَاءِ۔ (۱۳۱۲ھ)

(۳۶) تنازعہ خلافت غیر قریش

۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی سے حکومت کا اقتدار چھین کر انگلستان کی حکومت نے اکھنڈ بھارت (غیر منقسم ہندوستان) کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لیا اور تب سے مسلمانانِ ہند کے زوال اور انگریزوں کے عروج کی ابتدا ہوئی۔ اس موقع کو غنیمت جان کر مشرکین ہند نے اپنا اقتدار قوی بنانے کی تدابیر شروع کر دیں۔ انگریزوں کے لیے مسلمان وجہ خوف تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں سے اقتدار چھینا گیا ہے۔ لہٰذا ہمارے سامنے علمِ بغاوت یہی قوم بلند کرے گی۔ قومِ مسلم کی بہادری اور جوانمردی کی تاریخ سے بھی وہ اچھی طرح واقف تھے، لہٰذا وہ بہت ہی محتاط بن کر ہر قدم اٹھاتے تھے۔ بظاہر مسلمانوں سے ہمدردی کا اظہار کرتے تھے لیکن درپردہ قومِ مسلم کی جڑیں کھوکھلی

کرنے کے لیے آڑے وقتوں میں مسلمانوں کو آگے کر کے ان کو قربانی کا بکرا بناتے رہے۔ مخلص قومِ مسلم انگریزوں کی اس پالیسی سے غافل تھی۔ ہندوستان کی دو بڑی قوموں کو یعنی کہ ہندو اور مسلم قوم میں تنازعہ کی خلیج کو وسیع کرنے کے لیے انگریزوں نے خفیہ طور پر ہندوؤں کو سہلایا اور بڑھاوا دیا' اسی نظریہ کے تحت ۱۸۸۵ء میں انگریزوں نے ہی انڈین نیشنل کانگریس قائم کی۔ ہندو لیڈر "بال گنگا دھر تلک" اور ان کے ہمنواؤں نے کانگریس کی آڑ میں ہندو تہذیب و تمدن کو مسلمانوں پر مسلط کرنے کی کوشش کی لیکن ان کا یہ ارادہ عیاں ہو جانے سے مسلمان متنبہ ہو گئے۔ پھر ۱۹۰۴ء میں انگریز وائسرائے "لارڈ کرزن" نے ہندو مسلم اختلافات میں اضافہ کرنے کی نیت سے صوبہ بنگال کو ایسٹ اور ویسٹ دو حصوں میں تقسیم کیا اور اس کو وجہ بنا کر ہندو مشتعل ہو گئے۔ بالآخر ۱۹۱۱ء میں لارڈ ہارڈنگ نے بنگال کی تقسیم کو منسوخ کر کے ہندو قوم کی حوصلہ افزائی کی۔

کچھ عرصہ کے بعد ۱۹۱۴ء میں پہلی عالمی جنگ (First World War) یورپ میں شروع ہوئی۔ اس جنگ میں جرمنی' ترکی اور آسٹریا نے باہمی تعاون کا معاہدہ کیا اور وہ متفق ہو کر ایک فریق کی حیثیت سے تھے۔ ان کے مقابل جو فریق تھا اس میں انگلستان' امریکہ' اٹلی' فرانس اور روس نے سنڈیکیٹ قائم کی۔ اس عالمی جنگ میں انگلستان کا اصلی مقصد ترکی کی سلطنت عثمانیہ کو ختم کرنا تھا اور اسی لیے ترکی کے خلاف امریکہ' فرانس' اٹلی اور روس کا جو گروپ تھا اس میں شامل ہوا تھا کیونکہ ترکی کی حکومت بڑی قوی اور عظیم حکومت تھی۔ ایران' عراق' اردن' جزیرۃ العرب' ممالک خلیج وغیرہ ترکی کے زیرِ اقتدار تھے اور اس وجہ سے ترکی کسی بھی محاذ پر انگلستان کو خاطر میں نہیں لاتا تھا بلکہ اس کے مقابل میں ہمیشہ آمادۂ جنگ رہتا تھا لہٰذا حکومتِ انگلستان کسی بھی قیمت پر ترکی کی سلطنت عثمانیہ کو ختم کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

حکومتِ انگلستان درحقیقت بین الاقوامی سطح پر اسلام کو ضربِ شدید پہنچانا چاہتی تھی۔ اسی نظریہ کے تحت ابن عبدالوہاب نجدی کو خرید کر "وہابی مذہب" کی بنیاد رکھی تھی' جس کی گفتگو یہاں نہیں کرنی۔ عالمی جنگ میں ترکی کے محاذ پر انگلستان شدید حملہ

کرنا چاہتا تھا لیکن اس کے پاس آدمیوں کی قلت تھی۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے اس نے ہندوستان کی اقوام کا استعمال کرنا چاہا۔ ہندو قوم تو ترکی کے خلاف لڑنے کے لیے خوشی خوشی رضامند ہوگئی لیکن سوال تھا ہندوستان کے مسلمانوں کو رضامند کرنے کا کیونکہ بغیر مسلمانوں کی شمولیت کے ہندو کارآمد نہ تھے، لہٰذا حکومتِ برطانیہ نے اس وقت کے نام نہاد مسلم لیڈروں اور باطل فرقہ کے ملاؤں کو اعتماد میں لیا۔ وسیع پیمانے پر ان کو دولت دی اور ان کو اس کام پر لگایا کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کو حکومتِ برطانیہ کی حمایت میں ترکی کے خلاف لڑنے کے لیے تیار کریں۔ ایمان فروش اور ضمیر فروش لیڈروں کو حکومتِ برطانیہ نے یہ لالچ دیا تھا کہ اگر اس جنگ میں ترکی کو شکست ہوئی تو ترکی کی سلطنت عثمانیہ کا اقتدار ہم ہندوستان کے مسلمانوں کے حوالے کر دیں گے، لہٰذا سلطنت عثمانیہ کے اقتدار کے حصول کے لالچ میں ان لیڈروں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ لیڈروں نے عوام مسلمین کو روشن مستقبل کے سنہرے خواب دکھائے، ملاؤں نے مذہب کا سہارا لے کر حکومت سے وفاداری کی راگنی بجائی اور حکومت برطانیہ کی حمایت میں فضا ہموار کرلی۔

نام نہاد مسلم لیڈر کرسی کے لالچ میں ایک عظیم اسلامی حکومت کو ختم کرنے کے لیے مستعد ہوگئے تھے۔ لیڈروں نے اقتدار کے حصول کے ماقبل ہی خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے مولوی ابوالکلام کو نامزد کرلیا تھا اور رات دن اسی امید و آرزو میں تھے کہ کب ترکی کی حکومت کا زوال ہو تاکہ ہمارے اقتدار کا آفتاب طلوع ہو۔ ہندوستان سے گروہ در گروہ افراد حکومت برطانیہ کی حمایت میں ترکی سے لڑنے کے لیے روانہ ہوئے۔ ان میں مسلمان بھی تھے اور ہندو بھی تھے۔ مسلمانوں کو نام نہاد مسلم لیڈروں نے اُکسایا تھا اور ہندو قوم کو مسٹر ایم۔ کے۔ گاندھی نے ترغیب دی تھی۔ پورا ملک ہندوستان حکومتِ برطانیہ کی نصرت و حمایت میں لگا ہوا تھا لیکن ہندوستان کے باشندوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ حکومتِ برطانیہ ان کے ساتھ خطرناک کھیل کھیل رہی ہے۔ ہندوستان کی بھولی بھالی عوام اپنے لیڈروں کے بہکاوے میں آکر ناواقفیت میں اپنے ملک کا عظیم نقصان کر رہے تھے۔ لیڈروں نے قوم پر ایسا رُعب اور تسلط قائم کر رکھا تھا کہ ان کے خلاف ہونا،

تمام آفات کو دعوت دینا تھا۔ سیاسی لیڈروں نے مذہب کا استعمال سیاسی مفاد کے لیے کرنے سے بھی اجتناب نہیں کیا۔ ماحول ایسا پراگندہ تھا کہ صدائے حق بلند کرنے کے لیے دل، گردے کی ضرورت تھی اور اگر کوئی ہمت کر کے صدائے حق بلند کرنے کی کوشش کرتا تو اس کی آواز نقار خانے میں طوطی کی آواز کی مانند دبا دی جاتی تھی۔

امام احمد رضا محدث بریلوی پر اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے محبوب اعظم (جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم) کا وہ کرم تھا کہ آپ بے شمار صلاحیتوں کے حامل تھے۔ امام احمد رضا سیاست سے الگ رہتے ہوئے بھی سیاست کی گتھیوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ بین الاقوامی اُمور (International Affairs) میں بھی آپ دُور رس نگاہ رکھتے تھے۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ نام نہاد مسلم لیڈر انگریزوں کے ایماء و اشارے پر پوری قوم کو ناواقفیت کی راہ پر چلا کر ملک اور مذہب دونوں کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ آپ کے جذبہ ایمانی نے آپ کو کفن بردوش مجاہد کی حیثیت سے میدان میں لا کھڑا کر دیا۔

آپ نے انگریزوں کی حمایت میں ترکوں سے لڑنے کے لیے جانے والوں کو روکا، قومِ مسلم کو سمجھایا کہ یہ سب انگریزوں کی چال ہے اور موجودہ حالات سے متاثر نہ ہونے کی تلقین کی۔ آپ نے صدائے حق بلند کرتے ہوئے لوگوں کو متنبہ کیا کہ

○ ترکی کی سلطنت عثمانیہ ہماری اسلامی حکومت ہے، انگریزوں کی حمایت میں اس سے جنگ کرنا شرعاً جائز نہیں۔

○ انگریز نصاریٰ ہیں، اسلام کے قدیم دشمن ہیں اور وعدہ خلافی کرنا ان کے لیے معمولی بات ہے۔ انہوں نے مسلمانوں سے خصوصی طور پر جو وعدہ کیا ہے کہ اس جنگ میں فتح حاصل ہونے پر ترکی کی سلطنت عثمانیہ کا اقتدار مسلمانانِ ہند کے حوالے کیا جائے گا، اس وعدے سے وہ انحراف کریں گے اور وعدہ خلافی کر کے تم کو دھوکہ دیں گے۔

○ عوام ہند کو مطلقاً یہ امید دلائی گئی تھی کہ اس جنگ میں اگر فتح حاصل ہو گئی تو غیر منقسم بھارت کو "سوراج" دے کر آزاد کر دیں گے لیکن یہ بھی صرف ایک فریب ہے۔

ایک اہم نکتہ کہ جو بین الاقوامی امور میں مہارت پر مبنی اور اپنے مادرِ وطن کی وفاداری پر دلالت کرتا ہے۔ وہ نکتہ امام احمد رضا محدث بریلوی نے بارہا فرمایا تھا کہ

○ "جس "سوراج" کی امید میں تم انگریزوں کی حمایت کر رہے ہو اس سوراج کو تم اپنے ہی ہاتھوں موخر کر رہے ہو کیونکہ اگر اس عالمی جنگ میں حکومت انگلستان کو فتح ہوئی تو .. فتح کی وجہ سے طاقتور ہوگی اور اس کا اثر یہ ہوگا کہ ہندوستان کی آزادی کا خواب جلدی پورا نہیں ہوگا' لہٰذا اگر تم ہندوستان کی آزادی کے صحیح معنی میں حامی ہو تو اس جنگ عظیم میں حکومت برطانیہ کی حمایت ہرگز نہیں کرنی چاہیے' بلکہ عدم تعاون اور مخالفت کر کے شکست دلانی چاہیے تاکہ وہ کمزور ہو جائے اور ہم ان کے کمزور ہاتھوں سے اپنی آزادی آسانی سے چھین لیں۔

○ نام نہاد مسلم لیڈروں نے سلطنت عثمانیہ کے اقتدار کے حصول کے جو خواب دیکھے تھے اور پہلے سے بحیثیت خلیفۃ المسلمین مولوی ابوالکلام آزاد کو نامزد کر لیا تھا اس کے رد میں آپ نے ایک تاریخی کتاب بھی تصنیف فرمائی اور اس میں آپ نے یہ بتایا کہ امیرالمومنین یا خلیفۃ المسلمین کے لیے شرعاً سات شرطیں ہیں: (۱) اسلام۔ (۲) عقل۔ (۳) بلوغ۔ (۴) حریت۔ (۵) ذکورت۔ (۶) قدرت۔ (۷) قرشیت۔ اس وضاحت کے بعد امام احمد رضا نے مؤرخانہ اور محققانہ انداز میں اسلامی تاریخ پر سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے اور اجمالی جائزہ لیتے ہوئے حقائق و شواہد کی روشنی میں یہ ثابت کیا کہ ہر دور میں خلیفہ کے لیے قرشیت کو شرعاً شرط سمجھا گیا ہے۔ بعدہ خلیفہ کا درجہ سلطان سے بہت بڑا ہے' یہ ثابت کیا اور خلیفہ و سلطان میں کیا فرق ہے' تفصیل سے بتایا اور دونوں کے اختیارات مراتب' لوازم اور شرائط پر فاضلانہ بحث فرمائی۔

○ ۱۹۱۹ء میں جنگِ عظیم ختم ہوئی۔ امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے جو پیشین گوئیاں کی تھیں وہ تمام کی تمام حرف بحرف صحیح ثابت ہوئیں۔ انگریز اپنے وعدہ سے پھر گئے اور ہندوستان کی تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا۔"

خدا توفیق دے تو امام احمد رضا کی خلافت کے عنوان پر لکھی گئی اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں، اس کتاب کا نام ہے:

(۱) دَوَامُ الْعَیْشِ فِی الْاَئِمَّةِ مِنْ قُرَیْشٍ۔ (۱۳۳۹ھ)

(۳۷) فتنہ خلافت کمیٹی

سلطنت عثمانیہ کے اقتدار کے حصول کے لالچ میں مسلمانانِ ہند نے اپنے گمراہ کرنے والے لیڈروں کے دامِ فریب میں آ کر حکومت برطانیہ کی حمایت کی۔ ۱۹۱۹ء میں پہلی عالمی جنگ کا اختتام ہوا۔ اس جنگ میں جرمنی اور اس کے ساتھی ملک آسٹریلیا اور ترکی کو شکست ہوئی۔ انگریز اپنے وعدہ سے پھر گئے، نہ مسلمانوں کو سلطنت عثمانیہ کا اقتدار حوالے کیا اور نہ ہی ہندوستان کو آزاد کیا۔ انگریزوں کی وعدہ خلافی نے ہندوستان کے عوام کو مشتعل کر دیا۔ لوگ جنگ عظیم کے دوران انگریزوں کے حامی اور ناصر تھے، وہ اب مخالف بن گئے۔ سیاسی حضرات کے خواب ادھورے رہ گئے تھے، لہٰذا وہ یہ چاہتے تھے کہ انگریزوں کو وعدہ خلافی کی سخت سے سخت سزا دی جائے، اس لیے انہوں نے پھر دوبارہ مسلمانوں کے جذبات کو ابھارا لیکن اب ان کا داؤ الگ تھا، جس سلطنت عثمانیہ کو ختم کرنے کے لیے انگریزوں کی حمایت کی تھی اسی سلطنت عثمانیہ کی ہمدردی کا رونا شروع کیا۔ لوگوں کو باور کرایا کہ ترکی کی سلطنت اسلامی سلطنت ہے اور ہماری اس سلطنت پر انگریزوں نے ظلم کیا ہے اور ہمیں اس سلطنت عثمانیہ کی حفاظت کے لیے جان دینا فرض ہے۔ لوگوں کے سامنے انگریزوں کے ظلم و ستم کی داستان یہ سیاسی لیڈر سنا رہے تھے۔ بہت سے نیک طبیعت و مخلص علماء سیاست کے داؤ پیچ سے ناواقفیت اور سادہ دلی کی وجہ سے سیاسی لیڈروں کے ساتھ شریک ہو گئے۔ پھر کیا تھا؟ لوگوں میں جذبات کا ایسا طوفان برپا ہوا کہ لوگوں نے مذہبی شعور اور سماجی دانش کا دامن بھی چھوڑ دیا اور "خلافت کمیٹی" کے پرچم تلے تحریکِ خلافت بڑے ہی شدومد کے ساتھ چلائی گئی۔

اس تحریک میں گاندھی نے بھی شرکت کی اور چند مہینوں کے بعد ایک نیا قدم

اٹھایا گیا۔ ۱۹۲۰ء میں مسٹر ایم۔ کے۔ گاندھی کے ایماء و اشارے پر ترکِ موالات کا آغاز کیا گیا اور اس میں اتنی شدت برتی گئی کہ ترک موالات کی تحریک کی مخالفت کرنے والے کو کافر اور غدار کا فتویٰ دیا جاتا تھا لیکن تحریک ترک موالات ۱۹۲۲ء میں ختم ہو گئی کیونکہ ۱۹۲۲ء میں ترکی کے سلطان عبدالحمید خاں کو غازی مصطفیٰ کمال پاشا نے معزول کر دیا۔ سلطان ترکی کے معزول ہوتے ہی مسٹر گاندھی نے کچھ اور بہانے بنا کر تحریک ترک موالات کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔

کچھ اور تحریکیں بھی تحریک ترک موالات کے ساتھ ساتھ عمل میں آئی ہوئی تھیں مثلاً: (۱) تحریکِ ہجرت۔ (۲) تحریکِ ترکِ گاؤ کشی۔ (۳) تحریکِ کھدر۔ (۴) تحریکِ ترکِ حیوانات وغیرہ۔

امام احمد رضا محدث بریلوی نے ان تمام تحریکات اور سیاسی حالات و حادثات کا گہری اور دُور رس نگاہ سے مطالعہ کیا تو یہی بات سامنے آتی تھی کہ "تحریک کے نام پر لوگوں کے ایمان تباہ و برباد کیے جا رہے ہیں۔ سیاست کے نشے میں اندھے ہو کر مسلمان اپنے اسلامی شعائر چھوڑ کر شعائر کفر اپنا رہے ہیں۔ مسلمانوں نے خلافت عثمانیہ پر کیے گئے ظلم و ستم کا انتقام لینے کی آگ میں ہندوؤں کی ہمنوائی اس حد تک منظور کر لی کہ اس آگ میں اپنے ایمان بھی جلا بیٹھے۔ چنانچہ اس دور میں شعائر کفر مسلم لیڈروں نے اور ان کے ہمنواؤں نے علی الاعلان اپنائے۔ اپنی پیشانی پر قشقہ لگوایا، ارتھیوں کو کندھا دای، مرگھٹ تک گئے، قرآن کو مندروں میں لے جا کر اس کو وید اور گیتا کے ساتھ ترازو کے ایک پلّہ میں رکھا گیا اور ان کو مساوی قرار دیا۔ مسٹر گاندھی کو مبعوث من اللہ کہا، گائے کی قربانی ترک کرنے کے لیے اصرار کیا، جے کے نعرے لگائے، کافروں کو مسجد میں لے جا کر انہیں اپنا رہبر قرار دے کر منبرِ رسول پر بٹھایا، وغیرہ وغیرہ۔ اس وقت مسلمان ہندوؤں سے اتحاد کے ایسے دلدادہ ہو گئے تھے کہ انہوں نے اپنے مذہب کے اصولی قواعد اور اسلامی روایات کو بھی نظر انداز کر دیا اور جو کام شرعاً شرک اور کفر تھے ان کاموں کو بھی بے دھڑک کیا۔

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان نے ایسے پراگندہ ماحول میں

ملت اسلامیہ کی رہبری فرمائی اور مسلمانوں کے ایمان کے تحفظ اور ان کے مذہبی اصول و حقوق کی اہمیت اور اس کا جو حق ہے، اس کی نشاندہی فرمائی اور یہ تنبیہہ فرمائی کہ تم جن کو اپنا خیر خواہ سمجھ کر ان کو خوش کرنے کے لیے اپنے ایمان بھی برباد کر رہے ہو، وہ موقع پاتے ہی تمہیں ہلاک کرنے کی کوئی بھی تدبیر باقی نہیں چھوڑیں گے۔ اور یہی ہوا بھی، کیونکہ آریہ سماج نے تحریک شدھی سنگھٹن کے ذریعہ مسلمانوں کو مُرتد بنا کر ان کو ہندو تہذیب و تمدن اپنانے کے لیے مجبور کرنے کی ایک زبردست تحریک چلائی تھی۔

امام احمد رضا محدث بریلوی نے بلاخوف لومتہ لائم اپنی تحریروں، تقریروں اور فتاویٰ میں اپنے خیالات کا شریعت کی روشنی میں اظہار فرمایا کہ "ساری اقوام مسلمانوں کی دشمن ہیں، خواہ وہ انگریز ہوں، خواہ یہودی، خواہ کفار و مشرکین، خواہ ستارہ پرست و آتش پرست۔"

امام احمد رضا محدث بریلوی کا کہنا تھا کہ ان تمام تحریکوں نے مسلمانوں کو ہر اعتبار سے ضعیف اور کمزور کر دیا ہے اور کفار مشرکین کو مضبوط اور طاقتور بنا دیا ہے، لہٰذا مسلمان اپنے مذہب کے دائرے سے باہر ہرگز نہ جائیں اور اپنا ہر کام چاہے وہ دینی ہو یا دُنیوی، تجارتی ہو، سماجی ہو، سیاسی ہو، کچھ بھی ہو، پہلے اس کو شریعت اسلامی کے قوانین سے پرکھو، اگر وہ کام شریعت کے مطابق ہو تو اپناؤ ورنہ اس سے باز رہو۔ امام احمد رضا نے شریعت کے قوانین کی روشنی میں ایک معرکتہ الآراء اور تاریخی کتاب تصنیف فرمائی اور صاف صاف لکھ دیا کہ

- "مسلمانوں کے لیے ہندو مسلم اتحاد مضر اور غیر مفید ہے۔
- اس اتحاد سے نجات پانے کے لیے اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کرو۔
- موالات ہر کافر سے حرام ہے۔
- البتہ معاملات اور لین دین اصل کافر سے جائز ہے۔"

امام احمد رضا کی اس عنوان پر جو کتاب ہے اس کا نام مندرجہ ذیل ہے:

(۱) اَلْمُحَجَّۃُ الْمُؤْتَمَنَۃُ فِیْ آیَۃِ الْمُمْتَحَنَۃِ۔ (۱۳۳۹ھ)

(۳۸) فتنہ تحریک ترک قربانی گاؤ

تحریک خلافت کمیٹی، تحریک ترک موالات کے ساتھ ساتھ گائے کی قربانی ترک کرنے کی تحریک نام نہاد مسلم لیڈروں نے چلائی۔ اس تحریک کا واحد مقصد ہندوؤں کو خوش کرنا تھا کیونکہ ہندو مذہبی نقطۂ نظر سے گائے کو معظم بلکہ ماں کے برابر مانتے ہیں اور گائے کو قتل کرنے سے ہندوؤں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچتی تھی۔ حالانکہ گائے کی قربانی کے ضمن میں ہندوؤں نے کئی مقامات پر غریب مسلمانوں پر تشدد اور ظلم کیے تھے اور گائے کی قربانی سے جبراً روکتے تھے۔ لیکن لیڈروں کو اپنی روٹیاں پکانے سے مطلب تھا۔ اگر گائے کی قربانی ترک کرنے سے ہندو عوام اور ہندو لیڈر خوش ہو جاتے ہیں اور اس وجہ سے ہماری سیاسی ترقی ہو جاتی ہے تو ہم مسلمانوں کو گائے کی قربانی ترک کرنے کے لیے سمجھائیں گے، لہٰذا ان نام نہاد مسلم لیڈروں نے عوام مسلمین میں یہ تحریک چلائی کہ ہم اپنے ہندو بھائیوں کا دل خوش کرنے کے لیے گائے کی قربانی ترک کر دیں۔ اس بہکاوے میں آکر بہت سے مسلمانوں نے گائے کی قربانی ترک کر دی۔ سیاسی لوگوں نے اس مسئلہ کو اتنا فروغ دیا کہ گائے کی قربانی کرنا معیوب سمجھا جانے لگا اور گائے کی قربانی کرنے والے کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ اسی ڈر کی وجہ سے بہت سے مسلمانوں نے گائے کی قربانی ترک کر دی، حالانکہ وہ دل سے گائے کی قربانی کرنا چاہتے تھے لیکن ماحول کی سنگینی کی وجہ سے گائے کی قربانی کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔

ایسے ماحول میں امام احمد رضا محدث بریلوی نے ملت اسلامیہ کی رہنمائی فرمائی اور یہ بتایا کہ گائے کی قربانی کرنا مسلمانوں کا مذہبی شعار ہے اور وہ اپنے مذہبی شعائر کو دوسرے لوگوں کی خوشنودی کے لیے کبھی نہیں چھوڑ سکتے اور غیر منقسم ہندوستان میں مسلمانوں کو اپنے مذہبی شعائر بجالانے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ اس عنوان پر امام احمد رضا نے دلائل و شواہد سے لبریز ایک اہم تاریخی دستاویز کی شکل میں ایک بے مثال کتاب تصنیف فرمائی اور گائے کی قربانی کرنے سے مسلمانوں کو روکنے والے نام نہاد

مسلم لیڈروں کے ہفوات کا اچھا خاصا تعاقب فرمایا۔ اس کتاب کا نام مندرجہ ذیل مرقوم ہے:

(۱) اَنْفَسُ الْفِکْرِ فِیْ قُرْبَانِ الْبَقَرِ۔ (۱۲۹۸ھ)

(۳۹) حرکت زمین کا اختلاف

تھوڑا بہت پڑھا لکھا شخص بھی زمین، آسمان، چاند، سورج ستارے وغیرہ کا جغرافیہ اور اس کی ہیئت سے کچھ نہ کچھ واقفیت ضرور رکھتا ہے۔ جدید تعلیم اور سائنسی ٹیکنالوجی کے دور میں یہ بات عام کر دی گئی ہے کہ زمین حرکت کرتی ہے، یعنی کہ گھومتی ہے۔ زمین کا یہ گھومنا آفتاب کے ارد گرد ہے اور زمین کی دو قسم کی حرکتیں (۱) حرکت مستقیمہ (Rotatory Motion) اور (۲) حرکت مستدیرہ (Revolving Motion) بتائی جاتی ہیں۔ ان دونوں حرکتوں کو ہندی زبان میں (۲۱) بھرمن ( ) (۲) پری بھرمن ( ) کہا جاتا ہے۔ عام طور سے لوگوں کا یہ نظریہ ہے کہ زمین حرکت کرتی ہے لیکن اسلامی نقطہ نظر سے یہ نظریہ غلط ہے۔ حق یہ ہے کہ زمین حرکت نہیں کرتی بلکہ ساکن ہے۔

زمین ساکن ہے اس کا ثبوت قرآن سے ہے لیکن کچھ لوگوں کو مستثنیٰ کر کے مسلمانوں کی بھاری اکثریت اس عقیدہ سے ناواقف ہے بلکہ اس کے برعکس حرکت زمین کی قائل ہے۔

۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۹ھ کو موتی بازار، لاہور (پاکستان) سے مولوی حاکم علی صاحب مجاہد کبیر نے امام احمد رضا محدث بریلوی کی خدمت میں ایک استفتاء بھیجا جس میں زمین حرکت کرتی ہے ایسے کچھ دلائل لکھے اور اختتام میں امام احمد رضا کو اپنے نظریات سے متفق ہو جانے کی گزارش کرتے ہوئے لکھا کہ:

> "غریب نواز کرم فرما کر میرے ساتھ متفق ہو جاؤ تو پھر انشاء اللہ تعالیٰ سائنس کو اور سائنس دانوں کو مسلمان کیا ہوا پائیں گے"۔

("نزول آیاتِ فرقان بہ سکون زمین و آسمان" از امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ

الرحمۃ، حسنی پریس بریلی، ص ۴)

جب یہ خط امام رضا کی خدمت میں آیا تب آپ سخت بیمار و علیل تھے۔ چار آدمی کرسی پر بٹھا کر نماز باجماعت ادا کرانے مسجد میں لے جاتے تھے۔ ایسی علالت کی حالت میں آپ نے مولانا حاکم علی صاحب کو قرآن و حدیث سے مدلل اور مزین جواب کی شکل میں ایک مستقل کتاب میں جواب دیا۔ علامہ نظام الدین حسن نیشاپوری کی تفسیر رغائب القرآن، علامہ جلال الدین سیوطی کی در منثور، صراح، تفسیر عنایۃ القاضی، معالم التنزیل، تفسیر ارشاد العقل السلیم، تفسیر ابن ابی حاتم، قاموس، صحیح بخاری، مسلم شریف، ترمذی، نہایہ، مجمع البحار، تفسیر ابن عباس، تفسیر کبیر، خازن وغیرہ کتب معتبرہ کے حوالوں سے قرآن مجید کی کل دس آیتوں سے استدلال کر کے ثابت کیا کہ:

- اسلامی مسئلہ یہ ہے کہ زمین و آسمان دونوں ساکن ہیں، کواکب چل رہے ہیں۔
- اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کو روکے ہوئے ہے کہ کہیں اپنے مقرو مرکز سے ہٹ نہ جائیں اور جنبش نہ کریں۔

یہ تمام دلائل لکھنے کے بعد امام احمد رضا نے مولانا حاکم علی صاحب مجاہد کبیر کا جملہ کہ سائنس کو مسلمان کیا ہوا پائیں گے کا جواب دیتے ہوئے ارقام فرمایا کہ:

> "محب فقیر سائنس یوں مسلمان نہ ہوگی کہ اسلامی مسائل کو آیات و نصوص میں تاویلات دُور از کار کر کے سائنس کے مطابق کر لیا جائے، یوں تو معاذ اللہ اسلام نے سائنس قبول کی نہ کہ سائنس نے اسلام۔ وہ مسلمان ہوگی تو یوں کہ جتنے اسلامی مسائل سے اسے خلاف ہے سب میں مسئلہ اسلامی کو روشن کیا جائے۔ دلائل سائنس کو مردود پامال کر دیا جائے۔ جابجا سائنس ہی کے اقوال سے اسلامی مسئلہ کا اثبات ہو۔ سائنس کا ابطال و اسکات نہ ہو، یوں قابو میں آئے گی"۔

("نزول آیاتِ فرقان بہ سکون زمین و آسمان" از امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ، حسنی پریس بریلی، ص ۲۵)

- ۱۵۳۰ء تک پوری دنیا کے سائنس دان یہاں تک کہ نصاریٰ بھی زمین کے

ساکن ہونے کے قائل تھے، لیکن ۱۴۷۳ء میں پولینڈ میں کوپر نیکس نامی سائنس دان پیدا ہوا جس کی موت ۱۵۴۲ء میں ہوئی، نے یہ نیا نظریہ پیش کیا کہ زمین آفتاب کے گرد حرکت کرتی ہے۔

○ ۱۵۷۱ء میں بمقام (Wiel) کپلر نامی سائنس دان پیدا ہوا اور اس نے سیاروں کی حرکت (Planetary Motion) کا اصول بنایا۔ علاوہ ازیں اس نے کوپر نیکس کے حرکت زمین کے نظریات کی تائید کی۔ کیپلر ۱۶۳۰ء میں موت کی آغوش میں پہنچا۔

۱۵۶۴ء میں اٹلی (Italy) میں گیلے لیو (Galileo) نام کا سائنس دان پید ہوا، جس نے دوربین (Telescope) ایجاد کیا ہے۔ اس نے بھی کوپر نیکس کے حرکت زمین کے نظریہ کی تائید کی اور اس میں اضافہ کرتے ہوئے زمین کی حرکت مستقیمہ (Revolving Motion) اور حرکت متدیرہ کا (Rotatory Motion) کا نظریہ قائم کیا۔ گیلے لیو کی موت ۱۶۴۲ء میں واقع ہوئی ہے۔

مذکورہ سائنس دانوں نے حرکت زمین کا جدید نظریہ دنیا کو باور کرا دیا اور دنیا نے ان کے ساتھ اتفاق کیا۔ تب سے پوری دنیا میں متفقہ طور پر حرکت زمین کے نظریہ کو تسلیم کیا جارہا ہے۔

○ ۱۶۴۲ء میں انگلینڈ میں آئزک نیوٹن نام کے سائنس دان نے کشش ثقل اور حرکت کا نظریہ پیش کیا۔ نیوٹن کی موت ۱۷۲۷ء میں واقع ہوئی۔

علاوہ ازیں دنیا کے دیگر مشہور سائنس دانوں نے بھی حرکت زمین کے نظریہ کی تائید کی۔ حرکت زمین کے رد میں آیاتِ قرآنی و احادیث کی روشنی میں امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ و الرضوان کی کتاب "نزول آیاتِ فرقان بہ سکون زمین و آسمان" کا مختصر جائزہ اس عنوان کی ابتداء میں ہم کر چکے لیکن وہ کتاب صرف قرآن و حدیث کے دلائل پر مبنی ہے۔ غیر مسلم سائنس دان اس کو تسلیم نہیں کریں گے۔ لہٰذا امام احمد رضا نے اس عنوان پر "فوز مبین در رد حرکت زمین" نام کی ایک اور کتاب بھی تصنیف فرمائی ہے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی کو علوم جدیدہ میں مہارت تامہ حاصل تھی لیکن آپ

نے ان تمام علوم کو اسلامی علوم کا تابع بنا کر ان علوم جدیدہ کا استعمال دین کی خدمت کے لیے کیا، جس کا صحیح اندازہ فوز مبین کے مطالعہ سے بخوبی ہو جائے گا۔ فوز مبین کتاب میں امام احمد رضا محدث بریلوی نے:

○ کل ۱۰۵ (ایک سو پانچ) دلیلوں سے زمین کا حرکت کرنا باطل ثابت کیا ہے۔

○ مذکورہ کتاب میں آپ نے (۱) علم طبیعیات (Temperament Physics) (۲) علم کیمیا (Chemistry) (۳) علم جغرافیہ (Geography) (۴) علم ہیئت (Astrophsics) (۵) علم توقیت (Ephemerics) (۶) علم نجوم (Astrology) (۷) علم ریاضی (Mathematics) (۸) لوگارثم (Logarithm) (۹) علم مثلث کروی (Spherical Trignometry) (۱۰) علم مثلث مسطح (Linear Or Surface Trignometry) (۱۱) علم زیجات (Astronomy) (۱۲) علم ہندسہ (Geometry) وغیرہ کا استعمال فرمایا ہے۔

○ مذکورہ کتاب میں آپ نے (۱) فلسفہ قدیمہ (Old Philosophy) (۲) رفتار (Speed) (۳) حرکت (Velocity) (۴) وزن (Weight) (۵) کمیت (Mass) (۶) حجم (Volume) (۷) ثقل (Density) (۸) ٹرگنو میٹری (Trignometry) (۹) دخان (۱۰) بخارات (۱۱) حرارت (۱۲) مدوجزر (Tides) (۱۳) محرک (Projective) (۱۴) جمود (۱۵) اسراع (۱۶) دباؤ (۱۷) اچھال تیراؤ (Floatation) (۱۸) مساوات (۱۹) اضافیت (۲۰) بعد کوکب (۲۱) ہیئت ارض (۲۲) رفتار سیارہ جیسے اہم موضوعات پر سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔ تعجب اور حیرت کی بات یہ ہے کہ امام احمد رضا محدث بریلوی نے کالج تو درکنار کسی اسکول کا دروازہ بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کے باوجود بھی آپ کے تبحر علمی کا یہ عالم ہے کہ ارضیات، فلکیات اور سائنس کے بڑے بڑے ماہرین آپ کے سامنے طفل مکتب کی بھی حیثیت نہیں رکھتے۔

○ مذکورہ کتاب "فوز مبین" میں امام احمد رضا محدث بریلوی نے (۱) علم طبعی (۲) ڈاکٹر کرنیلوس کی کتاب علم الہیئات (۳) سوالنامہ ہیئات جدیدہ (۴) لکشمی شنکر

کی کتاب جغرافیہ طبعی (۵) محمد عبدالرحمٰن کلیانی کی کتاب نظارہ عالم (۶) رفاعہ بن علی کی کتاب التعریبات الشافیہ لمرید الجغرافیہ (۷) راجہ رتن سنگھ زخمی کی کتاب حدائق النجوم (فارسی) (۸) شرح تذکرہ (۹) شرح طوسی (۱۰) شرح خضری (۱۱) میرک بخاری کی کتاب شرح حکمت العین (۱۲) کاتبی قزوینی تلمیذ طوسی کی کتاب حکمت العین (۱۳) علامہ فاضل خیرآبادی کی کتاب ہدیہ سعیدیہ (۱۴) علامہ برجندی کی کتاب سریر طوسی (۱۵) بطلیموس کی کتاب مجسطی (۱۶) شرح برجندی (۱۷) علامہ عبدالعلی کی عربی کتاب شرح مجسطی (۱۸) ملا محمود جونپوری کی شمس بازغہ (۱۹) مفتاح الرصد (۲۰) ابوعلی محمود بن محمد بن عمر کی کتاب شرح چغمینی (۲۱) ناصرالدین کی عربی کتاب درالمکنون فی غرائب الفنون (۲۲) محمد بن احمد الیاس الحنفی کی عربی کتاب درالمکنون فی بعتہ الفنون جیسی نایاب اور معرکتہ الآراء کتاب سے مواد فراہم کر کے زمین ساکن ہونے کا اپنا دعویٰ ثابت کر دکھایا ہے۔

○ حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ امام احمد رضا نے گیلے لیو اور آئن شائن کے نظریات کا رد انہیں کے دلائل کی روشنی میں منطقیانہ اور سائنسی طرز پر کر کے ایک عجوبہ کر دکھایا ہے۔

○ حرکت زمین کے قائلین سائنسدان (۱) نیوٹن (۲) کوپرنیکس (۳) ابن سینا (۴) کپلر (۵) ہرشل (۶) طوسی (۷) ملا محمد جونپوری (۸) بطلیموس (۹) ابوریحان البیرونی کے نظریات کا تعاقب بھی ان ہی کی کتابوں کے قائم کردہ نظریات سے کیا ہے۔

○ مذکورہ بالا ماہرین سائنس میں ایک نام "آئن شائن" کا بھی ہے۔ اس کا پورا نام البرٹ آئن شائن ہے جو ۱۴ مارچ ۱۸۷۹ء کو جرمنی میں پیدا ہوا تھا اور ۱۹۵۶ء میں امریکہ میں اس کی موت واقع ہوئی تھی۔ آئن شائن امام احمد رضا کا ہم عصر تھا۔ اس نے حرکت زمین کے تعلق سے امام احمد رضا محدث بریلوی کے ایک نظریہ کا تجربہ کیا تو امام احمد رضا کا نظریہ حق اور اس کا اپنا نظریہ باطل ثابت ہوتا محسوس ہوا، لیکن اس نے اس کی توجیہ کر کے بات آگے بڑھنے سے روک دی۔ امام احمد رضا محدث بریلوی وہ واحد شخصیت

ہیں جنھوں نے آئن شائن کے نظریہ پر سب سے پہلے گرفت کی اور آپ کے نقش قدم پر چل کر آج ایک سو سے زیادہ ناقدین سطح زمین پر پیدا ہو گئے ہیں۔ ان شاء اللہ مستقبل قریب میں دنیا کو مجبور ہو کر امام احمد رضا کے نظریہ سکونِ زمین سے اتفاق کرنا ہی پڑے گا۔

ایک اہم واقعہ

○ بانکی پور (پٹنہ۔۔بہار) سے شائع ہونے والے انگریزی اخبار "ایکسپریس" کے ۱۸ اکتوبر ۱۹۱۹ء کے شمارہ میں امریکی ہیئت داں (Metroiogist) پروفیسر البرٹ ایف۔ پورٹا نے ایک پیشین گوئی کی کہ "۱۷ دسمبر ۱۹۱۹ء کے دن آفتاب کے سامنے بیک وقت کئی سیاروں کے جمع ہونے سے جذب اور کشش کے سبب آفتاب میں اتنا بڑا داغ پڑے گا کہ بغیر آلات آنکھ سے دیکھا جائے گا۔ ایسا داغ آج تک ظاہر نہیں ہوا، لہٰذا ۱۷ دسمبر ۱۹۱۹ء کے دن طوفان، بجلیاں، سخت بارش اور بڑے زلزلے ہوں گے۔ زمین ہفتوں میں اعتدال پر آئے گی"۔ اس پیشین گوئی سے پوری دنیا میں اور بالخصوص امریکہ میں ایک ہلچل مچ گئی۔ امام احمد رضا محدث بریلوی کے خلیفہ ملک العلماء حضرت مولانا ظفرالدین صاحب بہاری علیہ الرحمہ نے سہسرام (بہار) سے امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان سے اس کے بارے میں استفتاء کیا۔

امام احمد رضا نے پروفیسر البرٹ پورٹا کی ۱۷ دسمبر ۱۹۱۹ء والی پیشین گوئی کے رد میں ۱۷ دلائل پیش کیے۔ اپنے ان ۱۷ دلائل میں امام احمد رضا نے عیسائی راہب شیز، علامہ قطب الدین شیرازی، ابن ماجہ اندلسی، ہرشل اول، ہرشل دوم، نسمٹ، کوسکی راجر لانک وغیرہ کے مشاہدات و تجربات کا ذکر کیا۔ پھر ماضی و حال کے تجربات و مشاہدات کا ذکر کیا، پھر اپنے نتائج کی روشنی میں پروفیسر البرٹ کی پیشین گوئی کا رد بلیغ فرمایا۔ پروفیسر البرٹ نے آفتاب کے سامنے بیک وقت کئی سیاروں کے جمع ہونے کا جو دعویٰ کیا تھا اس کا ابطال کر کے امام احمد رضا نے (۱) نیپچون (۲) مشتری (۳) زحل (۴) مریخ

(۵) زہرہ (۶) عطارد (۷) یورینس وغیرہ کا ۱۷ دسمبر ۱۹۱۹ء کے دن حقیقی مقام، برج، درجہ اور دقیقہ کی فہرست مرتب کر کے بتا دیا اور ایک رسالہ قلم بند فرمایا جس کا نام "معین مبین" ہے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی کی پیشین گوئی حق ثابت ہوئی اور امام احمد رضا نے جو کہا تھا کہ ان شاء اللہ اس دن تیز ہوا بھی نہیں چلے گی، وہی ہوا۔ دنیا کے ماہرین ہیئت اس دن صبح سے شام تک دوربینیں لے کر دیکھتے رہے مگر کچھ نہ ہوا۔ پروفیسر البرٹ پورٹا کی پیش گوئی باطل ثابت ہوئی اور مغربی دنیا کے بڑے بڑے ماہرین فن نے بھی امام احمد رضا کے علم کا لوہا تسلیم کیا۔

رد حرکت زمین کے تعلق سے امام احمد رضا محدث بریلوی کی کتابیں حسب ذیل ہیں:

(۱) فَوْزِ مُبِیْن دَرردِ حرکتِ زمین۔ (۱۳۳۸ء)

(۲) مُعِیْنِ مُبِیْن بَهرِ دَوْرِ شَمْس وَسُکُوْنِ زَمِیْن۔ (۱۳۳۸ء)

(۳) نُزُوْلِ آیَاتِ فُرقَان بِسُکُوْنِ زَمِیْن وآسمَان۔ (۱۳۳۹ء)

(۴۰) نماز عید کے بعد دعا مانگنے کا اختلاف

عید کے دن عید گاہ پر یا محلہ کی مسجد میں بعد نماز عید دعا مانگنے کا طریقہ ملت اسلامیہ میں صدیوں سے رائج ہے لیکن ملت اسلامیہ میں جو افعال مندوبہ و مستحسنہ عام طور سے رائج ہیں ان سے روکنے کے لیے یہی ایک طریقہ ڈھونڈ نکالا کہ اس کی اصل نہیں۔ لہٰذا بدعت اور ممنوع ہے۔ لہٰذا یہ کام مت کرو۔ ۱۳۰۷ھ میں امام احمد رضا محدث بریلوی سے یہ استفتاء پوچھا گیا کہ:

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مولوی عبدالحئی صاحب لکھنوی نے اپنے فتاویٰ کے ثانی میں یہ امر تحریر فرمایا ہے کہ بعد دوگانہ عیدین یا بعد خطبہ عیدین دعا مانگنا حضور سرور عالم ﷺ و صحابہ و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے کسی طرح ثابت نہیں۔ اب وہابیہ نے

اس پر بڑا غل شور کیا ہے۔ دعائے مذکور کو ناجائز کہتے اور مسلمانوں کو اس سے منع کرتے اور تحریر مذکور سے سند لاتے ہیں کہ مولوی عبدالحئ صاحب فتویٰ دے گئے ہیں۔ ان کی ممانعتوں نے یہاں تک اثر ڈالا کہ لوگوں نے بعد فرائض پنج گانہ بھی دعا چھوڑ دی۔ اس بارے میں حق کیا ہے؟"

("سرور العید فی حل الدعاء بعد صلاۃ العید" از امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ، طلبہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور، ص۵)

دیکھئے! لوگوں کو روکا بھی تو "دعا" سے روکا۔ نماز عید کے بعد دعا کرنے سے روکا اور بات یہاں تک پہنچی کہ لوگوں نے فرض نمازوں کے بعد بھی دعا مانگنی چھوڑ دی۔ کیونکہ وہابیوں نے دعائے مذکور کو ناجائز کہا۔

○ عید کی نماز کے بعد دعا کے تعلق سے مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے لکھا ہے کہ:

"بعد نماز عیدین کے (یا بعد خطبہ کے) دعا مانگنا گو نبی ﷺ اور ان کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین اور تبع تابعین سے منقول نہیں مگر چونکہ عموماً ہر نماز کے بعد دعا مانگنا مسنون ہے اس لیے بعد نماز عیدین بھی دعا مانگنا مسنون ہو گا"۔

("بہشتی زیور" از مولوی اشرف علی تھانوی، ربانی بک ڈپو دہلی، حصہ ۱۱ ص ۷۴۸)

قارئین حضرات غور فرمایئے! حضور اقدس ﷺ صحابہ و تابعین سے ثابت نہ ہونے کی وجہ سے نماز عید کے بعد دعا مانگنا مولوی عبدالحئ صاحب لکھنوی کے فتوے سے ناجائز ہے لیکن تھانوی صاحب کا یہ کہنا ہے کہ وہ دعا مسنون ہے۔ حالانکہ خود تھانوی صاحب نے لکھا ہے کہ قرون ثلثہ میں دعا کا ثبوت نہ ہونے کے باوجود مسنون ہے۔ تھانوی صاحب کی علمی صلاحیت کا جائزہ لو اور تھانوی صاحب کی شان تفقہ کی داد دو کہ "مسنون ہو گا" کہہ کر استدلال کر رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر وہ کام کہ جو قرون ثلثہ میں نہ کیا جاتا ہو اور بعد میں اس کی ابتداء ہوئی ہو، وہ بھی بقول تھانوی صاحب مسنون ہو گا۔

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان نے عید کی نماز کے بعد دعا مانگنے کے مسئلہ پر جب قلم چلایا ہے تو نوک قلم سے علم کے دریا بہنے لگے۔ پچاس احادیث اور پانچ آیات قرآنی سے دعائے مذکورہ کا جواز ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ دعا کی ممانعت کرنے والے مولوی عبدالحیٔ کی اخذ کردہ دلیلوں سے جو ان کے فتاویٰ میں درج ہیں، ایسی ۱۵ عبارتیں نقل کرکے آپ نے ان کے استدلال سے مسئلہ واضح کرکے ایک مستقل کتاب تصنیف فرمائی ہے۔ اس کتاب کا نام مندرجہ ذیل مرقوم ہے:

(۱) سُرُوْرُ الْعِیْدِ السَّعِیْدِ فِیْ حِلِّ الدُّعَآءِ بَعْدَ صَلَاۃِ الْعِیْدِ۔ (۱۳۰۷ھ)

(۴۱) ذبیحہ سے حرام اشیاء کھانے کا اختلاف

ہر وہ حلال جانور کہ جو تکبیر کہہ کر ذبح کیا گیا ہو، اس حلال جانور کے جسم کی کچھ چیزیں کھانا منع ہے۔ اسلام ایک ایسا کامل مذہب ہے کہ جس میں باریک سے باریک باتوں پر بھی التفات کیا جاتا ہے۔ مثلاً کسی جانور کو حلال میں شمار کیا، پھر بھی اس جانور کی کچھ چیزیں ایسی ہیں جو انسانی جسم کے لیے فائدہ بخش نہیں یا نقصان دہ ہیں تو ایسی چیزوں کے کھانے سے اجتناب کرنے کے لیے شریعت نے ان چیزوں کا کھانا ممنوع قرار دیا ہے۔ حلال جانور کی کون کون سی چیز کھانا منع ہے، اس کی مکمل معلومات ہر عام آدمی کو نہیں ہوتی بلکہ خاص لوگ بھی مکمل معلومات نہیں رکھتے۔ کچھ چیزیں ہی عوام میں مشہور ہیں کہ یہ چیزیں کھانا منع ہیں، بقیہ چیزوں کی ممانعت سے اکثریت ناواقف ہے۔

وہابی دیوبندی مکتبہ فکر کے علماء کے متبعین کو اپنے علماء کے تفقہ فی الدین کا بہت غرور ہے لیکن دیوبندی مکتبہ فکر کے علماء کو جب فتاویٰ کے ترازو میں تول کر پرکھا جاتا ہے تو ان کی علمی کمزوریاں سامنے آتی ہیں۔ وہابی دیوبندی جماعت کے امام ربانی مولوی رشید احمد کو تبلیغی جماعت کے بانی مولوی الیاس کاندھلوی نے "مجدد" میں شمار کیا ہے لیکن دیوبندی مکتبہ فکر کے مجدد کو حلال جانور کی کون سی چیز کھانا منع ہے، اس کی پوری معلومات نہ تھی۔ بلکہ جو چیزیں کھانا شرعاً ممنوع ہیں ان کے جواز کا فتویٰ دے دیا ہے۔

○ مولوی رشید احمد گنگوہی نے فتویٰ دیا کہ:

سوال: جانور حلال مثل بکری و گاؤ و طیور وغیرہ میں کون کون چیز حلال ہے، کون کون حرام؟

جواب: سات چیزیں حلال جانور کی کھانی منع ہیں۔ ذکر، فرج، مادہ و مثانہ، غدود، حرام مغز جو پشت کے مہرہ میں ہوتا ہے، خصیہ، پتہ یعنی مرارہ جو کلیجہ میں تلخ پانی کا ظرف ہے اور خون سائل قطعی حرام ہے۔ باقی سب اشیاء کو حلال رکھا ہے مگر بعض روایات میں گردہ کی کراہت لکھتے ہیں اور کراہت تنزیہہ پر حمل کرتے ہیں۔ فقط۔

("تذکرۃ الرشید" مولف مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، مکتبہ خلیلیہ سارنپور، (یو۔پی) جلد ۱، ص ۱۷۴)

○ مولوی رشید احمد گنگوہی کا ایک دوسرا فتویٰ ملاحظہ ہو:

سوال: اوجھری یعنی آنت اور اس کو جگری بھی کہتے ہیں کہ پیٹ میں ہوتی ہے اور اس میں پیشاب و گوبر رہتا ہے، اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اوجھری کھانی درست ہے۔ فقط۔

سوال: گائے کی اوجھری اور بکری کی کھیری کھانا درست ہے یا نہیں؟

جواب: درست ہے۔ فقط۔

("فتاویٰ رشیدیہ" از مولوی رشید احمد گنگوہی، مکتبہ تھانوی دیوبند (یو۔پی) ص ۵۵۲)

گنگوہی صاحب کی معلومات صرف سات اشیاء تک ہی محدود ہیں، حالانکہ ذبیحہ سے کل بائیس اشیاء کھانا ممنوع ہیں۔

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ و الرضوان نے "اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃُ فِی الْفَتَاوَی الرِّضْوِیَّۃِ" جلد ہشتم، مطبوعہ سنی دارالاشاعت، مبارک پور (اعظم گڑھ) ص ۳۲۴ تا ص ۳۲۷ میں ذبیحہ سے کل بائیس اشیاء کھانی ممنوع بتائی ہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں:

○ سات چیزیں تو حدیثوں میں شمار فرمائی گئیں: (۱) مرارہ یعنی پتہ (۲) مثانہ یعنی

پھکنا (۳) حیا یعنی فرج مادہ (۴) ذکر (۵) انثیین (۶) غدہ یعنی غدود (۷) دم مسفوح

○ علامہ قاضی بدیع خوارزمی صاحب عینۃ الفقہاء و علامہ شمس الدین محمد قہستانی شارح نقایہ و علامہ سیدی احمد مصری محشی در مختار وغیرہم علماء نے دو چیزیں اور زیادہ فرمائیں (۸) نخاع الصلب یعنی حرام مغز۔ اس کی کراہت نصاب الاحتساب میں بھی ہے۔ (۹) گردن کے دو پٹھے جو شانوں تک ممتد ہوتے ہیں۔

○ اور فاضلین اخیرین وغیرہما نے تین اور بڑھائیں (۱۰) خونِ جگر (۱۱) خونِ طحال یعنی تلی کا خون (۱۲) خونِ گوشت یعنی دم مسفوح (بہتا خون) نکل جانے کے بعد جو خون گوشت میں رہ جاتا ہے۔

○ (۱۳) خون قلب یعنی کہ دل میں جو خون بعد کو نکلے (۱۴) مرہ یعنی وہ زرد پانی کہ پتہ میں ہوتا ہے، جسے صفرا کہتے ہیں۔

○ (۱۵) مخاط اور فارسی میں اسے آب بینی کہتے ہیں یعنی کہ ناک کی رطوبت جس کو رینٹھ کہتے ہیں۔

○ (۱۶) وہ خون جو رحم میں نطفہ سے بنتا ہے، منجمد ہو کر علقہ نام رکھا جاتا ہے، وہ بھی قطعاً حرام ہے۔

○ (۱۷) دبر یعنی پاخانے کا مقام۔ (۱۸) کرش یعنی "اوجھڑی" (۱۹) امعا یعنی آنتیں بھی اس حکم کراہت میں داخل ہیں۔

○ (۲۰) گوشت کا وہ ٹکڑا جو رحم میں نطفہ سے بنتا ہے، جسے مضغہ کہتے ہیں۔

○ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک بچہ تام الخلقہ حرام ہے۔ یعنی کہ بکری کے پیٹ میں سے ذبح کرنے کے بعد مُردہ بچہ نکلے، وہ بچہ حرام ہے۔

○ نطفہ بھی حرام ہے۔ خواہ نر کی منی مادہ کے رحم میں پائی جائے یا خود اسی جانور کی منی ہو۔

امام احمد رضا محدث بریلوی کی مذکورہ بالا تحقیق کو ملاحظہ فرمائیں اور گنگوہی صاحب کی ایک عام مولوی کی طرح معمولی معلومات دیکھیں اور تقابل کریں تو پتہ چلے گا کہ امام احمد رضا ایک بلند رتبہ فقیہ اور متنوع علوم و فنون میں حیرت انگیز مہارت رکھنے

والے مفتی ہیں۔ آپ کی فقہی بصیرت کو اپنے اور پرائے سبھی نے تسلیم کرتے ہوئے اتفاق کیا ہے کہ اس آخری دور میں علم کی جو تحقیق و تدقیق اور گہرائی و گیرائی امام احمد رضا کے ہاں نظر آتی ہے اس کی نظیر دُور دُور تک نظر نہیں آتی' بلکہ یہ کہنا بھی غلو سے خالی ہے کہ آپ ائمہ مجتہدین کا پرتو اور عکس ہیں۔ ایک فقیہ کبھی فقیہ کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا جب تک اسے قرآن' حدیث' مختلف مذاہب و مسالک کے قوانین' تاریخ' مختلف فنون اور اپنے زمانے کے مسائل و احوال کا پورے طور پر ادراک نہ ہو۔

قرآن مجید اور سنت رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنیادیں قائم کر دی ہیں اور ان کی روشنی میں مجتہدانہ و مستنبطانہ' غور و فکر اور بصیرت کے ذریعہ مسائل کا قابل عمل حل پیش کرنا معمولی ذمہ داری نہیں اور اس ذمہ داری کو امام احمد رضا محدث بریلوی نے اچھی طرح ادا کرتے ہوئے ملت اسلامیہ کی صحیح رہنمائی اور علومِ دینیہ کی صحیح خدمت انجام دی ہے اور اُلجھے ہوئے مسائل سلجھائے۔ علمائے دیوبند نے امام احمد رضا کے برعکس کام کیا یعنی کہ سلجھے ہوئے مسائل کو الجھایا۔ اس عنوان میں فتاویٰ رشیدیہ ص ۵۵۲ پر آیت یعنی جگری کے لیے گنگوہی صاحب نے فتویٰ دیا کہ اس کا کھانا درست ہے لیکن اسی فتاویٰ رشیدیہ کے ص ۵۵۱ پر لکھا ہے کہ "جگری کو بندہ نہیں جانتا کہ کیا شے ہے" اب آپ گنگوہی صاحب کے علم اور تفقہ کا اندازہ لگائیں کہ جب جگری کیا چیز ہے' وہ گنگوہی صاحب کو معلوم ہی نہیں تو پھر دوسرے فتویٰ میں جگری کھانا درست ہے کا فتویٰ کیونکر دیا؟ ایسی ہی غلطی گنگوہی صاحب بکرے کے کپورے (خصیہ) میں کر گئے۔ بکرے کے کپورے کھانا جائز ہے ایسا فتویٰ دے دیا جو "فتاویٰ رشیدیہ" کے پرانے ایڈیشن میں موجود ہے لیکن بعد کے ایڈیشنوں سے وہ فتویٰ حذف کر دیا۔ کپورے نے اس زمانے میں گنگوہی صاحب کو بہت بدنام کیا تھا اور ان کی حالت بھی کپورے جیسی ہو گئی تھی۔

خیر! ذبیحہ سے بائیس اشیاء کھانے کی ممانعت کی تفصیل میں امام احمد رضا محدث بریلوی نے دلائل سے بھرپور ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے جس کا نام حسب ذیل ہے:

(۱) اَلْمِنَحُ الْمَلِیْحَۃُ فِیْمَا نُھِیَ مِنْ اَجْزَاءِ الذَّبِیْحَۃِ۔ (۱۳۰۷ھ)

(۴۲) فتنہ فلسفہ قدیمہ

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان نے "حرکت زمین" کا بطلان ثابت کرتے ہوئے ۱۰۵ دلائل پر مشتمل بے مثال کتاب "فوز مبین" تصنیف فرمائی۔ آپ نے اس کتاب میں فلسفہ قدیمہ اور فلسفہ جدیدہ پر بھی ضربیں لگائی ہیں۔ فلسفہ قدیمہ کے ازہاق و ابطال میں آپ نے تیس مقام ان کے رد میں لکھے اور فرمایا کہ:

○ "بعون اللہ تعالیٰ تمام فلسفہ قدیمہ کی نسبت روشن ہو گیا کہ فلسفہ جدیدہ کی طرح بازیچہ اطفال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا"۔

امام احمد رضا محدث بریلوی نے فلسفہ قدیمہ اور جدیدہ دونوں کا ایک ساتھ رد بلیغ فرمایا تھا اور یہ تذئیل بہت طویل ہو گئی تھی اور اس وجہ سے "فوز مبین" کتاب کی فصل چہارم کا مضمون زیادہ موخر ہو جاتا تھا۔ اس ضمن میں امام احمد رضا بریلوی کے شہزادۂ اصغر یعنی کہ آقائے نعمت تاجدار اہل سنت، سیدی و مرشدی، ماوائی و ملجائی، حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمتہ نے اپنے والد محترم کو یہ رائے دی کہ دونوں کا رد الگ الگ ہونا چاہیے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ:

> "ولد اعز، ابوالبرکات، محی الدین جیلانی آل الرحمٰن معروف بہ مولوی مصطفیٰ رضا خان سلمہ الملک المنان وابقاہ والی معالی کمالات الدین والدنیا رقاہ کی رائے ہوئی کہ ان مقالات کو رد فلسفہ قدیمہ میں مستقل کتاب کیا جائے کہ اگرچہ دم الاخوین یکجانہ ہو۔ ایک کتاب رد فلسفہ جدیدہ میں رہے دوسری رد فلسفہ قدیمہ میں۔ مقاصد فوز مبین میں اجنبی سے فصل طویل نہ ہو۔ یہ رائے فقیر کو پسند آئی"۔

("اَلْکَلِمَۃُ الْمُلْھَمَۃُ فِی الْحِکْمَۃِ الْمُحْکَمَۃِ لِوِھَاءِ فَلْسَفَۃِ الْمَشْئَمَۃِ" از امام احمد رضا محدث بریلوی، کتب خانہ سمنانی میرٹھ (یو۔پی) ص ۶)

○ مذکورہ کتاب "اَلْکَلِمَۃُ الْمُلْھَمَۃِ" میں امام احمد رضا محدث بریلوی نے

فلسفہ قدیمہ کے ابطال میں فلسفہ قدیمہ کے ہی اصول و ضوابط کا استعمال فرما کر جس کا جوتا اسی کے سر والی کہاوت کو ضرب المثل بنایا ہے۔

○ مذکورہ کتاب میں امام احمد رضا نے فلسفہ قدیمہ کے اکتیس اہم مسائل پر بحث فرمائی ہے۔ اکتیس واں مسئلہ یہ ہے کہ انیسویں صدی تک یہ خیال کیا جاتا تھا کہ "ایٹم (Atom) ایسا چھوٹا ذرہ ہوتا ہے کہ وہ تقسیم نہیں ہو سکتا۔ (غیر منقسم) جس کو عربی زبان میں "جزو لایتجزی" اور انگریزی زبان میں Indivisible کہتے ہیں۔

امام احمد رضا محدث بریلوی نے عملی طور پر ثابت کر دیا کہ قرآن مجید کی آیت "تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ" کے ارشاد کے مطابق قرآن شریف میں ہر چیز کا بیان موجود ہے اور ہر معمہ کا حل قرآن سے حاصل ہو سکتا ہے۔ غیر منقسم جزو (Undivisible Atom) کا جو اصول قدیم فلسفہ میں ۱۹۰۰ء تک رائج تھا اس کو امام احمد رضا نے قرآن مجید سے باطل ثابت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

> "فاقول، قال المولیٰ سبحانہ و تعالیٰ "وَمَزَّقۡنٰهُمۡ كُلَّ مُمَزَّقٍ" تمزیق پارہ پارہ کرنا۔ ہم نے ان کی کوئی تمزیق باقی نہ رکھی سب بالفعل کر دیں۔ ظاہر ہے کہ یہاں تمزیق موجودہ مراد نہیں ہو سکتی ہے کہ تحصیل حاصل ناممکن۔ لاجرم تمزیق ممکن مراد یعنی جہاں تک تجزیہ کا امکان تھا سب بالفعل کر دیا۔ تو ضرور یہ تجزیہ ان اجزاء پر منتہی ہوا جن کے آگے تجزیہ ممکن نہیں، ورنہ "کُلَّ ممزق" نہ ہوتا کہ ابھی بعض تمزیقیں باقی تھیں"۔
>
> ("اَلۡكَلِمَةُ الۡمُلۡهَمَةُ" از امام احمد رضا محدث بریلوی، کتب خانہ سمنانی میرٹھ (یو۔پی) ص۱۰۹)

قرآن شریف، پارہ ۲۲، سورہ سبا کی آیت نمبر ۱۹ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "وَمَزَّقۡنٰهُمۡ كُلَّ مُمَزَّقٍ" اس آیت کو مشعل راہ بنا کر آیت کی صوفیانہ اور فلسفیانہ جتنی بھی تفاسیر تھیں، اس کے تعاون سے آپ نے ایٹم پر مقالہ لکھا اور اس کی اکتیس ویں منزل میں چار موقف لکھے اور ہر موقف میں آپ نے فلسفہ قدیمہ کے اصول، اس کے تعلق سے شبہات اور پھر اس کا رد فلسفیانہ انداز میں ایسا زبردست فرمایا اور اس کے بعد اپنے دعوے

کے ثبوت میں شواہد و دلائل پیش کر کے حیرت میں ڈال دیا ہے۔

○ ایٹم کا منقسم ہونا ممکن ہی نہیں بلکہ یقینی ہے۔ یہ ثابت کرتے ہوئے آپ نے لکھا کہ:

"فکی و وہمی کا فرق انسانی علم قاصر و قدرت ناقصہ کے اعتبار سے ہے۔ شے جب غایت صغر کو پہنچ جائے گی، انسان کسی آلے سے بھی اس کا تجزیہ نہیں کر سکتا، بلکہ وہ اسے محسوس ہی نہ ہوگی۔ تجزیہ تو دوسرا درجہ ہے لیکن مولیٰ عزوجل کا علم محیط اور قدرت غیر متناہی جب تک حصوں میں شے دون شے کا تمایز باقی ہے۔ قطعاً مولیٰ عزوجل ان کے جُدا کرنے پر قادر ہے تو وہ جو تمزیق فرمائے گا اس میں کل ممزق وہیں منتہی ہوگا، جہاں واقع میں شے دون شے باقی نہ رہے اور وہ نہیں مگر جزو لا یتجزیٰ"۔

("اَلْکَلِمَۃُ الْمُلْھَمَۃ" از امام احمد رضا محدث بریلوی، کتب خانہ سمنانی میرٹھ، ص ۱۰۹)

○ فلسفہ قدیمہ کے رد میں حجۃ الاسلام حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "تہافتہ الفلاسفہ" لکھ کر دنیائے فلسفہ کے قلعے منہدم کر دیئے لیکن ۵۰۵ھ میں حضرت امام محمد غزالی علیہ الرحمۃ و الرضوان کے انتقال کے سو سال کے بعد "ابن رشد" نے ایک کتاب بنام "تہافتہ التہافہ" لکھی اور فلسفہ قدیمہ کو پھر زندہ کیا۔

○ حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "تہافتہ الفلاسفہ" میں صرف بیس مسائل پر بحث کی ہے جبکہ امام احمد رضا نے اپنی کتاب "الکلمتہ الملہمہ" میں انتیس مسائل پر بحث کی ہے۔

○ ایٹم منقسم ہو سکتا ہے اس نظریہ کو غالباً سب سے پہلے امام احمد رضا نے ہی قائم کیا ہے۔ اسی لیے تو اپنا نظریہ ثابت کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

"ہم اگرچہ اس رائے میں منفرد ہیں مگر الحمد للہ آیت کریمہ و دلائل قدیمہ ہمارے ساتھ ہیں"۔

("اَلْکَلِمَۃُ الْمُلْھَمَۃ" از امام احمد رضا محدث بریلوی، کتب خانہ سمنانی

میرٹھ، ص ۱۳۸)

○ ایٹم کے تعلق سے امام احمد رضا محدث بریلوی کے نظریہ سے حسبِ ذیل فلسفیوں اور سائنس دانوں نے اتفاق کیا ہے:

○ ۱۸۹۸ء میں جے جے تھامسن (J.J.Thomson)

○ ۱۹۱۱ء میں روتھرفورڈ (Rotherford)

○ ۱۹۱۳ء میں نیل بوہر (Nilboarh)

امام احمد رضا کی رد فلسفہ قدیمہ میں لکھی کتاب کا نام ہے:

(۱) اَلْکَلِمَةُ الْمُلْهَمَةُ فِی الْحِکْمَةِ الْمُحْکُوْمَةِ لِوَهَاءِ فَلْسَفَةِ الْمَشْئَمَةِ (۱۳۳۸ھ)

(۴۴) فتنہ فلسفہ جدیدہ

یکم رجب ۱۳۰۴ھ کو نواب مولانا سلطان احمد خاں بریلوی نے امام احمد رضا محدث بریلوی کی خدمت میں ایک استفتاء بھیجا اور منطق جدید کے تعلق سے کچھ سوالات دریافت کیے۔ اس استفتاء کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک معقولی عالم مولوی محمد حسن سنبھلی نے ایک کتاب بنام "اَلْمُنْطِقُ الْجَدِیْدُ لِنَاطِقِ اَلنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ" لکھی تھی اور اس کتاب میں اس نے غیر اسلامی اور خالص فلسفیانہ نظریات کی تائید کی تھی اور ماضی کے فلاسفہ سے دو قدم آگے بڑھ کر لب کشائی کی جرأت کی تھی اور اپنے منہ میاں مٹھو بنے اور اپنی کتاب کی تعریف میں لکھا کہ:

"یہ کتاب فرشتہ اثر بلکہ فرشتہ گر ہے اور صیقل ذہن کے لیے عجب اکسیر اعظم و نافع کبیر ہے"۔

اس کی کتاب سے مولانا سلطان احمد خاں صاحب نے آٹھ قول نقل کر کے امام احمد رضا کی خدمت میں بھیجے اور اس کے متعلق شرعی حکم دریافت کیا۔ ۷ رجب ۱۳۰۷ھ کو امام احمد رضا نے صرف چھ دن میں اس کے جواب میں "مقامع الحدید" کی

شکل میں فلسفہ جدیدہ کے رد میں کتاب مکمل فرمائی اور اسی کتاب کی تصنیف کے دوران ایک اور کتاب فلسفہ جدیدہ کے کفریات حجت قاطعہ کے ساتھ ثابت کیے۔

دونوں کتابوں کے نام حسبِ ذیل مرقوم ہیں:

(۱) مَقَامِعُ الْحَدِیْدِ عَلٰی خَدِّ الْمَنْطِقِ الْجَدِیْدِ۔ (۱۳۰۴ھ)

(۲) اَلْبَارِقَةُ اللَّمْعَاءِ فِیْ سُوْءِ مَنْ نَطَقَ بِکُفْرٍ طَوْعًا۔ (۱۳۰۴ھ)

(۴۴) ماں کے پیٹ کے حال کا اختلاف

قرآن مجید ایسا جامع اور مانع کلام ہے کہ اس کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لیے وسیع علم درکار ہے۔ قرآن مجید کا یہ معجزہ ہے کہ اس کے ہر حرف کی مفصل تفسیر کی جا سکتی ہے لیکن کچھ لوگ "ہلدی کا ٹکڑا ہاتھ میں رکھنے سے پنساری" کی طرح دو چار کتابچے پڑھ لینے سے اپنے آپ کو کیا سے کیا سمجھ لیتے ہیں اور تکبر و غرور کے نشے میں قرآن کی آیتوں کی تفسیر لکھنے بیٹھ جاتے ہیں۔ انجام یہ ہوتا ہے کہ خود تو گمراہ ہوتے ہیں ساتھ میں لاکھوں کی تعداد میں بھولے بھالے مسلمانوں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن کی آیت "وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ" جو مادہ کے پیٹ کے حال کے تعلق سے نازل ہوئی ہے اس کا صحیح مطلب و مفہوم سمجھے بغیر کچھ لوگوں نے انبیاء و اولیاء کے علوم مافی الارحام کی مطلق نفی کردی مثلاً:

○ امام الوہابیہ مولوی اسماعیل دہلوی نے لکھا ہے:

> "اسی طرح جو کچھ مادہ کے پیٹ میں ہے اس کو بھی کوئی نہیں جان سکتا کہ ایک ہے یا دو، نر ہے یا مادہ، کامل ہے یا ناقص، خوبصورت ہے یا بدصورت۔ حالانکہ حکیم ان سب چیزوں کے اسباب لکھتے ہیں لیکن کسی کا حال خاص طور پر نہیں جانتے"۔

("تقویۃ الایمان" از مولوی اسماعیل دہلوی، دار السلفیہ بمبئی، ص ۴۲۔۴۳)

○ انبیاء و اولیاء کے لیے جو بات ناممکن اور شرک کہتے تھے، وہی بات اپنے اکابر

کے لیے ممکن اور کرامت مانتے تھے۔ مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کا ایک حوالہ پیش ہے:

"خاں صاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی فرماتے تھے کہ شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی کے ایک مرید تھے، جن کا نام عبداللہ خاں تھا اور قوم کے راجپوت تھے اور یہ حضرت کے خاص مریدوں میں تھے۔ ان کی حالت یہ تھی کہ اگر کسی کے گھر میں حمل ہوتا اور وہ تعویذ لینے آتا، تو آپ فرمادیا کرتے تھے کہ تیرے گھر میں لڑکی ہوگی یا لڑکا اور جو آپ بتلا دیتے تھے، وہی ہوتا تھا"۔

("حکایاتِ اولیاء" مولوی اشرف علی تھانوی، کتاب خانہ نعیمیہ، دیوبند (یو۔پی)

حکایت ۴۹۷، ص ۴۸۴)

○ مذکورہ کتاب ہی کا ایک اور اقتباس پیش خدمت ہے:

"مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا راؤ عبدالرحمٰن خاں صاحب پنجلاسہ (پنجاب) میں حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اور بڑے زبردست صاحب کشف و حالات تھے، کشف کی یہ حالت تھی کہ کوئی لڑکا لڑکی کے لیے تعویذ مانگتا، بے تکلف فرماتے، جا تیرے لڑکا ہوگا یا لڑکی ہوگی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ کیسے آپ بتادیتے ہیں۔ فرمایا کہ کیا کروں بے محابا مولود کی صورت سامنے آجاتی ہے"۔

("حکایات اولیاء" از مولوی اشرف علی تھانوی، کتاب خانہ نعیمیہ دیوبند (یو۔پی)

حکایت ۲۵۴، ص ۲۷۱)

قارئین! انصاف فرمائیں کہ مولوی اسماعیل دہلوی نے اللہ کے سوا کسی کے لیے مادہ کے پیٹ کے حال کی نفی کی ہے اور اس کو تقویۃ الایمان کی دوسری فصل میں "اشراک فی العلم کے رد میں" عنوان کے تحت لکھا۔ انبیاء و اولیاء کے علم کا انکار کرنے والے علماء دیوبند اپنے گروہ کے لوگوں کے لیے اس علم کو تسلیم کرتے ہیں، جیسا کہ مذکورہ دونوں اقتباسات میں (۱) مولوی شاہ عبدالرحیم ولایتی کے عبداللہ خاں راجپوت

اور (۲) شاہ عبدالرحیم کے خلیفہ راؤ عبدالرحمٰن پنجاب کی یہ حالت تھی کہ مادہ کے حمل میں کیا ہے؟ وہ بتا دیتے تھے بلکہ راؤ عبدالرحمٰن خاں کے سامنے تو مولود یعنی کہ حمل میں جو بچہ ہے اس کی صورت آجاتی تھی۔ کتنا بڑا تضاد علمائے دیوبند کے فکر و نظریات میں ہے۔

○ ایک عیسائی پادری نے تو یہاں تک اعتراض کیا کہ معاذ اللہ انبیاء و اولیاء مادہ کے پیٹ کا حال نہیں جان سکتے لیکن ہم نے ایک آلہ ایجاد کیا ہے جس سے ہم معلوم کر لیتے ہیں۔ امام احمد رضا محدث بریلوی نے وہابیوں اور عیسائیوں کے مذکورہ نظریہ کے رد میں ایک تاریخی کتاب تصنیف فرمائی ہے جس کا نام حسب ذیل ہے:

(۱) اَلصَّمْصَامُ عَلٰی مُشَکِّکٍ فِیْ آیَةِ عُلُوْمِ الْاَرْحَامِ۔ (۱۳۱۵ھ)

(۴۵) فتنہ رسم تعزیہ داری

ماہ محرم الحرام کا چاند نظر آتے ہی نئے اسلامی سال کی ابتداء میں واقعات محرم کے تعلق سے کئی افعال و رسومات کی ادائیگی میں لوگ مصروف ہو جاتے ہیں۔ اسلام کے شہید اعظم سیدنا امام حسین اور ان کے رفقاء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اسلام کو زندہ رکھنے کے لیے کربلا کے میدان میں بھوکے پیاسے شہید ہو گئے۔ ان کی بارگاہ عالی میں خراج عقیدت و ایصال ثواب کی نیت سے بہت سے نیک و مستحسن امور رائج ہیں۔ مثلاً ابتدائی عشرہ میں علمائے کرام کی تقریروں کی مجالس کا انعقاد، پانی کی سبیل لگانا، دودھ اور شربت پلانا، غرباء کو کھانا کھلانا، ختم قرآن شریف، ذکر و اذکار، فرض نماز کی ادائیگی کے ساتھ نوافل پڑھنا، خیرات و صدقات فقراء کو دینا وغیرہ نیک کام کیے جاتے ہیں۔ لیکن ان جائز امور کے ساتھ ساتھ جاہلوں نے کچھ ناجائز اور حرام رسومات کا بھی آغاز کر دیا اور طرہ یہ کہ ان ناجائز کاموں کو ثواب کی نیت سے ادا کیا جاتا ہے۔

محرم کے تعلق سے جو ناجائز افعال کیے جاتے ہیں ان میں تعزیہ داری سرفہرست ہے۔ کچھ لوگ اپنی سال بھر کی کھچڑی نکال لینے کے لیے تعزیہ بناتے ہیں اور تعزیہ پر نذر

و نیاز، منتیں، چڑھاوے وغیرہ کے ذریعے اپنا دنیوی مفاد حاصل کرتے ہیں اور اس غرض سے مذہب میں ایک ناجائز رسم کی اہمیت اتنی جمادی ہے کہ اس کو کرنا ضروری اور اس کے خلاف بولنا یا کرنا گناہ عظیم اور عذاب کا مستحق ہونا سمجھا جاتا ہے۔ پھر تعزیہ بنانے والے بھی کئی ہوتے ہیں اور ان میں آپس میں بھی مقابلہ ہوتا ہے کہ کس کا تعزیہ زیادہ خوبصورت اور منقش ہے۔ لہٰذا وہ اس کامپیٹیشن میں فوقیت و اولیت حاصل کرنے کے لیے نئے سنئے ڈیزائن کے تعزیہ بناتے ہیں اور زیادہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لوگ ان تعزیوں کو شہیدوں کے جنازے یا کربلائے معلیٰ میں واقع سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار اقدس تصور کر کے نقد، پھول، عطر، اگربتی، سونے چاندی کے گہنے وغیرہ پیش کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

تعزیہ داری کی ناجائز رسومات کو بہانہ بنا کر وہابی دیوبندی فرقہ کے علماء نے محرم کی جائز رسومات کے لیے بھی حرام کا فتویٰ دے دیا۔ تعزیہ داری کے ساتھ ساتھ دیگر ناجائز امور مثلاً ڈھول، باجے، تاشے، نوحہ زنی وغیرہ کو لوگ ثواب سمجھ کر کرتے ہیں اور جو ان کے ان افعال شنیعہ کو ناجائز کہے اس سے لڑنے، جھگڑنے، کوسنے، گالیاں دینے، شہیدوں کا دشمن وغیرہ خطاب دینے کے لیے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ یہ تمام افعال کرنے والے سنی ہی ہوتے ہیں اور چند سنیوں کے ارتکاب کو دلیل بنا کر وہابی دیوبندی مکتبہ فکر کے علماء تمام اہل سنت و جماعت کو معاذ اللہ بدعتی، تعزیہ دار وغیرہ کہتے ہیں۔

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان نے دین اور شریعت کے معاملہ میں کبھی یہ نہیں دیکھا کہ سامنے کون ہے؟ اپنا ہے یا پرایا؟ بلکہ جس نے بھی شریعت کے خلاف کوئی ارتکاب کیا، کوئی رسم بدعت ایجاد کی یا خلافِ شریعت کوئی اعتقاد رائج کرنے کی کوشش کی تو امام احمد رضا نے اس کا تعاقب کیا اور بلا خوف لومتہ لائم آپ نے حکم شرع واضح فرمادیا۔

○ تعزیہ داری کے تعلق سے امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ:

"اول تو نفس تعزیہ میں روضۂ مبارکہ کی نقل ملحوظ نہ رہی، ہر جگہ نئی تراش، نئی گڑھت، جسے اس نقل سے کچھ علاقہ نہ نسبت۔ پھر کسی میں پریاں،

کسی میں براق، کسی میں اور بیہودہ طمطراق، پھر کوچہ بکوچہ و دشت بدشت اشاعت غم کے لیے ان کا گشت اور ان کے گرد سینہ زنی اور ماتم سازی کی شوانگنی، کوئی ان تصویروں کو جھک جھک کر سلام کر رہا ہے، کوئی مشغول طواف، کوئی سجدے میں گرا ہے، کوئی ان مایہ بدعات کو معاذ اللہ جلوہ گاہ حضرت امام علی جدہ و علیہ الصلوٰۃ والسلام سمجھ کر اس ابرک پنی سے مرادیں مانگتا، منتیں مانتا ہے، حاجت روا جانتا ہے۔ پھر باقی تماشے، باجے، تاشے، مردوں عورتوں کا راتوں کو میل اور طرح طرح کے بے ہودہ کھیل ان سب پر طرہ ہیں۔ غرض عشرہ محرم الحرام کہ اگلی شریعتوں سے اس شریعت پاک تک نہایت بابرکت و محل عبادت ٹھہرا ہوا تھا۔ ان بیہودہ رسوم نے جاہلانہ اور فاسقانہ میلوں کا زمانہ کر دیا"۔

("اعالی الافادہ فی تعزیۃ الہند و بیان الشہادہ" امام احمد رضا محدث بریلوی، مطبع اہلسنت و جماعت بریلی، ص ۳)

○ تعزیہ داری کی قبیح رسم کے لیے شرعی حکم سناتے ہوئے امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ:

"اب کہ تعزیہ داری اس طریقہ نامرضیہ کا نام ہے، قطعاً بدعت و ناجائز و حرام ہے۔" (ایضاً، ص ۴)

امام احمد رضا محدث بریلوی نے تعزیہ، تعزیہ داری، کذب بیانی پر مشتمل شہادت نامے، مرثیہ خوانی وغیرہ کے تعلق سے صاف لفظوں میں شریعت کا حکم مرقوم فرما کر "وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ" کا فریضہ ادا فرمایا ہے لیکن افسوس کہ تعزیہ داری کی علی الاعلان مخالفت کر کے اس کو بدعت، ناجائز اور حرام کہنے والے امام احمد رضا کو وہابی دیوبندی مکتبہ فکر کے لوگ تعزیہ داری کی بدعت کا موجد، ناشر اور معین کہہ کر قوم کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر گمراہ کرنے کا جرم کر رہے ہیں۔

تعزیہ داری اور محرم کی رسومات قبیحہ کے رد میں امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے ایک مستقل کتاب تصنیف فرمائی ہے۔ اس تاریخی کتاب کا نام حسبِ

ذیل ہے:

(۱) اَعَالِی الْاِفَادَۃِ فِی تَعْزِیَۃِ الْھِنْدِ وَبَیَانِ الشَّھَادَۃِ۔ (۱۳۲۱ھ)

(۴۶) قوالی کی محفل اور سماع

بزرگان دین کے اعراس میں کئی مقامات پر محفل سماع اور قوالی کی محفلیں منعقد کی جاتی ہیں۔ اس محفل میں فاسق و فاجر قوال مرد اور عورت بھی شریک ہوتے ہیں اور کبھی کبھی تو خلافِ شریعت اور کفر کی حد تک پہنچے ہوئے کلام پڑھتے ہیں اور ساتھ میں مزامیر مثلاً ڈھول، سارنگی وغیرہ بھی ہوتے ہیں۔ سننے والا مجمع بھی نااہل ہوتا ہے۔ محفل سماع منعقد کرنے والے، سننے والے، گانے والے ایسے باطل وہم میں ہوتے ہیں کہ ہم نیکی کا کام کر کے صاحبِ مزار کو خوش کر رہے ہیں اور عرس کی برکتیں اور فیوض حاصل کر رہے ہیں، لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔

سماع مروجہ اور قوالی کے فعل شنیعہ کا ارتکاب کرنے والے اپنے فعل کے جواز میں غلط روایات و حکایات کا ذکر کرتے ہیں اور معاذ اللہ سلسلہ عالیہ چشتیہ کے عظیم بزرگوں پر تہمت لگاتے ہیں کہ انہوں نے بھی قوالی سنی ہے اور ہم ان کے اتباع میں قوالی سنتے ہیں۔

امام احمد رضا محدث بریلوی سے اس کے تعلق سے استفتاء کیا گیا تو آپ نے اس کی سخت تردید فرمائی اور مروجہ محفل سماع یا قوالی کو حرام اور ناجائز قرار دیتے ہوئے یہ بھی ثابت فرمایا کہ حضرات عالیہ چشتیہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا دامن ایسے ارتکاب قبیحہ سے پاک اور بے داغ ہے۔ البتہ ان حضرات کی جھوٹی محبت کا ڈھونگ رچانے والے کچھ جہلاء نے اس فعل قبیح کو ان حضرات عالیہ مقدسہ کی طرف منسوب کر دیا۔ لیکن حضرات قوالی کی رسم غیر مشروعہ سے کتنے منزہ تھے وہ ثابت کرنے کے لیے آپ نے کئی فتاویٰ اور مستقل دو کتابوں میں اس کا ذکر کیا ہے اور خوبی کی بات تو یہ ہے کہ قوالی کے عدم جواز کے ثبوت میں امام احمد رضا محدث بریلوی نے سلسلہ عالیہ چشتیہ کے اکابر اولیاء

و بزرگوں کی کتابوں سے دلائل اخذ فرماتے ہیں۔ مثلاً

- حضور پرُنور، شیخ العالم فرید الحق والدین گنج شکر کے مرید اور حضور سیدنا محبوب الٰہی نظام الحق والدین، سلطان الاولیاء کے خلیفہ حضرت سیدی مولانا محمد بن مبارک بن علوی کرمانی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی کتاب مستطاب "سیرالاولیاء"۔
- حضور سلطان المشائخ محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ملفوظات طیبات کا مجموعہ "فوائد الفواد شریف"۔
- حضور سلطان المشائخ محبوب الٰہی کے خلیفہ حضرت مولانا فخرالدین زرادی کی کتاب "کشف القناع"۔
- حضرات عالیہ چشتیہ کا دامن قوالی و سماع بامزامیر سے کتنا پاک تھا یہ بتاتے ہوئے امام احمد رضا محدث بریلوی اپنی کتاب "مسائل سماع" ص ۷ پر فرماتے ہیں کہ:

> اکابر و اعاظم اجلہ سلسلہ چشتیہ تصریح فرماتے ہیں کہ حضرات اکابر چشت (قدست اسرارہم) کی طرف سماع مزامیر نسبت کرنا محض دروغ بے فروغ اور افتراء ہے۔

- حضور پرُنور سلطان المشائخ محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "مزامیر حرام است" یعنی کہ مزامیر حرام ہیں۔ (بحوالہ "فوائد الفوائد شریف")

اب آیئے مروجہ قوالی کے تعلق سے امام احمد رضا محدث بریلوی کے نظریات کا جائزہ لیں:

> "ایسی قوالی حرام ہے حاضرین سب گنہ گار ہیں اور ان سب کا گناہ ایسا عرس کرنے والوں اور قوالوں پر ہے اور قوالوں کا بھی گناہ اس عرس کرنے والے کے ماتھے، قوالوں کا گناہ جانے سے قوالوں پر سے گناہ کی کچھ کمی آئے یا اس کے اور قوالوں کے ذمہ حاضرین کا وبال پڑنے سے حاضرین کے گناہ میں کچھ تخفیف ہو، نہیں بلکہ حاضرین میں ہر ایک پر اپنا پورا گناہ اور قوالوں پر اپنا گناہ الگ اور سب حاضرین کے برابر جُدا اور ایسے ہی عرس کرنے والے پر اپنا گناہ الگ اور قوالوں کے برابر جُدا اور سب حاضرین کے برابر علیحدہ، وجہ یہ

کہ حاضرین کو عرس کرنے والے نے بلایا۔ ان لوگوں کے لیے اس گناہ کا سامان پھیلایا اور قوالوں نے انہیں سنایا۔ اگر وہ سامان نہ کرتا یہ ڈھول سارنگی نہ سناتے تو حاضرین اس گناہ میں کیوں پڑتے۔ اس لیے ان سب کا گناہ ان دونوں پر ہوا"۔

("احکام شریعت" از امام احمد رضا محدث بریلوی، جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی، جلد ا مسئلہ ۱۸، ص ۳۳)

○ بزرگان دین کے مقدس آستانوں پر قوالی، رقص سماع مع مزامیر و دیگر افعال شنیعہ کرنے والوں کو امام احمد رضا متنبہ کرتے ہیں کہ ان کے اعراس میں یہ جو ناجائز افعال کیے جاتے ہیں ان سے ان حضرات کو تکلیف ہوتی ہے:

"عرض: حضور! بزرگانِ دین کے اعراس میں جو افعال ناجائز ہوتے ہیں ان سے ان حضرات کو تکلیف ہوتی ہے؟

ارشاد: بلاشبہ اور یہی وجہ ہے کہ ان حضرات نے بھی توجہ کم فرمادی، ورنہ جس قدر فیوض پہلے ہوتے تھے اب کہاں؟"

("الملفوظ" مرتبہ حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا، مکتبہ رضا، بریلی، جلد ۳، ص ۴۶)

مروجہ قوالی کے تعلق سے امام احمد رضا محدث بریلوی نے احادیث علمائے متقدمین کی کتب معتبرہ اور خصوصاً حضرات بزرگان سلسلہ چشتیہ کی کتابوں کے حوالوں سے جو لکھا ہے اور جو دلائل قائم کیے ہیں، وہ اتنی کثیر تعداد میں ہیں کہ تمام علماء دیوبند نے مجموعی طور پر جتنا قوالی کے متعلق لکھا ہے اس سے کئی گنا زیادہ امام احمد رضا نے تن تنہا لکھا ہے۔ لیکن وائے عصبیت پسندی کہ قوالی کی بدعت کو فروغ دینے والے کی حیثیت سے امام احمد رضا کو بدنام کرنے میں علمائے دیوبند نے کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔

مروجہ قوالی کے عدم جواز میں امام احمد رضا محدث بریلوی کے نظریات کا تفصیلی جائزہ لینے کے لیے حسبِ ذیل کتب کی طرف رجوع فرمائیں:

(ا) مسائل سماع۔ ۱۳۲۰ھ

(۲) اَجَلُ التَّحْبِیْرِ فِیْ حُکْمِ السَّمَاعِ وَالْمَزَامِیْرِ۔ ۱۳۲۰ھ
(۳) اَلْمَلْفُوْظُ۔ ۱۳۳۸ھ۔ (بعض ملفوظات)
(۴) احکام شریعت (بعض فتاوی) ۱۳۲۰ھ
(۵) اَلسَّنِیَّةُ الْاَنِیْقَةُ فِیْ فَتَاوٰی اَفْرِیْقَه ۱۳۳۶ھ (بعض فتاوی)

(۴۷) عورتوں کا مزارات پر جانا

اولیاء کرام کے مزارات پر عورتوں کی حاضری کے مسئلہ میں دو فریق ہو گئے ہیں۔ ایک فریق جواز کا قائل ہے، جبکہ دوسرا فریق عدم جواز کا قائل ہے۔ جو فریق جواز کا قائل ہے اس میں اکثریت مزارات کے مجاور اور ان کے ہمنواؤں کی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مستورات کی آمد سے آمدنی میں اضافہ ہوگا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اولیاء کرام کے مزارات کی حاضری کے لیے عورتوں کو جانا منع ہے لیکن سیر و تفریح کی شوقین مستورات کسی نہ کسی بہانے اولیاء کرام کے اعراس کے موقعہ اور دیگر تقریبات کے موقع پر پہنچ جاتی ہیں۔

اولیاء کے مزارات پر عورتوں کی حاضری کے متعلق امام احمد رضا محدث بریلوی سے جب استفتاء کیا گیا، تو آپ نے سخت سے سخت الفاظ میں ممانعت فرمائی اور یہاں تک ارشاد فرمایا ہے کہ:

"غنیتہ میں ہے، یہ نہ پوچھو کہ عورتوں کا مزار پر جانا جائز ہے یا نہیں بلکہ یہ پوچھو کہ اس عورت پہ کس قدر لعنت ہوتی ہے اللہ کی طرف سے اور کس قدر صاحبِ قبر کی جانب سے، جس وقت وہ گھر سے ارادہ کرتی ہے لعنت شروع ہو جاتی ہے اور جب تک واپس آتی ہے ملائکہ لعنت کرتے رہتے ہیں۔ سوائے روضۂ انور کے کسی مزار پر جانے کی اجازت نہیں"۔

("الملفوظ" مرتبہ مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا، مکتبہ رضا بریلی، جلد ۲ ص ۱۱۷)

امام احمد رضا نے اپنے کئی فتاویٰ، ملفوظات اور مستقل رسائل میں عورتوں کو

اولیاء کرام کے مزارات کی حاضری کے لیے جانے سے ممانعت فرمائی ہے اور صاف صاف ارشاد فرمایا ہے کہ:

❑ عورتوں کو مزارات اولیاء و مقابر عوام دونوں پر جانے کی ممانعت ہے"۔

جن حضرات کو زیادہ تفصیل درکار ہو، وہ امام احمد رضا کی حسب ذیل تصانیف کی طرف رجوع فرمائیں:

(۱) جُمَلُ النُّوْرِفِیْ نَهْیِ النِّسَاءِ عَنْ زِیَارَتِ الْقُبُوْرِ۔ (۱۳۳۹ھ)

(۲) احکام شریعت (بعض فتاویٰ) (۱۳۲۰ھ)

(۳) الملفوظ (بعض ملفوظات) (۱۳۳۸ھ)

(۴) مُرُوْجُ النَّجَا لِخُرُوْجِ النِّسَاءِ۔ (۱۳۱۶ھ)

(۴۸) طریقت کو شریعت سے الگ کہنے کا فتنہ

ہر مسلمان کے لیے شریعت کے احکام کی پابندی لازمی ہے۔ پھر چاہے وہ عام آدمی ہو، جاہل ہو، تاجر ہو، ملازم ہو، افسر ہو، طالب علم ہو، عالم ہو، فقیر ہو یا صوفی ہو سب کے لیے شریعت مطہرہ کے احکام نافذ ہیں۔ لیکن کچھ نفس پرور اور جھوٹے صوفیوں نے یہ مہم چلائی کہ ہم طریقت والے ہیں اور ہم طریقت والوں کے لیے شریعت کی پابندی لازمی نہیں۔ شیطان کے بہکاوے میں آکر ان جہلاء نے خلاف شریعت افعال کا بلاکسی جھجک کے ارتکاب شروع کیا اور شریعت کے اٹل قوانین بھی بالائے طاق رکھ دیے۔ حتیٰ کہ صوم و صلاۃ کی پابندی بھی ترک کردی اور جب ان کے افعال غیر مشروع پر گرفت کی گئی تو اپنے دفاع کے لیے طریقت کا نام نہاد جامہ پہن لیا اور شریعت کے قوانین کی پابندی سے خود کو بری الذمہ اور مرفوع القلم ثابت کرنے کی کوشش کی اور غلط روایات و حکایات کا اپنے ذہن سے اختراع کیا اور ماضی کے صوفیائے کرام کو بھی بدنام کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ اپنے خلاف شریعت ارتکاب کو ماضی کے جلیل القدر رفیع المرتبت و پابند شریعت صوفیائے کرام کا اتباع بتایا اور ملت اسلامیہ کو گمراہ

کرنے کی کوشش کی ایک نیا طریقہ بنام طریقت، حقیقت و معرفت شروع کیا۔ صوفیائے کرام کے نام کا غلط استعمال کیا اور ہوائے نفس کے قیدی بن کر شریعت سے اپنے آپ کو آزاد کرلیا۔ شریعت کے قوانین کی وقعت اور اہمیت اپنے دلوں سے یہاں تک نکال دی کہ شریعت کی پابندی کرنے والوں کو بنظر حقارت دیکھنے لگے اور غرور و تکبر کے نشے میں اپنے آپ کو واصل الی الحق گمان کرنے لگے۔ متبعین شریعت سے اپنے آپ کو بلند رتبہ اور مقبول بارگاہ خداوندی متصور کرنے لگے۔ خود تو بہکے لیکن اپنے ساتھ اپنے متوسلین اور معتقدین کو بھی بہکایا اور ایک عظیم ہیجان برپا کر دیا۔

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان سے جب سوال پوچھا گیا تو آپ نے شریعت و طریقت کی حقیقت و معرفت ایک مجددانہ شان سے بیان فرمائی اور طریقت کے اتباع کے پردہ میں شریعت کے اتباع سے منحرف ہونے والے جھوٹے مدعیان کے ہفوات کا ایسا زبردست تعاقب فرمایا کہ ان کے خود ساختہ اصول ھباء منشورا کی طرح اڑ گئے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی نے اس عنوان پر مستقل کتاب تصنیف فرمائی اور اس کتاب میں آپ نے اجلہ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، کبائر اولیاء عظام و صوفیائے کرام کے اقوال و افعال نقل فرمائے۔ ان حضرات کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس (۲) حضرت امام حسن بصری (۳) امیرالمومنین حضرت سیدنا مولیٰ علی مرتضیٰ (۴) حضرت امام شافعی (۵) حضور سیدنا غوثِ اعظم (۶) حضرت جنید بغدادی (۷) حضرت سری سقطی (۸) حضرت ابوالقاسم قشیری (۹) حجتہ الاسلام محمد غزالی (۱۰) حضرت ابویزید بسطامی (۱۱) حضرت ابوسعید خراز (۱۲) حضرت حارث محاسبی (۱۳) حضرت ابوعثمان حیری (۱۴) حضرت سعید ابن اسماعیل حیری (۱۵) حضرت ابوالحسین احمد بن الحواری (۱۶) حضرت ابوحفص عمرحداد (۱۷) حضرت ابوالحسین احمد نوری جو حضرت سری سقطی کے اصحاب میں سے ہیں (۱۸) حضرت ابوالعباس احمد بن محمد الآدمی (۱۹) حضرت ممشاد دینوری (۲۰) حضرت ابوسلیمان دارانی (۲۱) حضرت ابوعلی رودباری (۲۲) حضرت ابوعبداللہ محمد بن حنیف

ضی (۲۳) حضرت ابوبکر محمد بن ابراہیم بخاری کلاباذی (۲۴) حضرت شہاب الحق والدین سہروردی (۲۵) حضرت جعفر بن محمد خواص (۲۶) حضرت داؤد کبیر (۲۷) حضرت محی الدین ابن عربی (۲۸) حضرت ابراہیم دسوقی (۲۹) حضرت عبدالوہاب شعرانی (۳۰) حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی (۳۱) حضرت عبداللہ ہروی انصاری (۳۲) حضرت نورالدین جامی (۳۳) حضرت نظام الدین اولیاء (۳۴) حضرت میر عبدالواحد بلگرامی (۳۵) حضرت شاہ کلیم اللہ چشتی جہاں آبادی (۳۶) حضرت جمال الدین احمد جوزقانی (۳۷) حضرت عبدالغنی نابلسی وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین الیٰ یوم الدین وفی الآخرہ۔

شریعت اور طریقت کے تعلق سے امام احمد رضا محدث بریلوی نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

- "طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے شریعت کے اتباع کا صدقہ ہے، ورنہ بے اتباع شرع بڑے بڑے کشف راہبوں جوگیوں سناسیوں کو ہوتے ہیں۔ پھر وہ کہاں تک لے جاتے ہیں، اسی نار جحیم وعذاب الیم تک پہنچاتے ہیں"۔
- "بالجملہ! شریعت کی حاجت ہر مسلمان کو ایک ایک سانس، ایک ایک پل، ایک ایک لمحہ پر مرتے دم تک ہے اور طریقت میں قدم رکھنے والوں کو اور زیادہ کہ راہ جس قدر باریک اسی قدر ہادی کی زیادہ حاجت"۔
- "شریعت تمام احکام جسم و جان و روح و قلب و جملہ علوم الٰہیہ و معارف نامتناہیہ کو جامع ہے۔ جن میں سے ایک ایک ٹکڑے کا نام طریقت و معرفت ہے ولہٰذا باجماع قطعی جملہ اولیاء کرام تمام حقائق کو شریعت مطہرہ پر عرض کرنا فرض ہے، اگر شریعت کے مطابق ہوں حق و مقبول ہیں، ورنہ مردود و مخذول و یقیناً قطعاً شریعت ہی اصل کار ہے۔ شریعت ہی مناط و مدار ہے۔ شریعت ہی محک و معیار ہے"۔
- "شریعت منبع ہے اور طریقت اس میں سے نکلا ہوا ایک دریا ہے"۔
- "طریقت یہی شریعت ہے، اسی راہ روشن کا ٹکڑا ہے"۔
- "شریعت درخت ہے اور معرفت اس کا پھل ہے"۔

امام احمد رضا محدث بریلوی نے اپنے مذکورہ نظریات کو ثابت کرنے کے لیے جو دلائل پیش کیے ہیں وہ قرآن و حدیث کے علاوہ کبارِ اولیائے اسلام کی کتب معتبرہ سے اخذ کیے ہیں۔ مثلاً:

(۱) طبقات کبریٰ (۲) بہجۃ الاسرار (۳) احیاء العلوم (۴) الیواقیت و الجواہر فی عقائد الاکابر (۵) رسالہ قشیریہ مطبع مصر (۶) حدیقہ ندیہ، مصر (۷) عوارف المعارف مطبع مصر (۸) فتوحات مکیہ (۹) میزان الشریعہ الکبریٰ (۱۰) کتاب الابریز (۱۱) نفحات الانس (۱۲) لطائف اشرفیہ (۱۳) سیرالاولیاء (۱۴) سبع سنابل۔

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان نے ”مقال العرفاء“ نامی تاریخی کتاب تصنیف فرما کر مذکورہ مسئلہ کو روز روشن کی طرح عیاں کر کے بیان فرما دیا اور تمام اشکال و شبہات کو دفع فرما دیا۔ علاوہ ازیں تصوف کے تعلق سے پھیلائی ہوئی بہت سی غلط فہمیاں، صوفیائے کرام کے اشعار کے غلط مفہوم اخذ کرنا وغیرہ امور میں آپ نے تمام شبہات کا ازالہ فرما کر لوگوں کو صراط مستقیم کی نشاندہی کی ہے جس کا صحیح اندازہ حسب ذیل کتابوں کے مطالعہ سے ہو جائے گا۔

(۱) مَقَالُ الْعُرَفَاءِ بِاِعْزَازِ شَرْعٍ وَعُلَمَاء۔ (۱۳۲۷ھ)
(۲) کشف حقائق و اسرار و دقائق۔ (۱۳۰۸ھ)
(۳) اَلتَّلَطُّفِ بِجَوَابِ مَسَائِلِ التَّصَوُّفِ۔ (۱۳۱۲ھ)

(۴۹) سادات کرام کو زکوٰۃ دینے کا تنازعہ

سادات کرام یعنی کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا منع ہے عامتہ المسلمین اور حضرات سادات کرام میں تفاوت ظاہر کرنے اور حضرات سادات کرام کی شان عالی ثابت کرنے کے لیے یہ امتیاز رکھا گیا ہے کہ سید چاہے کتنا ہی غریب و ضرورت مند ہو اس کے لیے زکوٰۃ لینا شرعاً جائز نہیں۔ سادات کرام کے لیے شرعاً زکوٰۃ کھانے کی ممانعت کی گئی ہے۔ اس کا ایک فلسفہ یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ مال کا میل ہے اور یہ میل سادات کرام کی پاک

نسل کے لیے زیبا نہیں۔ لہٰذا یہ مسئلہ ہر عام آدمی کو بھی معلوم ہے کہ سید کو زکوٰۃ دینا منع ہے۔

سادات کرام کی خدمت میں قوم مسلم نہ کبھی زکوٰۃ کی کوئی رقم دیتی تھی نہ دیتی ہے۔ بلکہ زکوٰۃ کے علاوہ صدقہ نافلہ، خیرات وغیرہ کی رقم ہی سادات کرام کی خدمت میں اپنی حسب استطاعت پیش کرتے ہیں۔ لیکن امام احمد رضا محدث بریلوی کے دور میں ایک فتنہ یہ چلا کہ آج کے دور میں جب لوگ زکوٰۃ بھی پوری نہیں نکالتے اور بخل کرتے ہیں۔ ایسے لوگ زکوٰۃ کے علاوہ بھی کچھ رقم راہِ خدا میں خرچ کریں گے ایسی امید کرنا بے کار ہے۔ سید کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں اور زکوٰۃ کے علاوہ کی رقم کی امید کم ہے۔ ایسی صورت میں سادات کرام کو مالی نقصان ہے اور دن بدن ان حضرات کی مالی حالت خستہ درخستہ ہوتی جارہی ہے۔ لہٰذا کوئی ایسی صورت نکالنی چاہیے کہ سادات کرام کے لیے زکوٰۃ کی حلت ہو۔ چنانچہ انہوں نے امام ابویوسف کے ایک قول کی غلط تاویل کرکے اس سے نامناسب استدلال کیا اور سادات کرام کے لیے زکوٰۃ کھانے کی حلت کردی۔

امام احمد رضا محدث بریلوی نے اس مسئلہ میں مخالفین کا تعاقب فرمایا اور قرآن، حدیث، اقوال و افعال صحابہ کرام اولیاء عظام و بزرگان دین سے ثابت کردیا کہ ان حضرات قدسیہ کے لیے زکوٰۃ ہرگز مناسب نہیں۔ اس عنوان پر آپ نے علم کے دریا بہاتے ہوئے ایک مستقل کتاب تصنیف فرمائی ہے جس کا نام حسبِ ذیل ہے:

(۱) اَلزَّھْرُ الْبَاسِمُ فِیْ حُرْمَۃِ الزَّکٰوۃِ عَلٰی بَنِیْ ھَاشِمٍ۔ (۱۳۰۷ھ)

(۵۰) فتنہ حلت اشیاء نشہ آور

گانجہ، افیون، چرس، بھنگ، نشہ آور اشیاء کا استعمال زیادہ تر تو نام نہاد فقیر لوگ کرتے ہیں، اکثر دیکھا گیا ہے کہ بزرگان دین کے مقدس آستانوں پر یہ فقیر ڈیرا لگا کر پڑے رہتے ہیں اور ان کے گروہ متواتر طور پر یہ افعالِ قبیحہ کرتے رہتے ہیں۔ فقیروں کے بھی اپنے الگ اصول و ضوابط ہوتے ہیں۔ پیری، مریدی کی رسم بھی کرتے ہیں لیکن

اس کو مرشد اور بالکا یا چیلہ کی رسم کہتے ہیں۔ مرشد نے گانجہ کی چلم جلائی ایک دو کش کھینچ لیے اور چلم آگے بڑھادی، مرشد کے چیلے تبرکاً ایک ایک کش لگاتے ہیں۔ چلم ایک کے پاس سے دوسرے کے پاس گھومتی رہتی ہے، جیسے ختم ہوئی پھر سے بھرلی اور یہ سلسلہ چلا۔ رات رات بھر یہ دور چلتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں نے بزرگان دین کے آستانوں کو بدنام کیا ہے اور وہابیوں کو اعتراض کی انگلی اٹھانے کا موقعہ دیا ہے۔

ان فقیروں کا ایک وہم یہ ہے کہ ہم جو گانجہ، چرس اور افیون کی چلم پیتے ہیں، یہ ہمارے لیے جائز ہے کیونکہ یہ فقیری نشہ ہے۔ یہ فقیر کچھ لوگوں کو اپنے چیلے بھی بنا لیتے ہیں اور ان کو بھی اس بُری لت کا عادی بنا دیتے ہیں۔

امام احمد رضا محدث بریلوی سے اس تعلق سے پوچھا گیا تو آپ نے جو شرعی حکم تھا، وہ صاف صاف مرقوم فرمادیا اور یہاں تک تحریر فرمایا ہے کہ

○ "خالص پانی بھی دور شراب کی طرح پینا حرام ہے۔"

آپ نے اس عنوان پر اپنے فتاویٰ میں بہت کچھ لکھنے کے علاوہ دو مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں اور کسی کی بھی رعایت کئے بغیر گانجہ، افیون وغیرہ کا شرعی حکم اور اس کے پینے والے اور عادی کے لیے کیا کیا وعیدیں اور احکام نافذ ہوتے ہیں، وہ تمام احکام تفصیل کے ساتھ مرقوم فرما دیئے ہیں۔ کتاب کا مطالعہ معلومات میں اضافہ کے لیے لازمی اور ضروری ہے۔

(۱) اَلْفِقْهُ التَّسْجِيْلِيْ فِيْ عَجِيْنِ النَّارِجِيْلِيْ۔ (۱۳۱۸ھ)

(۲) مَنْزَعُ الْمَرَامِ فِي التَّدَاوِيْ بِالْحَرَامِ۔ (۱۳۰۳ھ)

(۵۱) غائبانہ نماز جنازہ کا اختلاف

مذہب مہذب حنفی میں غائب کی نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔ ائمہ حنفیہ کا اس کے عدم جواز پر اجماع ہے۔ جنازہ کا نمازی کے سامنے ہونا شرط نماز جنازہ ہے لیکن کچھ لوگوں نے یہ نیا طریقہ شروع کیا کہ کسی کا انتقال کسی گاؤں یا شہر میں ہوا ہے اور دوسرے گاؤں

یا شہر میں یا دیگر چند مقامات پر بھی اس کی نماز جنازہ پڑھائی جانے لگی۔ جب امام احمد رضا سے استفسار کیا گیا تو آپ نے غائب کی نماز جنازہ کے عدم جواز میں مستقل کتاب تصنیف فرما دی۔ علاوہ ازیں اپنے فتاویٰ میں بھی اس کا کثیر تعداد میں رد فرمایا ہے اور یہاں تک لکھا کہ

"فتح القدیر، حلیہ، غنیہ، شبلیہ، بحرالرائق میں ہے کہ صحت نماز جنازہ کی شرط یہ ہے کہ میت مسلمان ہو، طاہر ہو، جنازہ نمازی کے آگے زمین پر رکھا ہو۔ اسی شرط کے سبب کسی غائب کی نماز جنازہ جائز نہیں۔"

اس عنوان پر آپ کی کتاب کا نام ذیل میں مرقوم ہے:

(۱) اَلْهَادِي الْحَاجِبُ عَنْ جَنَازَةِ الْغَائِبِ۔ (۱۳۲۷ھ)

(۵۲) فتنہ نکاح مع المرتدین

ایک فتنہ یہ کھڑا کیا گیا کہ جو کلمہ پڑھتا ہے، وہ مسلمان ہے۔ پھر چاہے اس کے جو کچھ بھی عقائد ہوں، ہم کو یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ کیا عقیدہ رکھتا ہے، ہم کو تو صرف اتنا ہی دیکھنا ہے کہ وہ کلمہ پڑھتا ہے، اس خیال کو پھیلانے میں دیوبندی مکتبہ فکر کے افراد نے اہم کردار ادا کیا، کیونکہ وہ لوگوں کو یہ ذہنیت دینا چاہتے تھے کہ چاہے آدمی خدائے تعالیٰ کے لیے امکان کذب مانے، نبی کی شان میں گستاخی کرے، فقہ کا انکار کرے، صحابہ کرام کی تکفیر کرے، اولیاء عظام کی تذلیل کرے، لیکن اگر وہ کلمہ پڑھتا ہے تو وہ مسلمان ہے۔ اس کی کلمہ گوئی کو ہی مد نظر رکھ کر اس کے ساتھ ہر اسلامی معاملہ روا رکھا جائے اور اس کے ساتھ نکاح بھی کیا جائے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی نے اس کی تردید فرمائی اور یہ بتایا کہ صرف کلمہ پڑھنے سے اس کے عقائد باطلہ کا جرم معاف نہیں ہوگا بلکہ ایسا شخص مرتد کے حکم میں ہے اور مرتد سے شادی کرنا محض زنائے خالص ہے۔

اس عنوان پر آپ نے دلائل قاہرہ پر مشتمل ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے جس کا نام درج ذیل ہے:

(۱) اِزَالَۃُ الْعَارِ بِحَجَرِ الْکَرَائِمِ عَنْ کِلَابِ النَّارِ۔ (۱۳۱۶ھ)

(۵۳) نقش نعل مبارک کا اختلاف

نعل پاک، مہر نبوت اور مزار اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نقشہ بنانا، اسے بطور تبرک اپنے پاس رکھنا، حصول برکت و نعمت کا باعث جاننا وغیرہ افعال محبت سلف صالحین میں مستحسن و مندوب تھے۔ بے شمار اولیاء، صوفیاء، ائمہ دین وغیرہ نے اسے محمود سمجھ کر کیا اور اپنے معتقدین و متوسلین کو کرنے کی تلقین و ترغیب دی لیکن علمائے دیوبند نے ان افعال کو "اس کی اصل نہیں" کہہ کر بدعت میں شمار کیا اور ترک کر دینے کی مہم چلائی۔

امام احمد رضا محدث بریلوی نے مخالفین کے ہفوات کا تعاقب فرمایا اور نعل پاک، مزار اقدس کے نقشے و طغرے بنانے کے مستحب ہونے کے ثبوت میں دلائل سے لبریز ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے، اس کا نام حسبِ ذیل ہے:

(۱) شِفَاءُ الْوَالِہِ فِیْ صُوَرِ الْحَبِیْبِ وَمَزَارِہٖ وَنِعَالِہٖ۔ (۱۳۱۵ھ)

(۵۴) تصور شیخ و صلاۃ غوثیہ سے اختلاف

شغل برزخ یعنی کہ تصور شیخ، صلاۃ غوثیہ وغیرہ امور سلف صالحین و صوفیاء باصفا میں صدیوں سے رائج ہیں۔ اپنے شیخ سے حصول فیض و برکت کے لیے یہ عمل مجرب جانا گیا، و نیز صلاۃ غوثیہ تو کبائر اولیاء کرام اور خود حضور سیدنا غوث اعظم دستگیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقوال سے ثابت ہے، لیکن جیسا کہ پچھلے صفحات میں ذکر ہوا کہ ہر وہ کام کہ جس کے ناجائز و ممنوع ہونے کی شریعت میں کوئی دلیل موجود نہ ہو اور وہ کام اولیاء کرام کی عظمت و محبت کے جذبہ کے تحت کیا جاتا ہو، ایسے ہر کام سے ملت اسلامیہ کو روکنے کے لیے دیوبندی مکتبہ فکر کے علماء ہر وقت کوشاں رہتے ہیں۔

○ مولوی رشید احمد گنگوہی کا ایک فتویٰ پیش خدمت ہے۔

"سوال: صلاۃ غوثیہ اکثر مشائخوں میں مروج ہے اس کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

"جواب: بندہ اس کو پسند نہیں کرتا اور نہ جائز جانے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔"

("فتاویٰ رشیدیہ" از مولوی رشید احمد گنگوہی، مکتبہ تھانوی، دیوبند ص ۱۶۳)

○ تصور شیخ کے تعلق سے مولوی رشید احمد گنگوہی کا ایک فتویٰ ملاحظہ ہو:

"سوال: تصور شیخ کو جو صوفیہ چشت کا معمول ہے اور اقوال حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور حضرت مجدد صاحب اس کے موید ہیں، اور مولوی اسماعیل صاحب دہلوی اس کو حرام اور کفر و شرک بتاتے ہیں، آپ کے نزدیک تصور شیخ جائز ہے یا حرام اور کفرو شرک؟

جواب: نفس تصور جائز ہے اگر کوئی امر ممنوع اس کے ساتھ نہ ہو، جیسے کہ تمام اشیاء کا آدمی خیال و تصور کرتا ہے جب اس کے ساتھ تعظیم اس شکل کی کرنا اور متصرف باطن مرید میں جاننا مفہوم ہوا تو موجب شرک کا ہو گیا۔"

("فتاویٰ رشیدیہ" از مولوی رشید احمد گنگوہی، مکتبہ تھانوی، دیوبند ص ۲۱۷)

قارئین مذکورہ فتوے کو بغور ملاحظہ فرمائیں گنگوہی صاحب تصور شیخ کو جائز مانتے ہیں لیکن اگر اس کے ساتھ تعظیم ہے تو وہ فعل شرک ہو گیا یعنی کہ خود اعتراف کر لیا کہ نفس فعل سے کوئی اعتراض نہیں، البتہ بزرگوں کی تعظیم سے اعتراض ہے۔ علاوہ ازیں اس فتوے سے اس بات کی بھی تائید ہوگئی کہ مولوی اسماعیل دہلوی نے تصور شیخ کو حرام، کفراور شرک بتایا ہے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان نے علمائے دیوبند کے مذکورہ نظریات پر شدید گرفت کی اور ان کا رد بلیغ کرنے کے ساتھ ساتھ مذکورہ افعال کو جائز، مندوب اور مستحب ثابت فرمایا اور مشائخ عظام کی معتبر کتب سے ایسے اٹل دلائل پیش فرمائے ہیں کہ پوری دنیائے دیوبندیت کے علماء سے بھی وہ دلائل ٹالے نہیں ٹلتے۔ اس

عنوان پر آپ کی حسب ذیل تصانیف میری ناقص معلومات میں ہیں:

(۱) کشکول فقیر قادری۔ (۱۳۰۵ھ)

(۲) اَلزَّمْزَمَۃُ الْقُمْرِیَّۃُ فِی الذَّبِّ عَنِ الْخَمْرِیَّۃِ۔ (۱۳۰۶ھ)

(۳) اَلْیَاقُوْتَۃُ الْوَاسِطَۃُ فِیْ قَلْبِ عَقْدِ الرَّابِطَۃِ۔ (۱۳۰۹ھ)

(۴) اَنْھَارُ الْاَنْوَارِ مِنْ یَمِّ صَلٰوۃِ الْاَسْرَارِ۔ (۱۳۰۵ھ)

(۵) اَزْھَارُ الْاَنْوَارِ مِنْ صَبَا صَلٰوۃِ الْاَسْرَارِ۔ (۱۳۰۵ھ)

(۶) فتویٰ کراماتِ غوثیہ۔ (۱۳۱۰ھ)

(۵۵) فتنہ وہابیت، امام الوہابیہ

مولوی اسماعیل دہلوی اور مسئلہ تکفیر

ہندوستان کے مسلمانوں کا اتحاد نیست و نابود کر کے مسلمانوں کا شیرازہ درہم برہم کر ڈالنے کے لیے انگریزوں نے مسلمانوں کو مذہب کے نام پر لڑانے کے لیے "وہابی مذہب" کو ہندوستان میں پھیلانے کے لیے مولوی اسماعیل دہلوی کو خریدا اور وہابی مذہب پھیلانے کی تمام ذمہ داری اسماعیل دہلوی کو دی۔ مولوی اسماعیل دہلوی نے سکھوں سے جہاد کرنے کے بہانے وہابی مذہب کو بزور شمشیر پھیلانے کے لیے ۱۲۴۰ھ سے ۱۲۴۶ھ تک ملک پنجاب میں قہر برپا کر دیا اور ہزاروں کی تعداد میں بے قصور سنی مسلمانوں کو شہید کیا۔ بالآخر مولوی اسماعیل دہلوی کی زیادتی اور ظلم و ستم سے تنگ آ کر ملک پنجاب کے درانی پٹھانوں نے ۲۴ ذی الحجہ ۱۲۴۶ھ کے دن اسے بمقام بالاکوٹ مار ڈالا۔

مولوی اسماعیل دہلوی نے ہندوستان میں وہابیت پھیلانے کے لیے "تقویۃ الایمان" نامی کتاب لکھی۔ اس کتاب میں انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی شان میں جی بھر کر گستاخیاں کیں۔ مولوی اسماعیل دہلوی کی موت کے بعد (۱) مولوی قاسم نانوتوی

(۲) مولوی اشرف علی تھانوی (۳) مولوی رشید احمد گنگوہی (۴) مولوی یعقوب نانوتوی (۵) مولوی خلیل احمد انبیٹھوی (۶) مولوی الیاس کاندھلوی وغیرہ نے وہابیت پھیلانے کے مشن کو آگے بڑھایا۔

۱۳۰۰ھ کا ابتدائی دور وہابیت کے عروج کا ابتدائی دور تھا، لیکن یہ وہ دور تھا کہ مکتبہ دیوبند کے علماء کھل کر توہین انبیاء و اولیاء کرنے سے ڈرتے تھے، بہت ہی احتیاط کے ساتھ قدم اٹھا رہے تھے۔ لوگوں کو آہستہ آہستہ وہابیت کا قاتل زہر اپنی میٹھی زبان کی چاشنی میں گھول گھول کر پلا رہے تھے۔ اپنی بے دینی اور بزرگانِ دین کی دشمنی عیاں نہ ہو جائے، اس کا بہت ہی اہتمام کے ساتھ خیال رکھتے تھے۔ کہتے کچھ اور کرتے کچھ تھے، لکھتے کچھ تھے اور بتاتے کچھ تھے۔ ان کی اس ڈبل پالیسی کی کوئی بات کبھی پکڑی جاتی تھی تو اس کی تاویل کر کے اس کو ٹال دیتے تھے۔ ہوتے کچھ تھے اور اپنے کو ظاہر کچھ کرتے تھے۔

ابن عبدالوہاب نجدی کی "کتاب التوحید" اور مولوی اسماعیل دہلوی کی کتاب "تقویۃ الایمان" میں وہابیت کے جو اصول مرقوم تھے وہ اتنے خطرناک تھے کہ سادہ لوح آدمی بھی اس کو پڑھ کر مشتعل ہو جائے۔ علماء دیوبند سے جب ان دونوں کتابوں اور ان کے مصنفین کے تعلق سے پوچھا جاتا تو وہ ماحول کی سنگینی اور سیاق و سباق کے پیش نظر جواب دیتے۔ کبھی لاعلمی کا اظہار کرتے، کبھی تضاد بیانی سے کام لیتے، کبھی تاویل کرتے۔

○ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے متعلق مولوی رشید احمد گنگوہی کے دو متضاد قول پیش خدمت ہیں:

> سوال: "وہابی کون لوگ ہیں اور عبدالوہاب نجدی کا کیا عقیدہ تھا اور کونسا مذہب تھا اور وہ کیسا شخص تھا اور اہلِ نجد کے عقائد میں اور سنی حنفیوں کے عقائد میں کیا فرق ہے؟
>
> جواب: محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں اور ان کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب ان کا حنبلی تھا، البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی مگر وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں، مگر ہاں جو حد سے بڑھ گئے، ان میں فساد آ

گیا ہے اور عقائد سب کے متحد ہیں۔ اعمال میں فرق حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کا ہے۔"

("فتاویٰ رشیدیہ" از مولوی رشید احمد گنگوہی، مکتبہ تھانوی، دیوبند ص ۲۸۰)

○ مذکورہ بالا فتویٰ کے بالکل برعکس مولوی رشید گنگوہی کا نظریہ دیکھیں:

"محمد بن عبدالوہاب کے عقائد کا مجھ کو مفصل حال معلوم نہیں۔"

("فتاویٰ رشیدیہ" از مولوی رشید احمد گنگوہی، مکتبہ تھانوی، دیوبند ص ۸۵)

ناظرین! غور فرمائیں کہ پہلے فتویٰ میں گنگوہی صاحب نے محمد ابن عبدالوہاب نجدی کے متعلق لکھا کہ ان کے عقائد عمدہ تھے جب کہ دوسرے فتویٰ میں ایسا بتایا کہ اس کے عقائد کا حال مجھ کو معلوم نہیں۔ ایک ہی کتاب میں ایک ہی شخص دو متضاد قول بیان کر کے اپنی عادت تضاد بیانی کا بین ثبوت دے رہا ہے۔ دو اقوال الگ الگ ماحول میں دیئے ہوں گے اور حالات کے پیش نظر اپنی جان چھڑانے کی کوشش کی گئی ہو گی۔

اسی طرح عقائد کے بارے میں بھی جب پھنستے تو ایسی ایسی تاویل کرتے کہ اصل بات کو کنارے کر کے موضوع سخن کا پہلو ہی بدل دیتے۔ اسی طرح جب ان سے مطلقاً پوچھا جاتا کہ ایک شخص نبی اور ولی کے تعلق سے ایسا عقیدہ رکھتا ہے، اس کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟ تو فوراً کہتے کہ اس میں نبی اور ولی کی توہین ہے، کفر ہے لیکن جب یہ کہا جاتا کہ یہ عقیدہ آپ کے فلاں پیشوا نے اپنی فلاں کتاب میں لکھا ہے تو فوراً انداز سخن بدل جاتا اور اس عبارت کی تاویل کر کے اس کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی مثلاً:

○ "تقویۃ الایمان" کی عبارت "ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے" کے تعلق سے مولوی رشید احمد گنگوہی سے سوال ہوا تو انہوں نے عقل و فہم سے کوسوں دُور تاویل کر کے مولوی اسماعیل دہلوی کا دفاع کیا جس کی تفصیل "فتاویٰ رشیدیہ، مکتبہ تھانوی دیوبند" کے ص ۸۴ پر درج ہے۔

○ تقویۃ الایمان کی عبارت میں معاذ اللہ حضور ﷺ کے لیے لکھا ہے کہ "میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں۔" اس جملہ کے تعلق سے جب مولوی رشید احمد گنگوہی سے پوچھا گیا تو اس کی بھی گنگوہی صاحب نے بے جوڑ اور بے تکی تاویل کی،

جس کی تفصیل "فتاوی رشیدیہ" مکتبہ تھانوی دیوبند کے ص ۱۱۲ پر درج ہے۔

○ اسی طرح مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے اپنی کتاب "المہند" اور دار العلوم دیوبند کے صدر المدرسین مولوی حسین احمد مدنی نے اپنی کتاب "الشہاب الثاقب" میں کذب بیانی سے کام لیتے ہوئے حقیقت کو چھپانے کی کوشش کی۔ علاوہ ازیں:

○ مولوی اشرف علی تھانوی کی کتاب "حفظ الایمان" کی وہ عبارت کہ جس میں "ایسا علمِ غیب تو" کہہ کر سرکار کائنات ﷺ کے علم غیب کو بچوں، پاگلوں اور جانوروں سے تشبیہ دی ہے، اس کی تاویل میں مولوی حسین احمد مدنی نے "ایسا" لفظ پر لمبی چوڑی بحث کر کے تھانوی صاحب کا دفاع کرنے کی کوشش کی ہے۔

مختصر یہ کہ علمائے دیوبند نے اپنی بد عقیدگی کو عوام کی نظروں سے اوجھل رکھنے کے لیے تمام ہتھکنڈے آزمائے اور عوام کو اندھیرے میں رکھنے کی کوشش کی۔ امام احمد رضا محدث بریلوی علمائے دیوبند کی چالبازی سے اچھی طرح واقف تھے۔ آپ نے جب ان کی کتابوں کی عبارتوں پر شرعی گرفت فرمائی تو وہ گرفت اتنی مضبوط تھی کہ آج تک علمائے دیوبند چھٹکارا نہیں پا سکے۔

○ مولوی اسماعیل دہلوی کی رُسوائے زمانہ کتاب "تقویۃ الایمان" کے رد میں آپ نے "اَلْکَوْکَبَۃُ الشَّہَابِیَّۃُ" اور "سل السُّیُوْفِ الْہِنْدِیَّۃِ" کل دو کتابیں تصنیف فرمائیں اور مولوی اسماعیل دہلوی کے کل ستر کفریات ثابت کیے۔

○ مولوی اسماعیل دہلوی کی کتاب "تقویۃ الایمان" کی مٹی میں ملنے والی عبارت کے دفاع میں مولوی رشید احمد گنگوہی نے جو تاویل کی تھی، اس کا تعاقب فرما کر آپ نے اس کے رد میں "کشف ضلال دیوبند" تصنیف فرمائی۔

فتویٰ دینے میں امام احمد رضا کی شانِ احتیاط اور کفِ لسان

مولوی اسماعیل دہلوی کی موت کے ۲۶ سال کے بعد یعنی کہ ۱۲۷۲ھ میں امام احمد رضا محدث بریلوی کی ولادت ہوئی۔ علمائے دیوبند کی جانب سے توہین و تنقیص رسالت کا سلسلہ جاری تھا۔ ۱۲۹۰ھ میں مولوی قاسم نانوتوی نے ''تحذیر الناس'' کتاب لکھ کر تحریک توہین رسول کو فروغ دیا، پھر گنگوہی صاحب نے امکانِ کذب کا فتویٰ دیا۔ ''براہین قاطعہ'' کتاب میں مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے اور کتاب ''حفظ الایمان'' میں مولوی اشرف علی تھانوی نے بارگاہ رسالت میں سخت گستاخی کی، لیکن امام احمد رضا نے احتیاط سے کام لیا حالانکہ علمائے دیوبند کا طرز افتاء تو آپ گزشتہ صفحات میں ملاحظہ فرما چکے کہ قلم کی ایک ٹھوکر سے لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں کلمہ گو مسلمانوں کو کافر اور مشرک کے فتوے دے دیئے، لیکن امام احمد رضا محدث بریلوی نے کمال احتیاط سے کام لیا اور ۱۲۹۰ھ سے ۱۳۲۰ھ تک یعنی تیس سال تک آپ نے ان کی گمراہ کرنے والی کتاب کی تردید کی اور ان کتابوں کے مصنفین کو ان کی کتابوں کی اغلاط کی نشاندہی کی۔ ان کو تیس سال تک اتمام حجت کرتے ہوئے سمجھایا کہ خدا کے واسطے بارگاہ رسالت کی توہین و تنقیص سے باز آؤ اور اپنی کفری عبارتوں سے رجوع کرکے توبہ کرلو۔ یہاں تک کہ ان کو رجسٹر خطوط کے ذریعہ ان کی کتابوں کی تردید میں اپنی تصنیف فرمودہ کتابیں بھیجیں۔ پورے تیس سال تک اتمام حجت فرمائی لیکن علمائے دیوبند اپنی ضد پر اڑے رہے، ٹس سے مس تک نہیں ہوئے بلکہ اپنی کفری عبارتوں والی کتابوں کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی، جب امام احمد رضا محدث بریلوی اتمام حجت کا فریضہ ادا کرچکے، رجوع کے لیے مسلسل تقاضے کرتے رہے، لیکن وہاں سے کوئی جواب یا قبول حق کی کوئی حرکت نہ ہوئی، تب مجبور ہوکر بادل نخواستہ ۱۳۲۰ھ میں ان گستاخانِ بارگاہ رسالت

پر حکم شرعی نافذ کرتے ہوئے "المعتمد المستند" تصنیف فرمائی۔

کفر کا فتویٰ صادر کرنے میں امام احمد رضا کتنے محتاط تھے، اس کا اندازہ حسبِ ذیل اقتباسات سے لگایا جا سکتا ہے:

○ مولوی رشید احمد گنگوہی نے امکانِ کذب باری تعالیٰ کا جو فتویٰ دیا تھا، اس کے رد میں امام احمد رضا محدث بریلوی نے ۱۳۰۸ھ میں "سُبْحَانَ السُّبُّوْح عَنْ عَیْبِ کِذْبِ الْمَقْبُوْح" شائع فرمائی اور فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں گنگوہی صاحب کے پچھتر (۷۵) کفریات ثابت کرنے کے بعد بھی یہی فرماتے ہیں کہ

"میں ہرگز ان کی تکفیر پسند نہیں کرتا۔ ان مدعیوں یعنی مدعیانِ جدید کو تو ابھی تک مسلمان ہی جانتا ہوں، اگرچہ ان کی بدعت و ضلالت میں شک نہیں۔"

("تمہید ایمان بآیات قرآن" از امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان، قادری بک ڈپو، نو محلہ بریلی، ص ۳۴)

مذکورہ کتاب کے تعلق سے امام احمد رضا نے "حسام الحرمین" میں لکھا ہے کہ

"یہ کتاب میں نے ان کو رجسٹرڈ ڈاک سے بھیجی جو ان کو مل گئی تھی اور ان کے یہاں سے کتاب کی وصولی کی رسید بھی آ گئی ہے، اس کو بھی گیارہ سال کا عرصہ گزر چکا ہے، مخالفین تین سال تک، تو یہ جھوٹ اڑاتے رہے کہ جواب لکھا جائے گا، لکھا جا چکا ہے، چھپے گا، چھپنے کے لیے بھیج دیا ہے۔"

لیکن اتنے طویل عرصے کی مہلت میں بھی گنگوہی صاحب کو جواب لکھنے کی توفیق نہ ہوئی، بلکہ امکان کذب والے فتویٰ کو پوسٹر کی شکل میں شائع کیا لیکن امام احمد رضا محدث بریلوی نے اس اشتہار پر اعتماد نہ کیا۔ بالآخر گنگوہی صاحب کا لکھا ہوا اصل فتویٰ گنگوہی صاحب کے دستخط اور مہر کے ساتھ آیا اور آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور تحقیق کرنے کے بعد ہی آپ نے اس پر حکم شرعی بیان کیا۔

(۲) امام احمد رضا محدث بریلوی فرماتے ہیں کہ

"مسلمانو! یہ روشن ظاہر واضح قاہر عبارات تمہارے پیش نظر ہیں

جنہیں چھپے ہوئے دس دس اور بعض کو سترہ اور تصنیف کو ۱۹ سال ہوئے اور ان دشنامیوں کی تکفیر تو اب چھ سال یعنی ۱۳۲۰ھ سے ہوئی ہے، جب سے المعتمد المستند چھپی۔ ان عبارات کو بغور نظر فرماؤ اور اللہ و رسول کے خوف کو سامنے رکھ کر انصاف کرو۔ یہ عبارتیں فقط ان مفتریوں کا افتراء ہی رد نہیں کرتیں بلکہ صراحتاً صاف صاف شہادت دے رہی ہیں کہ ایسی عظیم احتیاط والے نے ہرگز ان دشنامیوں کو کافر نہ کہا، جب تک یقینی، قطعی واضح روشن جلی طور سے ان کا صریح کفر آفتاب سے زیادہ ظاہر نہ ہولیا، جس میں اصلاً اصلاً ہرگز ہرگز کوئی گنجائش تاویل نہ نکل سکی کہ آخر یہ بندہ خدا وہی تو ہے جو ان کے اکابر پر ستر ستر وجہ سے لزوم کفر کا ثبوت دے کر یہی تو کہتا ہے کہ ہمیں ہمارے نبی ﷺ نے اہلِ لا الٰہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے، جب تک وجہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہو جائے اور حکم اسلام کے لیے اصلاً کوئی ضعیف محمل بھی باقی نہ رہے۔"

("تمہید ایمان بآیات قرآن" از امام احمد رضا، مکتبہ اشاعت اسلام، کراچی ص ۶۰)

مذکورہ عبارت میں امام احمد رضا محدث بریلوی نے کتنی صاف وضاحت فرمادی ہے کہ ہم تکفیر میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ کئی سال تک اتمام حجت فرمائی اور جب ان کی عبارتوں میں تاویل کی بھی کوئی گنجائش نہ رہی اور ان کا کفر آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہوگیا، تب کہیں شرعی حکم نافذ کیا، لیکن افسوس کہ اتنی عظیم احتیاط والے کو ایک منظم سازش کے تحت بدنام کیا جا رہا ہے کہ وہ بات بات میں کفر کا فتویٰ دے دیتا تھا۔

قارئین! فیصلہ کریں کہ بات بات میں کفر کا فتویٰ کون دیتا تھا، امام احمد رضا رحمتہ اللہ علیہ یا علمائے دیوبند؟ حالانکہ پچھلے صفحات میں آپ مطالعہ کر چکے ہیں کہ علماء دیوبند نے کیسی کیسی باتوں پر کفر اور شرک کے فتوے دیئے ہیں۔

○ یارسول اللہ کہنے والا مشرک ○ سہرا باندھنے والا ○ اللہ و رسول نے چاہا تو یہ کام ہو جائے گا کہنے والا ○ عبدالنبی، نبی بخش، غلام محی الدین وغیرہ نام رکھنے والا

○ حضور ﷺ کے لیے علم غیب کا عقیدہ رکھنے والا ○ درود تاج پڑھنے والا
○ کسی کی صورت کا تصور کرنے والا ○ نذر و نیاز کرنے والا ○ منت ماننے والا
○ اولیاء کے آستانے کے کنوئیں کا پانی متبرک سمجھ کر پینے والا ○ روشنی کرنے والا
○ ولی کے آستانے پر پانی پلانے والا ○ انبیاء، اولیاء کی شفاعت کی امید رکھنے والا
وغیرہ وغیرہ۔

○ علماء دیوبند نے ملت اسلامیہ کے بے شمار لوگوں پر کافر اور مشرک کا فتویٰ لگاتے وقت نہ کسی تاویل کی گنجائش پر غور کیا، نہ قائل و فاعل کی نیت کا اعتبار کیا، نہ لزوم کفر، التزام کفر کا فرق محسوس کیا، بس ایک ہی بار میں دھڑاک سے فتویٰ دے دیا۔

اب امام احمد رضا کی شانِ احتیاط دیکھیں:

○ مولوی اسماعیل دہلوی کے ستر کفریات ثابت کرنے کے بعد امام احمد رضا محدث بریلوی فرماتے ہیں کہ

"ہمارے نزدیک مقام احتیاط میں اکفار (کافر کہنے سے) کف لسان (یعنی زبان روکنا) ماخوذ و مختار و مرضی و مناسب۔ واللہ تعالیٰ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔"

("اَلْکَوْکَبَۃُ الشَّہَابِیَّۃِ فِیْ کُفْرِیَاتِ اَبِی الْوَہَابِیَّۃِ" از امام احمد رضا محدث بریلوی، نُوری کتب خانہ، لاہور ص ۶۰)

○ مولوی اسماعیل دہلوی اور اس کے متبعین کے کفریات بوجوہ قاہرہ لزوم کفر کا ثبوت دے کر بھی امام احمد رضا محدث بریلوی یہی فرماتے ہیں کہ

"لزوم و التزام میں فرق ہے۔ اقوال کا کلمہ کفر ہونا اور بات اور قائل کو کافر مان لینا اور بات۔ ہم احتیاط برتیں گے، سکوت کریں گے، جب تک ضعیف سا ضعیف احتمال ملے گا، حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے۔"

("سَلُّ السُّیُوْفِ الْہِنْدِیَّۃِ عَلٰی کُفْرِیَاتِ بَابَا النَّجْدِیَّۃِ" از امام احمد رضا محدث بریلوی، ناشر رضوی کتاب خانہ، بریلی ص ۲۵)

○ امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا وہ جملہ کہ "جب تک ضعیف سے ضعیف احتمال ملے گا، حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے" قابلِ توجہ ہے۔ اسی

ضمن میں ایک ضعیف سے ضعیف احتمال کی وجہ سے امام احمد رضا نے مولوی اسماعیل دہلوی کی تکفیر نہیں کی اور وہ احتمال یہ ہے کہ

"مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنے انتقال کے وقت بہت سے آدمیوں کے روبرو بعض مسائل "تقویۃ الایمان" سے توبہ کرلی تھی۔"

اسماعیل دہلوی کی توبہ کو اتنا مشہور کیا گیا تھا کہ توبہ کی شہرت کو ضعیف احتمال میں شمار کر کے امام احمد رضا نے کفر کا فتویٰ دینے سے کف لسان فرماتے ہوئے سکوت اختیار فرمایا۔

○ مولوی اسماعیل دہلوی کی توبہ کی شہرت کے تعلق سے ایک اقتباس پیش خدمت ہے:

"سوال: اور ایک بات یہ مشہور ہے کہ مولوی اسماعیل صاحب شہید نے اپنے انتقال کے وقت بہت سے آدمیوں کے روبرو بعض مسائل "تقویۃ الایمان" سے توبہ کی ہے۔ آپ نے بھی کہیں یہ بات سنی ہے یا محض افتراء ہے۔

جواب: اور توبہ کرنا ان کا بعض مسائل سے محض افتراء اہلِ بدعت کا ہے۔"

("فتاویٰ رشیدیہ" از مولوی رشید احمد گنگوہی، مکتبہ تھانوی، دیوبند ص ۸۴)

مذکورہ عبارت میں سائل نے سوال میں "ایک بات یہ مشہور ہے" جملہ لکھ کر باور کرا دیا ہے کہ مولوی اسماعیل دہلوی کی توبہ مشہور ہوئی تھی۔ توبہ کی شہرت ہونے کی وجہ سے تو سائل تک بات آئی تھی۔ صرف بات ہی نہیں آئی تھی بلکہ "ایک مشہور بات" کی حیثیت سے بات آئی تھی اور اسی لیے تو اس نے اس بات کے سچ یا جھوٹ ہونے کی تحقیق کرنے کی غرض سے سوال پوچھا تھا لیکن واہ رے گنگوہی صاحب! مولوی اسماعیل کی توبہ بھی کھٹکی، بلکہ اس میں بھی رسوائی کا خوف محسوس کیا کہ ہمارے اکابر کو رجوع کرنا پڑا؟ خیر اس بحث میں نہیں پڑنا۔ البتہ توبہ کی شہرت ہوئی تھی اور اسی شہرت نے امام احمد رضا محدث بریلوی جیسے محتاط کو تکفیر کا حکم جاری کرنے سے روکا۔

قارئین کی عدالت میں استدعاء ہے کہ للہ! آپ بنظر غور دیکھیں اور غیر جانبدار نظر سے فیصلہ کریں کہ امام احمد رضا کے یہاں جو احتیاط ہے اس کا کروڑواں حصہ بھی علماء دیوبند کے یہاں ہے؟

○ علماء دیوبند کے وہ اکابر کہ جن کی کتابوں میں کفری عبارات ہیں اور ان پر غور و فکر اور تمام لوازمات کا التزام کرنے کے بعد امام احمد رضا محدث بریلوی نے شرعی حکم نافذ کرنے کے بعد بھی یہاں تک فرمایا کہ

"ہزار ہزار بار حاش للہ! میں ہرگز ان کی تکفیر پسند نہیں کرتا، جب کیا ان سے ملاپ تھا، اب رنجش ہوگئی۔ جب ان سے جائیداد کی کوئی شرکت نہ تھی، اب پیدا ہوگئی حاش للہ! مسلمانوں کا علاقہ محبت و عداوت صرف محبت و عداوت خدا و رسول ہے، جب تک ان دشنام دہوں سے دشنام صادر نہ ہوئی یا اللہ جل جلالہ و رسول ﷺ کی جناب میں ان کی دشنام نہ دیکھی سنی تھی، اس وقت تک کلمہ گوئی کا پاس لازم تھا۔ غایت احتیاط سے کام لیا، حتیٰ کہ فقہائے کرام کے حکم سے طرح طرح ان پر کفر لازم تھا، مگر احتیاطاً ان کا ساتھ نہ دیا اور متکلمین عظام کا مسلک اختیار کیا۔ جب صاف صریح انکار ضروریات دین و دشنام دہی رب العالمین آنکھ سے دیکھی، تو اب بے تکفیر چارہ نہ تھا کہ اکابر ائمہ دین کی تصریحات سن چکے کہ مَنْ شَكَّ فِيْ عَذَابِهٖ وَكُفْرِهٖ فَقَدْ كَفَرَ جو ایسے کے عذاب و کافر ہونے میں شک کرے، خود کافر ہے۔

اپنا اور اپنے دینی بھائیوں عوام اہل اسلام کا ایمان بچانا ضروری تھا، لاجرم! حکم کفر دیا اور شائع کیا۔ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ○"

("تمہید ایمان بآیات قرآن" از امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان، رضا اکیڈمی، بمبئی ص ۴۴)

صرف یہی نہیں امام احمد رضا محدث بریلوی نے تحریری طور پر احتیاط فرمائی بلکہ عملی طور پر بھی آپ نے علمائے دیوبند کو خطوط لکھے۔ ان کو روبرو بلایا، سمجھایا لیکن علماء دیوبند نے کوئی التفات نہیں کیا۔ ۱۳۲۳ھ میں علمائے حرمین شریفین نے علمائے دیوبند

کے کفر کا فتویٰ دیا لیکن امام احمد رضا نے تو اس فتوے کے بعد اپنی اتمام حجت کی کوشش کو مسلسل جاری رکھا تھا اور یہی کوشش کرتے رہے کہ اگر تھوڑی دیر کے لیے بھی علمائے دیوبند اپنی کفری عبارات پر غور و فکر اور نظر ثانی کرنے کے لیے رضامند ہو جائیں اور رو برو ایک نشست ہو جائے تو میں ان علماء دیوبند کو سمجھاؤں گا تاکہ ملت اسلامیہ سے ایک عظیم فتنہ ختم ہو جائے۔ علمائے حرمین شریفین کے فتوے کے چھ سال کے بعد یعنی کہ ۱۳۲۹ھ میں امام احمد رضا محدث بریلوی نے مولوی اشرف علی تھانوی کو ایک خط لکھا تھا۔ وہ خط لفظ بلفظ "دَافِعُ الْفَسَادِ عَنْ مُرَاد آباد" نام کتاب میں چھپا تھا، اس خط کی بعینہٖ نقل قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں:

"بنام مولوی اشرف علی صاحب تھانوی!

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ۔

اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔

فقیر بارگاہ عزیز و قدیر جل جلالہ تو مدتوں سے آپ کو دعوت دے رہا ہے۔ اب حسب معاہدہ قرارداد مراد آباد پھر محرک ہے کہ آپ کو سوالات و مواخذات حسام الحرمین جواب دہی کو آمادہ ہوں۔ میں اور آپ جو کچھ کہیں لکھ کر کہیں اور سنا دیں اور وہی دستخطی پرچہ اسی وقت فریقین مقابل کو دیتے جائیں کہ فریقین میں سے کسی کو کہہ کر بدلنے کی گنجائش نہ رہے۔ معاہدہ میں ۲۷ صفر مناظرہ کے لیے مقرر ہوئی ہے۔ آج پندرہ کو اس کی خبر مجھ کو ملی۔ گیارہ روز کی مہلت کافی ہے۔ وہاں بات ہی کتنی ہے، اسی قدر کہ یہ کلمات شانِ اقدس حضور پر نور سید عالم ﷺ میں توہین ہیں یا نہیں؟

بعون اللہ تعالیٰ دو منٹ میں اہل ایمان پر ظاہر ہو سکتا ہے، لہٰذا! فقیر اس عظیم ذوالعرش کی قدرت و رحمت پر توکل کر کے یہی ۲۷ صفر روز جاں افزوں دو شنبہ اس کے لیے مقرر کرتا ہے، آپ فوراً قبول کی تحریر اپنی مہری دستخطی روانہ کریں اور ۲۷ صفر کی صبح مراد آباد میں ہوں۔

یہ آخری دعوت ہے، اس پر بھی آپ سامنے نہ آئے تو الحمد للہ میں فرض ہدایت ادا کر چکا، آئندہ کسی کے غوغہ پر التفات نہ ہوگا۔ منوا دینا میرا کام نہیں، اللہ عزوجل کی قدرت میں ہے۔

مہر فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ ۱۵ صفر روز چہار شنبہ ۱۳۲۹ھ

("دفع الفساد عن مراد آباد" از مولانا نعیم الدین، مطبع اہلسنت و جماعت مراد آباد، ص ۲۳)

لیکن افسوس کہ ۲۷ صفر ۱۳۲۹ھ بروز دوشنبہ حسب معاہدہ امام احمد رضا محدث بریلوی تو مراد آباد پہنچ گئے لیکن تھانوی صاحب کا پتا نہیں تھا۔ کاش! اگر تھانوی صاحب صرف دو منٹ کے لیے آجاتے تو ہندوستان کے مسلمانوں کے درمیان سے ایک عظیم فتنہ ختم ہو سکتا تھا، لیکن تھانوی صاحب نے راہ فرار اختیار کر کے تصفیہ العقائد کا سنہری موقعہ گنوا دیا۔

یہاں تک مطالعہ کرنے سے قارئین کے ذہن سے بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو گیا ہوگا۔ امام احمد رضا کیا تھے اور ان کو کیا کر کے پیش کیا گیا۔ کفر کے فتوے میں جو اتنی عظیم احتیاط کرے، اسی کو بات بات میں کفر کا فتوے دینے والا کہہ کر بدنام کیا جا رہا ہے۔ امام احمد رضا کے خلاف چلائی جانے والی مہم کا واحد مقصد یہی ہے کہ امام احمد رضا کے عظیم عملی کارنامہ پر منفی پروپیگنڈوں کے ذریعہ دبیز تہ چڑھا دی جائے اور ان کی شخصیت صرف ایک تنگ نظر اور روایتی مفتی، شاعر اور میلاد خواں کے معمولی مقام پر لا کھڑی کر دی جائے تاکہ عوام ان کی شخصیت سے بدظن ہو جائیں اور ان کی تصانیف کو ہاتھ میں لینے سے بھی اجتناب کریں۔

بلاشک امام احمد رضا محدث بریلوی نے اپنے تجدیدی کارنامہ سے ملت اسلامیہ کی عظیم علمی، اعتقادی اور تصنیفی خدمات انجام دی ہیں، لیکن ان کی زندگی کا عظیم کارنامہ تحریک عشق رسول کی تجدید ہے۔ وہ یقیناً اور صحیح معنوں میں عاشق رسول تھے اور انہوں نے پوری زندگی اسی پاکیزہ مشن کی نشر و اشاعت میں اسی دھن میں گزاری کہ وہ کون سا ایسا طریقہ ہے جس کے ذریعے دعوت عشق رسول ﷺ کو دنیا میں زیادہ سے زیادہ پھیلایا

جا سکے۔ جذبہ عشق رسول کو از سرنو اجاگر و بیدار کرنے کی اس تحریک کی بنیاد اس عاشق صادق نے اس قدر مضبوط ڈالی ہے کہ جسے حوادثات و انقلابات زمانہ ہلا نہیں سکتے، لیکن امام رضا محدث بریلوی کے احوال و واقعات زندگی اور خصوصاً آپ کی تصانیف پر تحقیقی نظر کے بعد ہم ان کے خلاف اور ان کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے والی مخالف تحریکوں، تقریروں اور تحریروں سے دوچار ہوتے ہیں تو یہی سوچ میں پڑ جاتے ہیں کہ برصغیر کا عظیم عالم دین اور ملت اسلامیہ کا سچا مفکر، جس نے ملت اسلامیہ کو سینکڑوں مبسوط اور محققانہ تصانیف کا ذخیرہ عطا فرمایا ہے، اس کے ساتھ کتنی بڑی ناانصافی اور ظلم کیا جا رہا ہے۔ اس کے علمی کارنامے کو داد تحسین دینا تو درکنار، اسے ایک غصہ ور، فتویٰ باز مولوی کے روپ میں پیش کرنے کی ایک رسم بنالی گئی ہے اور وہ رسم ایسی چلی کہ بس چلی آ رہی ہے۔ ملت اسلامیہ کے تعلیم یافتہ اور سمجھ دار طبقے کو چاہیے کہ عرصہ دراز کے پروپیگنڈے کے گرد و غبار کی دبیز تہوں کے نیچے دبا دی گئی امام احمد رضا محدث بریلوی کی نذر بے بہا شخصیت کو خود ان کی تصانیف سے پرکھیں اور غیرجانبدار منصفانہ رائے قائم کریں اور حق کیا ہے؟ باطل کیا ہے؟ اس کی سمجھ اپنے حلقہ احباب کو بھی دیں۔

امام احمد رضا نے فرقہ وہابیہ کے اصولی و فروعی نظریات کا جس خوش اسلوبی سے تعاقب کیا ہے اور ان کے عقائد باطلہ پر جو گرفت فرمائی ہے، وہ گرفت اس قدر صحیح برمحل اور واقعہ کے مطابق ہے کہ اس کا کوئی جواب دیا ہی نہیں جا سکتا۔ فرد واحد کی یہ صلاحیتیں تمام مخالفین کے مجموعہ پر بھاری ہیں، مخالفین کے کئی منظم ادارے کسی اعتبار سے اس اکیلی شخصیت کا مقابلہ نہیں کر پاتے۔

فرقہ وہابیہ کے نظریات کے رد میں امام احمد رضا کی چند تصانیف کا تذکرہ:

○ مولوی اسماعیل دہلوی کے تعلق سے:

(۱) سَلُّ السُّیُوفِ الْھِنْدِیَّۃِ عَلٰی کُفْرِیَاتِ بَابَا النَّجْدِیَّۃِ۔ (۱۳۱۲ھ)

(۲) اَلْکَوْکَبَۃُ الشِّھَابِیَّۃُ فِیْ کُفْرِیَاتِ اَبِی الْوَھَابِیَّۃِ۔ (۱۳۱۲ھ)

(۳) کشف ضلال دیوبند۔ (۱۳۳۷ھ)

(۴) صَمْصَام سُنِّيَّتْ بگلوئی نجدِیَّتْ۔ (۱۳۱۶ھ)

○ عقائد وہابیہ کے رد میں:

(۱) اَلنَّفْحَةُ الْفَائِحَةُ مِنْ مِّسْكِ سُوْرَةِ الْفَاتِحَةِ۔ (۱۳۱۵ھ)

(۲) اَلْاِسْتِمْدَادُ عَلٰی اَجْيَالِ الْاِرْتِدَادِ۔ (۱۳۳۷ھ)

(۳) اِكْدُ التَّحْقِيْقِ بِبَابِ التَّعْلِيْقِ۔ (۱۳۲۲ھ)

(۴) اَلْمُجْمِلُ الْمُسَدَّدِ اَنَّ سَابَ الْمُصْطَفٰی مُرْتَدٌّ۔ (۱۳۰۱ھ)

(۵) اَلْمَقَالَةُ الْمُسْفَرَةُ عَنْ اَحْكَامِ الْبِدْعَةِ الْمُكَفِّرَةِ۔ (۱۳۰۱ھ)

(۶) اَلْبَارِقَةُ الشَّارِقَةُ عَلٰی الْمَارِقَةِ الْمَشَارِقَةِ۔ (۱۳۲۶ھ)

(۷) اِكْمَالُ الطَّامَّةِ عَلٰی شِرْكِ سِوٰی بِالْاُمُوْرِ الْعَامَّةِ۔ (۱۳۱۲ھ)

○ جماعت ثانیہ کے متعلق رد گنگوہی میں:

(۱) اَلرَّادُ الْاَشَدُّ الْبَهِيّ فِيْ هَجْرِ الْجَمَاعَةِ عَلٰی الْكَنْكَوْهِيْ۔ (۱۳۱۳ھ)

○ عقائد وہابیہ کے رد میں مزید تصانیف:

(۱) بَابُ الْعَقَائِدِ وَالْكَلَامِ۔ (۱۳۳۵ھ)

(۲) فَتْحُ التَّسْرِيْنِ بِجَوَابِ الْاَسْئِلَةِ الْعِشْرِيْنِ۔ (۱۳۱۱ھ)

○ بعد نماز جنازہ دعا کے عدم جواز میں فرقہ وہابیہ کا رد:

(۱) بَذْلُ الْجَوَائِزِ عَلٰی الدُّعَاءِ بَعْدَ صَلٰوةِ الْجَنَائِزِ۔ (۱۳۱۱ھ)

(۵۶) متفرق بدعات کارد

امام احمد رضا محدث بریلوی نے شریعت کے خلاف جو بھی امور دیکھے، فوراً آپ نے اپنے قلم کو جنبش دی اور ملت کی صحیح پاسبانی کی۔ اس دور میں اپنے آپ کو سنی کہلانے والے اور کچھ صوفیاء نے خانقاہی نظام میں مروجہ بدعات کا ارتکاب کیا لیکن امام احمد رضا نے اپنے اور پرائے کا فرق اور لحاظ کئے بغیر شریعت و سنت کی نگرانی اور

چوکیداری کے فرائض پورے طنطنے سے ادا کیے اور کسی بھی قسم کی رو رعایت سے باز رہے۔ یہ بدعت کا معاملہ بھی عجیب ہے، مکتبہ فکر دیوبند کے اکابر علماء نے جائز اور مستحسن امور کو بدعت کا لباس پہنادیا، لیکن خود ان افعال میں غوطہ زن رہے، جس کام کو عوام اہل سنت کے لیے بدعت قرار دیا، وہ کام خود کیا اور اپنے ارتکاب کی صحت کے لیے تاویلیں پیش کیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جو کام واقعی بدعت سیئہ ہیں بلکہ بدعات کی جڑ ہیں، ان کاموں کو مکتبہ دیوبند کے علماء نے امام احمد رضا محدث بریلوی سے منسوب کر دیا ہے اور امام احمد رضا کی عبقری شخصیت کو بدعات کا موید اور مجوز قرار دے کر بدنام کرنے میں اپنی تمام قوت صرف کر رہے ہیں، لیکن اگر انصاف کی نگاہ سے امام احمد رضا کی تصانیف کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کیا جائے تو ہم دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ بدعات کی جو بھی کڑی سے کڑی تعریف مقرر کی جائے، امام احمد رضا محدث بریلوی کا دامن اس سے ہر طرح پاک اور صاف ہے۔ آپ نے بدعات کے استیصال میں اپنی پوری قوت صرف کر کے بدعات کے خلاف کتابیں لکھیں، شائع کیں، اعلانیہ بدعات سے بیزاری کا اظہار کیا، تب بھی بدعتی ٹھہریں اور مخالفین اپنے اسلاف کی ہر بدعت کو موافق سنت کہہ کر کرتے جائیں اور اس کے باوجود بھی پکے موحد ہونے کا دعویٰ کریں۔

اس ساری تمہید سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ امام احمد رضا نے اپنی غیر معمولی صلاحیت، عبقریت، بے شمار علوم و فنون میں حیرت انگیز صلاحیت اور ملت اسلامیہ کی گراں قدر خدمت انجام دے کر اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی لافانی و دائمی عظمتوں کی تقدیس اور مسلمان عالم کو ان کی محبت و عشق میں منسلک کرنے کی جو عظیم تحریک چلائی اور ناموس رسالت کے لیے مر مٹنے کا جذبہ اور ولولہ مسلمانوں کے دلوں میں پیدا کر کے متاع حیات بخشی اور ان کی عبقری شخصیت عالمی پیمانے پر ابھری، تو مخالفین نے ان کے خلاف طرح طرح کی بہتان طرازیاں اور افتراء پروری سے کام لیا اور جن بدعات کا امام احمد رضا نے "بلاخوف لومۃ لائم" شدت سے رد کیا انہیں بدعات کو امام احمد رضا کی طرف منسوب کر کے ناانصافی کا بے مثال کارنامہ انجام دیا اور برصغیر کے عوام کی بڑی تعداد کو آپ کا مخالف بنادیا۔

حالات کا غیر جانبدارانہ تجزیہ کرنے سے جو حقیقت روز روشن کی طرح سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ علمائے دیوبند کی توہین آمیز عبارات پر امام احمد رضا محدث بریلوی نے جو گرفت کی تھی، وہ اس قدر صحیح، برمحل اور واقعہ کے مطابق تھی کے علماء دیوبند سے اس کا کوئی جواب دیا ہی نہیں جا سکتا تھا کیونکہ ان عبارات کا صرف یہی ایک علاج تھا کہ ان عبارات سے رجوع اور توبہ کی جائے، لیکن علمائے دیوبند نے ان توہین آمیز اور گستاخانہ عبارت پر اصرار اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا اور ان کی الٹی سیدھی اور بے محل تاویلات کا جو پکھنڈ رچایا، وہ اتنا گھٹیا قسم کا تھا کہ اس سے اردو زبان کے روزمرہ کے الفاظ اور محاورے بھی آج تک شرمندہ ہیں۔ امام احمد رضا محدث بریلوی کی کسی بھی گرفت کا علمائے دیوبند نے آج تک کوئی معقول اور مدلل جواب نہیں دیا اور جواب بھی کیا دے سکتے ہیں؟ ان کی حجت آج بھی قائم ہے، لہٰذا علمائے دیوبند نے معقول اور سیدھی راہ اختیار کرنے کے بجائے الزامی جواب کے طور پر امام احمد رضا محدث بریلوی پر شرک اور بدعت کے ہتھیاروں سے حملہ آور ہونے ہی میں عافیت سمجھی اور مسلمان عوام کا ذہن دوسری طرف پھیرنے کے لیے شدت کے ساتھ یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ وہ تو خرافات و بدعت کے موید، مجوز اور حامی ہیں۔ دیوبندی مکتبہ فکر کے ایک معمولی طالب علم سے لے کر اساتذہ تک بلکہ تبلیغی جماعت کے جاہل مبلغین تک امام احمد رضا محدث بریلوی کو بدعتی اور ان کے افکار و نظریات کو بدعت بدعت کہتے نہیں تھکتے۔ اگر امام احمد رضا کے ان افکار و نظریات اور ان کی شخصیت کو بدعتی اور بدعت کا موید و مبلغ کہا جائے گا تو پھر حقیقی اور سچے مسلمان کی تعریف کیا ہو گی؟ جس سے امام احمد رضا تو خارج ہو جائیں۔

حقیقی اور کامل مسلمان کی تعریف یہ ہے کہ اس کا کوئی قول و فعل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری سے باہر نہ ہو اور اس کی زندگی کا ہر لمحہ شریعت کی پابندی میں گزرے۔ تو بلاشبہ ہم پوری ذمہ داری اور دیانتداری کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ امام احمد رضا محدث بریلوی کا شمار ملت اسلامیہ کے ان چند ممتاز اور کامل مسلمانوں میں ہوتا ہے، جن پر اس دھرتی کو فخر حاصل ہے۔ رہی یہ بات کہ فسق و فجور، شرک و بدعت اور

شریعت کے خلاف ہر کام کی زبانی مخالفت اور قلمی جہاد کرنا علمائے حق کا فریضہ ہے تو ہم بغیر کسی رعایت کے عرض کرتے ہیں کہ علمائے اہلسنّت اور بالخصوص امام احمد رضا محدث بریلوی نے اس میں ذرہ برابر بھی کوتاہی نہیں کی۔ شرک و بدعت کے خلاف جس طنطنے سے انہوں نے قلم اٹھایا ہے، وہ اور کہیں نظر نہیں آنا چاہیے ان امور میں عوام مبتلا ہوں یا خواص، اس بارے میں آپ کا قلم ایسا خنجر ہے جو اپنے بیگانے کی تمیز روا نہیں رکھتا۔ (۱) تعزیہ داری (۲) قوالی (۳) مزارات پر عورتوں کی حاضری (۴) نشہ آور اشیاء کا استعمال (۵) شریعت و طریقت میں فرق اور تضاد ماننا وغیرہ کے خلاف امام احمد رضا کے نظریات آپ نے پچھلے صفحات میں ملاحظہ فرمائے۔ ان کے علاوہ بہت سی ایسی بدعتیں جو مسلمانوں میں رائج تھیں، ان کا بھی آپ نے اعلانیہ رد کیا اور ان کے خلاف فتاویٰ اور رسائل تصنیف فرمائے جن میں سے کچھ بدعات حسبِ ذیل ہیں:

○ محرم کی ناجائز رسومات جو عوام میں رائج ہیں۔ ○ مرد کا چوٹی رکھنا جیسا کہ بعض فقیر رکھتے ہیں۔ ○ بیڑی بازی۔ ○ مرغ بازی۔ ○ بال مثل عورت لمبے رکھنا اور دلیل حضرت گیسو دراز سے پکڑنا۔ ○ قبر کا طواف کرنا یا بوسہ لینا۔ ○ قبر کا بلند تعمیر کرنا۔ ○ ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ (بدھ) کی رسومات۔ ○ پیر کے سامنے عورتوں کا بے پردہ آنا۔ ○ کنکیا اڑانا۔ ○ تاش و شطرنج کھیلنا۔ ○ امام ضامن کا پیسہ باندھنا۔ ○ شادی کی مروجہ رسومات۔ ○ بچوں کے سر پر اولیاء کے نام کی چوٹی رکھنا یا کان میں بالیاں پہنانا۔ ○ مختلف درختوں اور طاقوں میں شہداء تصور کر کے ان کی فاتحہ کرنا، لوبان جلانا، مرادیں مانگنا۔ ○ قبر پر اُجرت دے کر تلاوت کروانا۔ ○ میت کے گھر شادی کی طرح جمع ہونا دعوت طعام میت۔ ○ فرضی مزارات بنانا اور ان پر عرس کرنا۔ ○ پیرانِ پیر کے نام سے بعض جگہ چلہ بنا کر یا ان کے مزار کی اینٹ پر عرس کرنا۔ ○ جمعہ کے خطبہ میں اُردو اشعار پڑھنا وغیرہ مذکورہ بدعات کے خلاف امام احمد رضا نے جو کچھ لکھا ہے، وہ یہاں پر تفصیل سے بتانا ممکن نہیں، فقیر نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب "بدعت اور بریلی" تصنیف کی ہے۔ اس میں ان تمام بدعات پر تبصرہ کیا ہے۔

وقت کا تقاضا اور اہم ضرورت ہے کہ امام احمد رضا کی بدعات کے رد میں لکھی ہوئی کتابوں اور فتاویٰ کو زیادہ سے زیادہ شہرت دی جائے تاکہ اس کو پڑھ کر لوگ ان بدعات کے ارتکاب سے بچنے کے ساتھ ساتھ غلط فہمیوں کے اس اندھیرے سے بھی باہر آجائیں جو امام احمد رضا کے خلاف مخالفین نے پھیلا رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو حق و صداقت سمجھنے اور قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمِین بِجَاہِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ وَالتَّسْلِیْمِ۔

بارگاہ رضا کا ادنیٰ سوالی

عبدالستار حبیب ہمدانی پوربندر (گجرات)

۲۳ رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ

۲ فروری ۱۹۹۷ء بروز یک شنبہ

ماخذ و مراجع

نمبر شمار	نام کتب	صاحب تصنیف
۱	تقویۃ الایمان	مولوی اسمٰعیل دہلوی
۲	حفظ الایمان	مولوی اشرف علی تھانوی
۳	براہین قاطعہ	مولوی خلیل احمد انبیٹھوی
۴	تحذیر الناس	مولوی قاسم نانوتوی
۵	فتاوی رشیدیہ	مولوی رشید احمد گنگوہی
۶	دافع البلاء	مرزا غلام احمد قادیانی
۷	ایک غلطی کا ازالہ	مرزا غلام احمد قادیانی
۸	یک روزہ	مولوی اسمٰعیل دہلوی
۹	تذکرۃ الرشید	مولوی عاشق الٰہی میرٹھی
۱۰	حکایات اولیاء (ارواح ثلاثہ)	مولوی اشرف علی تھانوی
۱۱	آزادی کی کہانی خود آزادی کی زبانی	مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی
۱۲	فیصلہ کن مناظرہ	مولوی منظور نعمانی
۱۳	تذکرۃ الخلیل	مولوی عاشق الٰہی میرٹھی

نمبر شمار	نام کتب	صاحب تصنیف
۱۴	بہشتی زیور	مولوی اشرف علی تھانوی
۱۵	قاسم العلوم (فارسی)	مولوی قاسم نانوتوی
۱۶	سوانح قاسمی	مولوی مناظر احسن گیلانی
۱۷	الافاضات الیومیہ	مولوی اشرف علی تھانوی
۱۸	الشہاب الثاقب	مولوی حسین احمد مدنی
۱۹	کلمۃ الحق	مولوی عبدالحق سکنہ کوٹی
۲۰	حسن العزیز (جلد سوم)	مولوی محمد یوسف بجنوری
۲۱	مزید المجید	مولوی عبدالمجید بچھرانوی
۲۲	کمالاتِ اشرفیہ	مولوی محمد عیسیٰ الہ آبادی خلیفہ تھانوی
۲۳	تاریخ تناولیاں	سید مراد علی علیگڑھی
۲۴	مکتوبات سید احمد شہید (اردو ترجمہ)	سخاوت مرزا
۲۵	سیرت سید احمد شہید	سید ابوالحسن علی ندوی
۲۶	الکلام الحسن	مولوی محمد حسن امرتسری
۲۷	حسن العزیز (جلد اول)	خواجہ عزیز الحسن خلیفہ تھانوی
۲۸	حسن العزیز (جلد چہارم)	مولوی محمد مصطفیٰ و مولوی محمد یوسف بجنوری
۲۹	آداب افتاء و استفتاء	مولوی محمد زید مظاہری ندوی
۳۰	فتاویٰ دارالعلوم دیوبند	مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی
۳۱	دافع الفساد عن مراد آباد	

إِن تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ

اگر کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو جن کی تمہیں ممانعت ہے تو ہم تمہارے دوسرے گناہ بخش دیں گے

(القرآن)

کتاب الکبائر (اردو ترجمہ)

نسخہ جدیدہ

بڑے بڑے گناہوں کا بیان
اور ان کی خوفناک سزائیں

تصنیف

امام علامہ محمد بن احمد ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ

(۶۷۳ — ۷۴۸ھ)

ترجمہ

مولانا علامہ محمد صدیق ہزاروی مدظلہ العالی
سینئر مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

مَاثَبَتَ مِنَ السُّنَّةِ (عربی)

ایّامِ اسلام

(اُردو ترجمہ)

صبر عبدہ

پُورے سال کے مسنون اعمال و اشغال کا بیان
نیز ناجائز اور ممنوع رسموں کا رَدّ

— تصنیف —

امام اہلِ سُنّت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰی

— ترجمہ —

مولانا علامہ مُفتی غلام مُعین الدّین نعیمی رحمۃ اللہ تعالٰی

ناشر
فرید بُک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اُردو بازار لاہور

